سفرنامہ

دنیا کا بدترین صحرا
تکلا مکان
عبور کرنے کی داستان

چارلس بلیک مور
ترجمہ: حمید جعفری

مشعل

روئے زمین کے بدترین صحرا

تکلا مکان
کو عبور کرنے کی داستان

تصنیف: چارلس بلیک مور
مترجم: حمید جہلمی

انتساب

ٹینا کے نام!

جس کی محبت اور مدد سے یہ معرکہ سر ہو سکا

ترتیب

		صفحہ
	تکلا مکان صحرا عبور کرنے والی ٹیم کے ارکان	7
	اظہارِ تشکر	9
	حرفِ آغاز	11
باب 1	تکلا مکان کی کشش	14
باب 2	منصوبہ بندی	25
باب 3	روانگی	42
باب 4	صحرا میں آمد	56
باب 5	ضعف، بیماری اور ریت کے پہاڑ	71
باب 6	شاہراہِ ریشم	81
باب 7	سلسلۂ کوہ	86
باب 8	مزار تاغ	105
باب 9	چینی قید خانہ	113
باب 10	سب لوگوں کا خواب	120
باب 11	ایغیور سارہان	129
باب 12	پانی کا بحران	139
باب 13	قدیم آثار کا انکشاف	147
باب 14	چینی	153
باب 15	ستارہ شناسی ختم	157

		صفحہ
باب 16	سلیمان سے نمٹنے کا مرحلہ	167
باب 17	ایک فاش غلطی	174
باب 18	موت کا کیمپ	184
باب 19	بدشگونی	193
باب 20	صحرا فتح ہو گیا	201
	حرفِ آخر	204

برطانوی — چینی مشترکہ مہم کے ارکان
ستمبر — نومبر 1993

— چارلس بلیک مور	مہم کے امیر
— ریو پرٹ برٹن	مواصلات
— کیرولین ایلس	ڈاکٹر
— رچرڈ گراہم	مارکیٹ سے مزارتاغ تک چینی ترجمان
— مارک کینٹو	چینی ترجمان اور مواصلات (مزارتاغ سے لیو بز ہوانگ کے اواخر تک
— کیتھ سٹر	(یوایس اے) فوٹو گرافر (مارکیٹ سے مزارتاغ تک یواتون گوز سے تاترنگ تک
— گیوجن وائی	چینی ٹیم لیڈر
— لاؤ زہاؤ	گورنمنٹ سائنس دان
— زہانگ بوہوا	ایغیور ترجمان
— چیولائی	فوٹو گرافر اور مرکزی حکومت کا نمائندہ
— عیسیٰ پولتا	ساربانوں کا سربراہ (مزارتاغ میں زخمی ہونے کے بعد اس کا انخلا)
— کریم یونس	ساربان
— عبدالرشید محمد	ساربان

—— روسا خورتا	ساربان
	(عیسیٰ پولتا کے ساتھ مزار تاغ سے انخلا)
—— لوسیئن حسین	ساربان
—— امیر اسمٰعیل	ساربان
—— عبدل رینے	ساربان (ٹانگوزبستی سے لیوبُز ہوانگ تک)
—— سلیمان روسا	ساربان (ٹانگوزبستی سے لیوبُز ہوانگ تک)

امدادی پارٹی

—— بارنی وائٹ سپنر	لیڈر اور مہم کا ڈپٹی لیڈر
—— لارڈ فرانسس سیمور	انتظامیہ اور گاڑی کا ڈرائیور
—— جان تھامس	دوسری گاڑی کا ڈرائیور
—— اینی تھامس	انتظامیہ
—— کرشنا گوہا	آثارِ قدیمہ کا محقق
—— پال ٹرژر	مہم کا سرکاری آرٹسٹ

—— چینی امدادی ٹیم چار معاونین کے ساتھ تین گاڑیوں میں۔

اظہارِ تشکّر

اس مہم کی کامیابی میں باہمی معاونت کی جو روح کارفرما رہی ہے، اسے میں ہی بخوبی جانتا ہوں۔ برطانوی، چینی اور ایغور پر مشتمل ٹیم کے ارکان اس مہم کی کامیابی کا وسیلہ بنے۔ بارنی وائٹ سپنر نے نقل وحمل اور لوگوں سے معاملہ فہمی کے سلسلہ میں جو کردار ادا کیا، وہ لائق ستائش ہے۔

ہر ایک کی جرات اور برداشت کی بہترین تحسین یہ ہے کہ ہم سبھی زندہ سلامت رہے۔ ان اوراق میں سفر کی جو رُوداد ہے وہ ذاتی نوعیت کی ہے۔ یہ ناگزیر تھا کہ میں ہر واقعے کو اس طرح ضبط تحریر میں نہیں لایا جس طرح دوسروں نے اسے یاد رکھا ہو گا، تاہم وہ اس وقت بھی کوتاہیوں کے مرتکب ہوئے تھے اور شاید اب بھی ہوں۔

تکلا مکان صحرا کو عبور کرنے کی مشترکہ برطانوی اور چینی مہم جس پیمانے پر شروع کی گئی اسے ایسی ہی وسیع حمایت درکار تھی، نقد، مال اسباب اور مشوروں کی صورت میں، کمپنیاں، افراد، دوست اور عزیز و اقارب دے سکتے تھے۔ جنہوں نے ہماری مدد کی، میں اُن میں سے ہر ایک کا شکر گزار ہوں۔ افسوس ہے کہ صفحات کی تنگ دامانی کے باعث ان میں سے ہر ایک کا نام نہیں لکھا جا سکتا۔

ڈیوک آف ایڈنبرا نے ہماری سرپرستی کی، ایڈورڈ ہیتھ ہماری مہم کے ڈائریکٹر رہے، ان کے سبب سے ہی ہم پر کئی دروازے کھلے، ہماری مہم اپنی نوعیت کی پہلی کلاسیکی مہم تھی، اس کا ایک مقصد بچوں کے لیے کینسر فنڈ جمع کرنا تھا۔ ہمیں رائل جیوگرافیکل سوسائٹی، سائنس تحقیقاتی سوسائٹی، برٹش میوزیم، برٹش لائبریری، آکسفورڈ

یونیورسٹی (سکول آف جیوگرافی) کی مدد اور مشورے بھی ملے۔ میں آخر میں اپنی رفیقۂ حیات ٹینا اور اپنے تین بیٹوں اولیور، جیک اور ٹوبائی کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا، جنہوں نے گزشتہ تین سال سے تکلا مکان سے میرے جذباتی تعلق کو سمجھا بھی اور برداشت بھی کیا۔ یہ کتاب مکمل ہونے کے بعد میں اُن کے ساتھ آ ملا ہوں۔

چارلس بلیک مور

ہیشائر (مئی: 1995ء)

حرفِ آغاز

جب چارلس بلیک مور نے مجھے بتایا کہ وہ تکلا مکان صحرا کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک عبور کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے تو پہلے میں نے سوچا کہ شاید مجھے سننے میں غلطی ہوئی ہے کیوں کہ تاریخ میں کسی نے بھی اس مشکل ترین صحرا کو سَر کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، میں نے ہوائی جہاز پر، فضا سے اس صحرا کے ریتلے ٹیلوں اور پہاڑوں کا مشاہدہ کیا تھا اور چند ایسے مہم جو سیاحوں کے تذکرے پڑھے تھے جنہوں نے اس صحرا کو عبور کرنے کے لیے جان کی بازی لگائی تھی۔ مگر بدقسمتی سے ہار گئے، میرا خیال تھا کہ افق سے افق تک صحرا کو عبور کرنا ممکن نہیں۔

پہلے زمانے میں سر ایورل سٹین اور سیون ہیڈن نے اس بیضوی صحرا کو عمودی طور پر اور وہ بھی چھوٹے اور آسان راستے سے عبور کیا تھا، دونوں نے دریا کو راستہ بنایا تھا، جو صحرا میں سے گزرتا ہوا ریت میں غائب ہو جاتا ہے۔ انہوں نے جو فاصلہ طے کیا وہ چارلس بلیک مور کے مجوزہ راستے کا ایک چوتھائی تھا۔ دوسرے وہ ٹیلوں پر سے نہیں، ان کے درمیان سے گزرا تھا۔

سٹین اور ہیڈن کی مہمات بلاشبہ نہایت خطرناک تھیں، ان میں اس عظیم صحرا کے کناروں کے اندر اور کناروں کے گرد گزرنا شامل تھا۔ ان کا ایک مقصد آثار قدیمہ اور کئی گم شدہ شہروں کو تلاش کرنا تھا۔ ہیڈن کی پہلی مہم میں دو افراد اور اونٹ ہلاک ہو گئے۔ خود وہ بھوک اور پیاس سے مرتا مرتا بچا تھا۔ سٹین اور ہیڈن کی مہم کا چارلس کی مہم سے کوئی مقابلہ نہیں تھا، جس نے دو ماہ کی مدت میں 780 میل کا فاصلہ طے کیا۔ چارلس بلیک مور اور ان کی پارٹی نے تکلا مکان کو مشرق سے مغرب کی بجائے

مغرب سے مشرق کی جانب عبور کرنے کا انتہائی مشکل فیصلہ کیا۔ مہم کے اختتام پر خود بلیک مور پر عیاں ہوا کہ صحرا کو عبور کرنے کا جو رُخ انہوں نے اختیار کیا تھا، اس نے ان کی مہم کو بے حد مشکل بنا دیا۔

مہم کے لیڈر میجر چارلس بلیک مور کو صحرا میں سفر کرنے کا خاصا تجربہ ہے۔ اس نے لارنس آف عربیا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سفر کیا تھا۔ اس نے مجھے تکلا مکان کی مہم میں ساتھ چلنے کی دعوت دی لیکن میں راضی نہیں ہوا۔ مجھے اس کے ساتھ اس صحرا میں جانے کی تحریک نہیں ہوئی، جس کے نام کے معنے ہی یہ ہیں کہ تم اس میں چلے تو جاؤ گے لیکن واپس نہیں آ سکو گے۔ میں نے کنگز افریقن رائفلز میں رہتے ہوئے صومالیہ اور شمالی کینیا میں سفر کیا تھا، لیکن اونٹوں پر، پھر اس کی حیثیت تفریحی سفر کی تھی۔

میں اس کتاب اور اس کے شان دار مصنف کے بارے میں یہ ضرور کہوں گا کہ جو کوئی اس کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہے، وہ ایک بار پھر سوچ لے۔ چارلس بلیک مور اور اس کے ساتھیوں نے جو مصائب جھیلے اور جن خطروں کا سامنا کیا، انہیں جان بوجھ کر کم کر کے بیان کیا گیا ہے۔ بلیک مور کا برٹش آرمی سے تعلق ہے۔ اس کے نزدیک اس قسم کے امتحانات اور آزمائشیں معمولی اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر کوئی اہم پہلو ہے تو یہ کہ اس نے ایک ایسی پارٹی کی قیادت کی جو ایغیور اور چینیوں پر مشتمل تھی۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچنے میں انہیں کوئی جانی نقصان برداشت نہیں کرنا پڑا۔ اگر کتاب میں کہیں کسی خطرے کا کوئی ذکر آ گیا ہے تو اسے کتاب کے ایڈیٹر کا اثر سمجھنا چاہیے جس نے زور ڈال کر اس قسم کے واقعات زیب داستان کے طور پر شامل کرائے۔

جس کسی نے سٹین اور ہیڈن کے اس ہوش رُبا علاقے کے کناروں کے ساتھ ساتھ جانے اور سیاہ طوفان کا تذکرہ پڑھا ہے، وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ تکلا مکان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا سفر کتنا زہرہ گداز رہا ہو گا۔ اس میں شک نہیں کہ سٹین اور ہیڈن کے علی الرغم اس مہم کو رہنمائی اور مواصلات کی جدید سہولت میسر رہی اور جس کے سبب سے وہ اس خوف ناک کُرّے میں نابود ہونے سے بچ گئے،

جہاں صدیوں میں جانے کتنے قافلے ہمیشہ کے لیے غائب ہو گئے۔ لیکن اس سے چارلس بلیک مور اور اس کے ساتھیوں کی غیر معمولی جرأت اور عزم پر حرف نہیں آتا۔ انہوں نے جو کارنامہ سرانجام دیا اسے ایورسٹ کو سَر کرنے اور بحراوقیانوس کو اکیلے عبور کرنے پر حاوی ہونے کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ سنجیدہ سیاحوں اور کارناموں کی انجام دہی میں اوّلیت حاصل کرنے کی خواہش رکھنے والوں کے لیے اب میدان بہت سکڑ گیا ہے کیوں کہ دنیا کے تمام بڑے صحرا، پہاڑ اور سمندر فتح کیے جا چکے ہیں، لیکن اگر کوئی چیلنج رہ گیا ہے تو بلیک مور اس پر پورا اترنے کے لیے منصوبہ بندی کر رہا ہوگا۔

پیٹر پاکرک

باب 1

تکلا مکان کی کشش

سلیمان نے اونٹ کے پاس گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر اپنی کمر سے خنجر نکالا اور اسے تیز کرنے لگا۔ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ وہ رات بھر اپنے زخمی اونٹ کو سہلاتا رہا، آنکھ تک نہ جھپک سکا، اونٹ ریت پر، پہلو کے بل پڑا تھا، اس کی آنکھیں کھلی تھیں، جسم میں ہلکی سی لرزش تھی، جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ زندہ ہے، وہ ان تیس اونٹوں میں سب سے بڑا تھا جن پر پانی، اناج اور وہ سامان لدا ہوا تھا، جس کی صحرا عبور کرتے وقت، ہمیں ضرورت پڑ سکتی تھی۔ ایک رات پہلے اونٹ ایک ریتلے ٹیلے پر سے گر گیا تھا اس پر لدا ہوا سامان کجاوے سمیت اس طرح گرا کہ اس کی گردن اور اگلی ٹانگیں جکڑی گئیں۔ گردن تو شاید ٹوٹ گئی تھی۔ اونٹ کو کتنی گہری چوٹیں آئی تھیں، اس کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ وہ اٹھنے کی کوشش کرتا تو اس کی گردن دائیں بائیں جھولنے لگتی۔ وہ زور لگاتا تو جسم لرز جاتا لیکن وہ اٹھ نہ سکتا۔ ہم نے اسے اٹھانے کا بڑا جتن کیا مگر بے سود۔ اونٹ کو درد اور کرب سے نجات دلانے کی ایک ہی صورت تھی کہ اس کی زندگی ختم کر دی جاتی۔ سبھی ساربان سلیمان کے ہم نوا تھے کہ صبح کا انتظار کر کے دیکھ لیتے ہیں، شاید اونٹ کی حالت سنبھل جائے۔ سلیمان کا خیال تھا کہ اونٹ زندہ نہیں بچے گا، اس لیے کہ اس کی ناک ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ ناک کا ٹھنڈا ہو جانا اونٹوں کی موت کی بڑی نشانی ہے۔ سلیمان شاہراہ ریشم کے علاقے کا رہنے والا تھا۔ اس کی عمر اونٹوں کی پرورش اور دیکھ بھال کرتے گزری تھی، اونٹوں کے تعلق میں اسے بڑا تجربہ تھا۔ تمام ساربان اس کے تجربے کے معترف تھے۔ اسی لیے اسے بڑا تسلیم کرتے، اس

کی عزت کرتے اور اس کی بات مانتے تھے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اونٹ کی اذیت اس کے مرنے کی صورت ہی میں ختم ہو گی، وہ خاموش تھے۔ وہ سلیمان کے فیصلے کے منتظر تھے۔ اونٹ کو ہلاک کرنے کا الزام اپنے سر نہیں لینا چاہتے تھے۔ اس لیے بار بار کہتے کہ انشااللہ اونٹ ٹھیک ہو جائے گا۔

یہ نومبر کا یخ بستہ مہینہ تھا، درجۂ حرارت منفی 20 ڈگری تک گر گیا تھا، ترکستان کی جانب کی برفیلی ہوا چلنے لگی تھی۔ اس سردی میں اونٹ اور زیادہ کمزور اور لاغر ہو گیا۔ صبح ہوئی تو حقیقت تسلیم کرنے کا لمحہ آ پہنچا۔ ہماری اپنی توانائی کم ہو رہی تھی۔ ساز وسامان پر ریت کی تہہ جم گئی تھی، نئی افتاد یہ آئی کہ اونٹوں کے لیے پانی ختم ہو گیا اس خیال سے کہ شاید کہیں سے پانی مل جائے، ہم نے مشرق کا رخ کرنے کا سوچا، موسم اور زیادہ خراب ہو گیا۔ زخمی اونٹ کے اٹھنے اور چلنے اور کارواں میں اپنی جگہ لینے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ اونٹ کو وہیں چھوڑتے ہیں، شاید اس کی طاقت لوٹ آئے اور وہ زندہ رہنے کے قابل ہو جائے لیکن یہ احمقانہ خیال تھا، صحرا کسی کمزور اور بے یارومددگار کو کب زندہ رہنے دیتا ہے۔

آخری فیصلہ سلیمان پر چھوڑ دیا گیا۔ سبھی ساربان ادھر ادھر ہو گئے۔ وہ سلیمان کے فیصلے پر عمل ہوتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ سلیمان ہر شے سے لاتعلق کچھ کر گزرنے پر آمادہ تھا۔ اس نے سخت سردی میں اپنا روئی دار کوٹ اتارا، آستین چڑھائی اور خنجر نکال کر اونٹ کی طرف بڑھا۔ اس نے اونٹ کی ٹانگیں رسی سے باندھیں اور پھر خنجر اس کی گردن پر پھیر دیا۔ اونٹ کی آنکھوں میں نہ حیرت تھی نہ درد کا اظہار تھا۔ صبح کی ٹھنڈی اور مدھم روشنی میں وہ ایک لحظہ کے لیے چمکیں اور بجھ گئیں۔ اس کے گلے پر خنجر چلانے والا کوئی غیر نہیں تھا، اس کا اپنا ہی تھا۔ میں پرے کھڑا یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ میرا دل بھر آیا، اس میں ایک اونٹ کی جان لینے کے جرم کی چبھن تھی۔ وہ ہمارے لیے پانی اور کھانے کی چیزیں اٹھا کر لایا تھا جن کے بغیر اس لق و دق صحرا میں ہمارا زندہ رہنا ممکن نہیں تھا۔ اس کا صلہ ہم نے اسے کیا دیا؟

سلیمان اونٹ پر جھکا۔ اس نے اپنے ہونٹوں سے اس کے کان کو چھوا۔ اس کے منہ سے اپنے بچھڑ جانے والے ساتھی کے لیے الوداعی کلمات نکلے اور آنکھوں سے

ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اس نے اپنے داہنے ہاتھ میں خنجر پکڑا ہوا تھا اور بائیں ہاتھ سے وہ اونٹ کی گردن کو تھپتھپا رہا تھا، لگتا تھا کہ وہ اللہ سے اپنے لیے معافی اور بریت کی دعا مانگ رہا ہے۔ اس نے اونٹ کی گردن اٹھائی اور اس کا منہ قبلے کی طرف کر دیا۔ سلیمان نے اپنے آنسو پونچھے، کپڑے کی بنی ہوئی میلی کچیلی ٹوپی درست کی۔ پھر وہ تیزی سے لپکا، اس نے اونٹ کی شہ رَگ کاٹ دی، اونٹ نے اپنی بقا کی آخری خواہش میں جسم کو قدرے اوپر اٹھایا اور درد سے بلبلانے لگا۔ اس کی ٹانگیں لہرا گئیں۔ سلیمان نے بائیں ہاتھ سے اس کی گردن پکڑی ہوئی تھی اور دائیں ہاتھ سے خنجر کو آری کی طرح چلا رہا تھا۔ اونٹ کی سخت رگیں کاٹنا آسان نہیں تھا۔ جب شہ رگ پوری طرح کٹ گئی تو اس سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ خون دور دور تک ریت پر پھیل گیا۔ اونٹ کے ہونٹ اور دانت بھنچ گئے تھے۔ اس کے درد کا صرف یہی ایک مظہر تھا۔ اونٹ کا گرم اور سرخ خون آہستہ آہستہ ریت میں جذب ہونے لگا۔

میں نے دل گرفتگی کے ساتھ مشرق کی جانب کے ریتلے ٹیلوں پر نظر کی جنہیں کسی نادیدہ مضبوط ہاتھ نے بے ترتیبی کے ساتھ دور دور تک پھیلا دیا تھا۔ ان کے درمیان کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ لگ رہا تھا جیسے وہ ہمارے اونٹ کی موت اور صحرا تکلا مکان کو عبور کرنے کے ہمارے عزم پر خندہ زن ہوں۔ صحرائے تکلا مکان کا شمار دنیا کے سب سے بڑے اور دشوار گزار ریتلے صحراؤں میں ہوتا ہے۔ مقامی زبان میں اس کے نام کا مطلب ہے کہ ''جو کوئی اس میں داخل ہوا، کبھی واپس نہیں آیا''۔ میں اس چینی صحرا کو عبور کرنے کا عزم لے کر کیوں نکلا تھا اور ہم نے اپنا سب سے بڑا اور قیمتی اونٹ اس کی دہلیز پر کیوں قربان کیا تھا؟ اس کا جواب پانے کے لیے ہمیں ایک اور منظر پر جانا ہوگا۔ مہم جوئی کا ایک محرک تو میرے اندر کی بے چینی اور جستجو کا جذبہ تھا دوسرے چند برس پہلے ہم تین ساتھیوں نے جنوبی اردن کی وادی روم کے دو قبائلی ساربانوں کے ہمراہ، اردن اور عرب کے صحرا میں سات سو میل کا سفر کر کے ان راستوں کا تعین کیا تھا جن پر لارنس آف عربیا نے پہلی جنگ عظیم کے دوران میں چل کر عرب قبائلوں کی فوج منظم کی اور کئی مہمیں سر کی تھیں، جو بعد میں گلب پاشا کی فتوحات کے نتیجے میں ماند پڑ گئیں۔ (لیفٹیننٹ جنرل سرجان گلب نے 1939 سے

1956 تک عرب ریجن کی کمان کی، انہیں اُردن کا نجات دہندہ اور اردنی فوج کو منظم کرنے والا تسلیم کیا جاتا تھا) قبائلی ساربانوں نے اس سفر میں جس وفاشعاری اور خدمت گزاری کا مظاہرہ کیا، اس کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا۔ دو ماہ کی رفاقت کے بعد، جب ہم میں بچھڑنے کا لمحہ آیا تو میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ہم نے صحرا میں باہم مل کر سفر کی سختیاں برداشت کی تھیں۔ ریتلے طوفانوں اور آگ برساتے ہوئے سورج کی خشم گینی کا مقابلہ کیا تھا۔ ہماری راتیں ریت پر کروٹیں لیتے گزری تھیں۔ جہاں کہیں پڑاؤ ہوتا اور آگ کے شعلے بلند ہوتے، عرب بدّو لوک داستانیں سنانے آ جاتے، یہ داستانیں صدیوں سے ورثہ در ورثہ چلی آ رہی تھیں۔

مشہور سیاح ولفرڈ تھیسی گر واحد شخص ہے جس نے اپنے اوپر گزرنے والی وارداتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ کم وبیش ویسی ہی وارداتیں مجھے بھی پیش آئیں۔ اس نے لکھا ہے کہ ''عرب کے صحراؤں میں وقت گزار کر آنے والا کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کی زندگی اور فکر وخیال میں تبدیلی نہ آئی ہو۔ دھندلا سہی، اس پر صحرا اپنا اثر چھوڑتا ہے اور وہ اپنی میلان طبع کے مطابق پھر سے صحرا میں جانے کی مدھم یا شدید خواہش ضرور محسوس کرتا رہتا ہے۔ معتدل آب و ہوا، صحرا کی سختیوں کے سامنے ہیچ لگتی ہے۔'' یہ ولفرڈ کی رائے کا اثر تھا کہ پھر سے صحرا کا سفر کرنے کی ٹھان لی۔ گھریلو مصروفیات بھی میرا دامن نہ پکڑ سکیں۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میری ملاقات ولفرڈ سے ایک دوست کے ہاں ہوگئی۔ میں نے اس سے کہا کہ اس کے سفرنامے کا وہ پیرا جس سے صحرا میں مر جانے کی خواہش کا ذکر ہے، بے حد خوب صورت اور دل پذیر ہے۔ اس میں جو شاعرانہ تصور ہے، اس کا جواب نہیں۔ میں نے اسے یاد سے جب یہ پیرا سنایا تو وہ مسکرا دیا۔

میں رائل کالج آف سائنس کا طالب علم تھا۔ ایک سال تک میں نے اساتذہ کے لیکچر سنے۔ لیکن میرے دل میں سائنس کے لیے کوئی رغبت پیدا نہیں ہوئی۔ ایک دفعہ میں کالج کی لائبریری میں گیا اور ایٹلس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ مجھے ایسے خطے کی تلاش تھی جس میں اپنی توانائی اور بے چینی کا اظہار اور تسکین کا سامان کر سکوں۔ میرے نزدیک اس خطے کے چھوٹے یا بڑے ہونے کی نہیں، دشوار گزار ہونے کی اہمیت

تھی۔ دوسرے یہ کہ اس میں کوئی نہ گیا ہو اور کسی نے اسے سَر نہ کیا ہو۔ ابتدا میں میری توجہ دنیا کے صحراؤں پر نہیں تھی۔ میری نگاہ پہاڑوں، دریاؤں اور جنگلوں پر سے ہوتی ہوئی صحرا پر پڑی۔ مجھے بس کوئی ایسی جگہ چاہیے تھی جس میں اپنی مہم جوئی کی تسکین کر سکوں اور آج کی دنیا میں جو عملاً سکڑ کر رہ گئی ہے، کوئی معرکہ سر انجام دے سکوں اور میری دریافت عالمی توجہ کا مرکز بن سکے۔

مجھے چین کے مغرب میں تیئن شان، پامیر، کیون لیون کے برف پوش پہاڑوں کے درمیان انڈے کی شکل (بیضوی) کی خالی جگہ دکھائی دی۔ اس کی تنہائی اور علیحدگی نے میرا دامن دل کھینچا۔ ایٹلس میں اس پر تکلا مکان صحرا لکھا ہوا تھا۔ اس کے مشرق میں صحرائے گوبی تھا۔ دونوں میں مرتفع پہاڑی سلسلے حائل تھے۔ صحرائے گوبی کے بارے میں تو مجھے تھوڑا بہت علم تھا۔ تکلا مکان صحرا پہلی بار سامنے آیا تھا۔ اس سے متعلق تفصیل سے جاننے کے لیے میں نے ''انسائیکلو پیڈیا'' دیکھا۔ اس میں لکھا تھا کہ یہ وسطی ایشیا کا صحرا ہے جو چین کے سنکیانگ صوبے میں واقع ہے، شرقاً غرباً اس کی لمبائی 700 میل ہے اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی 350 میل ہے۔ اس کی اونچائی 5,000 فٹ ہے، اس پر ریت کی تہہ 1,000 فٹ گہری ہے۔

میں نے یہ تفصیل پڑھی تو میری دلچسپی میں اضافہ ہو گیا۔ مزید لکھا تھا کہ یہاں کے درجۂ حرارت میں بڑی شدت سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ سبزہ ناپید ہے، اور انسانی زندگی کے کوئی آثار نہیں۔ اس کے علاوہ طول و عرض میں ہزاروں فٹ بلند ریتلے ٹیلوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا ہے۔ اس صحرا میں پوشیدہ رازوں پر سے پردہ اٹھانے کے خیال نے مجھے بے چین کر دیا۔ اس میں چلنے والی تند و تیز ہوائیں ریت کو اڑاتی اور اس سے نئے ٹیلے بناتی رہتی ہیں۔ جدید چینی ادیبوں نے اسے ''موت کا صحرا'' اور ''دنیا کا سب سے بدترین اور انتہائی خطرناک صحرا'' قرار دیا ہے۔ اس سے کئی داستانیں اور اساطیری کہانیاں وابستہ ہیں۔ میں نے تکلا مکان صحرا کو مغرب سے مشرق کی طرف عبور کرنے کا تہیہ کر لیا۔ یہ کوئی 800 میل کا سفر ہے۔ مجھے لگا کہ اس سفر سے میری زندگی کا ڈھرّا بدل جائے گا۔ میں یہ چیلنج قبول کرنے پر تل گیا۔

دو ہزار برس پہلے قدیم ہان مخطوطوں میں تکلا مکان کو ''لیوشا'' لکھا گیا ہے،

جس کا معنی ''ریگِ رواں'' ہے۔ تیز طوفانی ہوائیں، ریت کے ٹیلوں کو حرکت میں رکھتیں، آج یہاں، کل وہاں، ٹیلے بنتے مٹتے رہتے۔ پہلے پہل 1895 میں نوجوان سویڈش مہم جُو سیون ہیڈن نے تکلا مکان میں مہم جوئی کا آغاز کیا۔ اس میں اس کی جان جاتے جاتے بچی۔ اس کے چار ساتھی ایغیور ساربان اور آٹھ میں سے سات اونٹ پیاسے جان ہار گئے۔ سیون ہیڈن کے دردناک تجربے نے تکلا مکان کے خطرناک ہونے کی تصدیق کر دی۔

شاہراہِ ریشم اس صحرا کے کنارے کنارے اور تیئن شان اور کیون لیون پہاڑوں کے دامن میں سے گزرتی ہے۔ تجارتی قافلے اور مہم جُو سپاہی صدیوں سے اس سے گزرتے آئے تھے۔ جہاں کہیں نخلستان ملتے، وہاں پڑاؤ کرتے اور سستا کر آگے کا سفر اختیار کرتے۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ قافلے راستہ بھٹک کر صحرا میں چلے گئے، پھر جہاں سے نکلتے انہیں کسی نے نہیں دیکھا۔ بعض اوقات مسافر طوفان میں گھر کر جان گنوا بیٹھتے۔ یہ طوفان ''کارابوران'' کہلاتا تھا۔ ایک جرمن سیاح البرٹ وان لی کاک نے لکھا ہے کہ گھڑ سواروں کا ایک پورا قافلہ 1905 میں ایک تجارتی قافلے کے محافظ کے طور پر جاتے ہوئے اس طوفان کے باعث مرمٹ گیا، بعد میں گھوڑوں اور ان کے سواروں کے ڈھانچے اور پنجر دریافت ہوئے۔ وان لی کلاک نے اپنے بعد کے ایک سفر کے دوران میں طوفان کے پیش آنے کا حال لکھا اور بتایا ہے کہ ''آسمان پر یکا یک اندھیرا چھا گیا اور طوفان قافلے پر پھٹ پڑا۔ ریت کنکریوں اور پتھروں کا جھکڑ چلنے لگا۔ بگولے اٹھنے لگے جو انسانوں اور جانوروں کو اپنی گرفت میں لے کر بڑی شدت سے پٹختے۔ بڑی بھیانک آوازیں آتیں اور دھماکے ہوتے۔ لگتا قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ ایسے میں بچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ قافلے میں شامل سبھی لوگ اور جانور زمین پر لیٹ جاتے۔ جب طوفان تھم جاتا تو آگے کا سفر اختیار کرتے۔''

اس طرح کے واقعات صحرا کے بیرونی کنارے پر واقع مرتفع علاقے میں پیش آتے۔ شاہراہِ ریشم یہاں سے ہی گزرتی اور فاصلوں پر قائم چھوٹی چھوٹی بستیوں میں رہنے والوں کو آپس میں ملاتی ہے۔ یہ تو صحرا سے باہر کا منظر ہے۔ صحرا کے اندر تو ویرانی ہی ویرانی ہے۔ راہ بھٹک کر ادھر نکل آنے والے پھر کبھی واپس نہیں گئے۔ مغربی

چین میں اس ویران اور بے آب و گیاہ علاقے نے میری توجہ اپنی جانب کھینچی۔ میں نے تکلا مکان کے بارے میں تمام میسر معلومات اور مواد کا مطالعہ کیا۔ یہ مسافروں، سیاحوں اور نئے علاقوں تک رسائی کے تمنائی لوگوں کے احوال تھے۔ ان میں ذاتی تجربات بھی تھے اور سنی سنائی باتیں بھی تھیں، لیکن سچ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ کنارے کے ساتھ ساتھ کے ٹیلوں یا ان سے آگے کے ٹیلوں کی قطار سے ماورا کیا ہے اور صحرائے تکلا مکان میں اترنا اور اس کی وسعتوں تک پہنچنا کتنا پُرخطر ہے۔ یہاں پہلے کوئی نہیں گیا تھا کہ اس نے اس کے طبعی حالات کا تذکرہ کیا ہو، کوئی نقشہ بنایا ہو یا رہنمائی کی کوئی صورت پیدا کی ہو۔ یہ ایسا علاقہ تھا جس پر نہ کوئی انسانی قدم پڑا ہو یا جسے کسی انسانی آنکھ نے دیکھا ہو۔ چند سیاحوں کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے صحرا کے اس حصے سے گزرنے کا قصد کیا، جس میں ریتلے ٹیلے اور ایک خشک دریا کے آثار تھے۔ دوسرے خصائص نہیں تھے جن کے سبب سے اس خطے میں داخل ہونے کا کسی کو حوصلہ نہیں ہوتا تھا۔ سیاہ طوفان اور کبھی کبھار اٹھنے والے ریتلے جھکڑ کچھ کم نہ تھے کہ چینیوں نے گھڑ لیا تھا کہ اس صحرا میں دیو رہتے ہیں جو اس میں داخل ہونے والوں کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ مشہور چینی بودھ سیاح ہوان سانگ ساتویں صدی میں تکلا مکان صحرا کے جنوبی علاقے کے ساتھ سے گزرا تھا۔ اس نے لکھا کہ ''صحرا سے کبھی دردناک چیخیں سنائی دینے لگتیں، جو سننے والوں کو حواس باختہ کر دیتیں اور وہ بھول جاتے کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ موت ان کا مقدر بن جاتی اور وہ ریت میں دب کر فنا ہو جاتے۔ یہ دیوؤں اور بدروحوں کا کیا دھرا ہوتا۔'' ہوان سانگ نے صحرائے تکلا مکان کے ضمن میں ایک جگہ لکھا ہے کہ کنارے پر رہنے والے خانہ بدوشوں کی ان قدیم بستیوں کا بھی ذکر ملتا ہے جنہیں ریت نے اپنے دامن میں ہمیشہ کے لیے ڈھانپ لیا ہے۔ کئی لوگ ان بستیوں میں مدفون سونے چاندی کے خزانوں کی تلاش میں نکلتے اور صحرا کی پنہائیوں میں کھو جاتے۔ شاید ہی کوئی اس مہم سے زندہ سلامت واپس لوٹا ہو۔

ان قصوں سے میں بھی متاثر ہوا اور صحرا میں اترنے کے میرے عزم اور شوق کو مہمیز ملی۔ میں نے بھی اس راز کو اس خوف سے دل میں چھپائے رکھا کہ کہیں کوئی

اسے چرا نہ لے۔ بہرحال تکلا مکان کئی پہلوؤں سے ایک معمّا تھا جسے سمجھنا اور سلجھانا شاید کبھی ممکن نہ ہو۔ مجھے اپنی تحقیق کے دوران میں پیٹر ہاپکر کی کتاب ملی، جو کئی لحاظ سے بے مثل ہے۔ یہ اس علاقے کے تفصیلی مطالعے پر محیط ہے۔ اس میں ان سیاحوں اور مہم جوؤں کا بھی ذکر ہے جو وقتاً فوقتاً اس صحرا میں اترتے رہے۔ میں اس مصنف کی تلاش میں اس کے گھر لندن میں جا پہنچا۔ اس نے مجھے کہا کہ یہ خیال رکھیے کہ تکلا مکان صحرا میں پہلے پہل جانے والوں کا مقصد قدیم بستیوں کی تلاش کرنا تھا۔ ان میں سے کسی نے بھی اپنی مہم کے ضمن میں ایسی منصوبہ بندی نہیں کی تھی جس طرح آپ نے کی ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تکلا مکان کو ایک سرے سے دوسرے تک عبور کرنے کی کوشش کرنا تو درکنار، اس کا کسی نے سنجیدگی سے سوچا بھی نہیں تھا۔ تم صحرا کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس مہم میں تم پہلے شمار ہو گے۔

پیٹر سے ملاقات نے مجھے حوصلہ دیا اور میری ہمت بندھائی اور میں اس خطے کو جسے انسانی قدموں نے پہلے کبھی چھوا نہیں تھا سر کرنے نکل کھڑا ہوا۔ صحرا میں تیل کے ذخائر کے انکشاف نے رازوں کی اس سرزمین کو اپنا سب کچھ ہر ایک کے لیے اگل دینے پر مجبور کر دیا۔ مجھے اب دوسروں پر سبقت لے جانے کا مرحلہ درپیش تھا۔ میں ان سب سے پہلے اس صحرا کو عبور کرنے کا اعزاز حاصل کرنا چاہتا تھا۔ دنیا کی بڑی تیل کمپنیوں نے تارم کے طاس کے علاقے میں تیل کے ذخائر کو بروئے کار لانے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ تکلا مکان اسی طاس کا حصہ ہے، ظاہراً تیل کمپنیوں کی رسائی کے بعد اس صحرا کو سب پر کھل جانا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہر کوئی یہاں زناٹے بھرنے لگے مجھے اپنا تقدم منوانے کا اہتمام کر لینا چاہیے۔ مجھے صحرا میں سے گزرتے ہوئے اور دوسرے سرے تک پہنچنے میں پانچ سال لگ سکتے ہیں۔ اس عرصے کے آخری دو برسوں کے ضمن میں تفصیل سے منصوبہ بندی کرنا ضروری تھا۔ میں نے اس سلسلے میں آغاز تو کر دیا لیکن پیکنگ کے تن من سکوائر کے تجربات اور واقعات میری حوصلہ شکنی کا موجب تھے۔ اس لیے میں نے اپنی مہم کو موخر کر دیا۔ البتہ اپنے مقصد کو آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ میں اس دوران میں اپنی رجمنٹ کے ساتھ جہاں کچھ عرصہ بیرون ملک مقیم رہا وہاں اپنے افراد خانہ کی تعداد بڑھا لی۔

تکلا مکان کے گم شدہ شہروں کے بارے میں سیون ہیڈن اور سر ایورل سٹین کی بتائی ہوئی تفصیلات اور حکایات، میری دلچسپی کا موجب رہیں۔ان دونوں اصحاب کے نام وسطی ایشیا کے تذکروں کا بڑا اہم حصہ ہیں۔ 19 ویں صدی کے اواخر میں تو ان کا ذکر کرنا فیشن بن گیا تھا۔سیون ہیڈن نے جس دِقت نظر سے علاقے کے نقشے بنائے یہاں کے جغرافیائی حالات قلم بند کیے اور طبعی آثار کا جائزہ پیش کیا، اس کی بنا پر سیاحت اور مہم جوئی کے باب میں اس کا نام ادب و احترام سے لیا جانے لگا۔اس نے دنیا کے اس پراسرار خطے پر سے اخفا کے پردے سرکا کر پوری دنیا میں شہرت حاصل کر لی۔ اس زمانے میں صحرائے تکلا مکان کے آخری کناروں تک پہنچنا بھی بڑا جان جوکھوں کا کام سمجھا جاتا تھا۔ ہیڈن نے 1890 اور 1899 میں چار سفر کیے جن سے یہاں کے جغرافیائی احوال کے بارے میں نئے انکشافات ہوئے۔ ہنگری کے اوریل سٹین نے، جس نے بعد میں برطانوی شہرت اختیار کر لی مئی 1900 تک، جب اس کی عمر 37 برس تھی قراقرم کے سلسلہ کوہ اور تکلا مکان کے ضمن میں کسی مہم کا آغاز نہیں کیا تھا۔ بعد میں اس نے سروے آف انڈیا کے رام سنگھ کے ساتھ مل کر اس خطے کے نقشے بنائے۔ اسی دوران میں ہیڈن اور سٹین اور کئی دوسرے مہم جُو سیاحوں کے درمیان صحرا کے خفیہ خزانہ تک رسائی کے لیے دوڑ سی شروع ہوگئی۔ وان لی کارک بھی اس دوڑ میں شامل تھا۔ 1902 اور 1914 کے درمیانی عرصہ میں جن مہموں کا آغاز ہوا، 1930 میں چینی حکام نے انہیں نامراد اور لاحاصل گردان کر بند کر دیا۔ان کے سبب سے بودھ نوادر بیرون ملک سمگل ہونے لگ پڑے تھے۔ اب مغربی ممالک کے سیاحوں کے لیے یہ علاقے ممنوع قرار دے دیے گئے۔

ہیڈن اور سٹین نے اس دشوار گزار علاقے میں قدیم بودھ بستیوں کے آثار دریافت کیے جن سے پتہ چلتا تھا کہ ابتدائی عیسوی صدیوں میں شاہراہِ ریشم پر تجارتی قافلوں کا گزر ہوتا رہا۔ شاہراہِ ریشم کے ذریعے جو تجارتی روابط قائم ہوئے، وہی انڈیا سے چین میں بدھ مت کی ترویج کا وسیلہ بنے۔ اسی حوالے سے سرینڈین آرٹ کو فروغ ملا، یہ اصطلاح ہیڈن کی اختراع تھی۔ اس انڈین آرٹ نے پہلی مرتبہ مہاتما بدھ کو انسانی شکل دی۔ اس راستے چینی وسطی ایشیا بدھ مت سے آشنا ہوا اور بودھوں

نے جو بستیاں بسائیں ان میں سٹوپے، راہب خانے اور دوسرے آثار بننے لگے۔ یہ صحرا کے کنارے تک ہی محدود نہیں تھے، صحرا کے اندر تک میں بنے اور فروغ پذیر رہے۔ کیون لیون سلسلہ کوہ پر جمنے والی برف پگھلتی تو اس کا پانی ہوتن، کریا اور اندرے دریاؤں کی صورت میں بودھ بستیوں تک پہنچتا۔ یہ دریا صحرا کے کنارے پر تو بڑے تیز رفتار بھی رہے اور خاصے وسیع بھی، لیکن ان کا پانی چھوٹے چھوٹے نالوں کی شکل میں صحرا کے اندر تک جاتا۔ یہ پانی زراعت کے لیے استعمال کیا جانے لگا اور دیہی معاشرے کی تشکیل کا وسیلہ بنا۔

تانگ خاندان (907-618ء) کے دورِ اقتدار کے دوران میں شاہراہِ ریشم کے آرٹ اور تہذیب و تمدن نے بڑا عروج پایا۔ لیکن تانگ خاندان کے زوال کے ساتھ ہی شاہراہِ ریشم کا آرٹ اور تہذیب و تمدن بھی انحطاط پذیر ہو گیا۔ نتیجے میں بدھ آرٹ مذہبی عمارات اور کئی بستیاں ناپید ہو گئیں۔ یہ زوال اس درجہ مکمل تھا کہ تمام آبادیاں اور بودھ تاریخ کا تاب ناک باب چینی وسطی ایشیا میں ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ ہیڈن اور سٹین نے ہوتن، نیا اور ڈانڈین کے مقامات سے آرٹ کے جو نمونے تلاش اور دریافت کیے ان سے مغرب تو آشنا ہے لیکن قومی عجائب گھروں میں ان کا ہلکا سا سایہ بھی موجود نہیں۔ زمانے کی ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ تک اعتراف کرنے والے موجود نہیں ہیں کہ جنھوں نے تہذیب و فن کے کمال پر پہنچ کر زوال دیکھا۔ تیسری صدی کے اواخر تک نیا کی بستی اجڑ چکی تھی جب کہ بعض نخلستان اس کے بعد تک بھی آباد رہے۔ ان کے تادیر قائم رہنے کا ایک سبب یہ تھا کہ انہیں پانی میسر رہا۔ 9 ویں صدی میں مغرب کی جانب سے عربوں نے حملہ کیا۔ اس میں کئی راہب مارے گئے۔ آبادیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ پرانے معبد، راہب خانے اور خانقاہیں ریت میں دب گئیں۔ بالآخر پندرھویں صدی میں منگ خاندان نے مغرب سے تجارت منقطع کر دی۔ تجارتی راستے بند ہو جانے کے سبب سے بیرونی اثرات پر دروازہ بند ہو گیا۔ تکلا مکان کے گرد کی تجارتی چوکیاں اور آبادیاں آہستہ آہستہ معدوم ہو گئیں۔ ان کے آثار پر ریت کا دبیز غلاف چڑھ گیا۔ 9 ویں صدی کے اواخر تک وہ اسی حالت میں رہے۔

سیون ہیڈن نے لکھا ہے کہ جب انسانی نظروں سے اوجھل ہو جانے والے

یہ آثار دریافت ہوئے تو بے حد دلچسپی محسوس کی گئی۔ جنوری 1896 میں ان گم شدہ بستیوں کی کھدائی کے نتائج سامنے آئے۔ اس وقت تک کسی یورپی کو ان کے وجود کا کوئی علم نہیں تھا۔ کسی کے سان گمان میں بھی نہیں تھا کہ صحرائے گوبی کے اندرون میں کبھی کوئی بستی بھی آباد تھی (اس وقت تک صحرائے تکلا مکان کو صحرائے گوبی ہی کا حصہ تصور کیا جاتا تھا) بستیاں جو کبھی ایک پھلتی پھولتی فروغ پذیر تہذیب کے مرکز اور شاہد تھیں ہزاروں برس سے ریت میں دبی ہوئی تھیں۔ میں قدیم لوگوں کی تباہ شدہ آبادیوں کے کھنڈروں میں کھڑا تھا۔ اس شہزادے کی طرح جو کسی جنگل میں پہنچ گیا ہو۔ صحرائے تکلا مکان کے بارے میں جتنی کچھ معلومات میسر آئیں وہ میری آتشِ شوق کو بھڑکانے اور صحرا کی پنہائیوں میں اترنے پر آمادہ کرنے کی محرک ہوئیں۔ کسی اور کو اس صحرا کو عبور کرنے کا خیال کیوں نہیں آیا؟ صدیاں بیت گئی تھیں لیکن مجھ سے زیادہ باہمت ماہرین آثار قدیمہ نے اس طرف توجہ کیوں نہیں کی؟ میرے شبہات کو یہ سوچ کر تقویت ملی کہ اس مہم کو ناممکن جان کر کسی نے اس کا آغاز کرنے کی جرات ہی نہیں کی۔ میرے ان شبہات میں اضافے نے مجھے ناممکن کو ممکن کر دکھانے پر اکسایا۔ میں نے ان سیاحوں کے احوال پر ایک نظر کی جنہوں نے عرب کے ربع سکون میں اترنے کی جرات کی لیکن ناکام رہے۔ میں جانتا تھا کہ میں برٹرام تھامس، فلبی یا تھیسی گر نہیں لیکن مجھے جو سرسری معلومات حاصل تھیں، ان کی بنا پر سمجھتا تھا کہ یہ مہم مشکل ضرور ہے لیکن اسے شروع کرنا اور انجام تک پہنچانا، ناممکن نہیں۔ پھر مجھے یہ بھی علم تھا کہ اگر مہم ناکام رہی تو اس کے اثرات اور نتائج پہلے کی مہمات کی ناکامی سے پیدا ہونے والے اثرات اور نتائج سے چنداں مختلف نہیں ہوں گے۔

باب 2

منصوبہ بندی

لندن سے رات کو ونچسٹر جانے والی ٹرین میں سفر کے دوران میں مَیں انہی خیالوں میں گم رہا۔ یہ ستمبر 1993ء کی بات ہے۔ ایک ہفتہ بعد ہمیں چین کے سفر پر روانہ ہونا تھا۔ ہم نے سفر کا منصوبہ بنانے میں اٹھارہ ماہ صرف کیے تھے۔ ہمیں چین پہنچ کر کس نوع کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ خاص طور پر وہاں کی افسر شاہی سے کس طرح نمٹا جا سکے۔ اس کا ہمیں کوئی واضح خیال نہیں تھا۔ بہرحال اب ہمارے لیے پیچھے ہٹنے اور واپس جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ میں نے اپنے بریف کیس سے اپنی وصیت نکالی۔ اس میں کچھ ترمیم کرنے کی ضرورت تھی۔ میرا تیسرا بیٹا ٹوبائی ابھی صرف چار ماہ کا ہے۔ وہ اپنے باپ کے بارے میں کیا سوچے گا، جس نے صحرائے تکلا مکان کو عبور کرنے کے شوق میں اپنی جان گنوا دی۔ میرے چار سالہ بیٹے جیک اور چھ سالہ اولیور کا کیا ہو گا؟ اولیور ایک روز اپنی ماں اور میرے ساتھ کھڑا تھا کہ ایک صحافی نے مجھ سے دریافت کیا کہ میں اس پُرخطر سفر پر کیوں روانہ ہو رہا ہوں؟ میں کوئی جواب نہیں دے سکا تھا کہ اولیور کی آواز گونجی، ''ماں مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ ڈیڈی صحرا میں کیوں جا رہے ہیں؟''

میرا ذہن، مہم کی تفصیلات طے کرنے میں مصروف تھا۔ لیکن میں نے اس سفر کے ضمن میں اپنی ذاتی اور عملی مشکلات کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ اگر میں زندہ نہ بچا اور میری میت دریافت کر لی گئی تو اسے میرے وطن بھیجا جائے گا؟ کیا اسے

کلمسٹن کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا جائے گا۔ یا ہپشائر گاؤں میں دفن کیا جائے گا، جہاں ہم نے پانچ برس تک قیام کیا تھا اور جہاں میرے تینوں بیٹے پیدا ہوئے تھے۔ یامیون کی وادی میں، جہاں حال ہی میں جا بسے تھے۔ وہاں ہمارا جو گھر ہے میرے بیٹے اس کے بیڈ روم سے اُس جگہ کا نظارہ کر سکیں گے جہاں میری قبر بنے گی۔ وہ اپنی چھوٹی سی عمر میں یہ نہیں سمجھ سکیں گے کہ ان کے باپ نے آخر کس مقصد کے لیے قربانی دی! میری مہم کی ناکامی کی یہ قیمت ادا کرنا کس حد تک روا ہوگا۔

تکلا مکان کے بارے میں جو تفصیلی معلومات حاصل ہو سکیں، وہ سیون ہیڈن کی فراہم کردہ تھیں۔ اس نے مغرب سے مشرق کی طرف کا صرف 200 میل کا سفر کیا تھا۔ جب کہ مجھے چھ سو میل کا سفر کرنا تھا۔ سیون ہیڈن نے یہ سفر کوئی ایک سو سال پہلے کیا تھا۔ اس دوران میں صحرا میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ مجھے بالآخر تسلیم کرنا پڑا کہ ہمیں اس سفر میں ایسی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جو سیون ہیڈن کو پیش آئی تھیں۔ سفر کے آغاز پر مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ میں اپنے خاندان کو کس حال میں چھوڑے جا رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے بچے، میری عدم موجودگی میں پلیں بڑھیں۔

میرے والد نیپال میں، ہمالیہ کی مشرقی لڑائی میں ہلاک ہوئے تو اس وقت میری عمر 19 برس اور میرے بھائی کرسٹوفر کی تین برس تھی۔ وہ ایک گورکھا رجمنٹ کے ساتھ منسلک تھے۔ ان کی وفات دل کی حرکت بند ہوجانے کے سبب سے ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر 49 برس تھی۔ میری ماں فارفالک میں ایک فارم ہاؤس میں رہتی تھیں۔ یہ فارم ہاؤس ہم نے کچھ ہی عرصہ پہلے خریدا تھا۔ میرے باپ فوج سے وابستہ ہونے کے سبب سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے اپنے رہنے کے لیے اپنا مکان خریدا تھا۔ میرے باپ خوش تھے کہ ریٹائر ہونے کے بعد وہ اپنے مکان میں بچوں کے ساتھ رہ سکیں گے۔ مجھے جو حالات درپیش تھے، ان کے سبب سے باپ سے فرقت کا رنج قدرے کم ہوگیا۔ لیکن جب بھی خیال آتا دکھ محسوس ہوتا۔ دکھ درد کا یہ سلسلہ آنے والے برسوں میں بھی قائم رہا۔

ایک گورکھا رجمنٹ کے ساتھ میری تعیناتی دو سال کے لیے ہانگ کانگ

میں ہوگئی۔ اس کے ایک ماہ پہلے میری شادی ٹینا سے ہوگئی۔ میں اسے نیپال، اپنے باپ کی قبر دکھانے لے گیا۔ قبر دھارن میں ہے۔ ہم وہاں کھڑے روتے رہے۔ مجھے زیادہ قلق اس بات کا تھا کہ ہم زندگی کی خوشیاں باہم بانٹ نہ سکے۔ وہ میری بیوی ٹینا سے نہ مل سکے اور اپنے پہلے پوتے کو نہ دیکھ سکے۔ مجھے اپنی محرومی کا شدت سے احساس ہوا۔

اس رات جب میں ٹرین میں اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا، مجھے بار بار خیال آتا کہ آیا ٹینا اور بچے سوچ پائیں گے کہ صحرا میں میرے لیے کیا ہے؟ پہلی مرتبہ مجھے ڈر محسوس ہوا کہ صدیوں کے دوران میں صحرا اب تک جانے کتنے ہزاروں کی جانیں تلف کر چکا ہے۔ میرا منصوبہ ابھی خام تھا، جزیات طے نہیں ہوئی تھیں۔ میں صحرا کی نامعلوم اور وحشت ناک طاقت کا سوچ کر لرز گیا۔ ہمارے منصوبے کا تمام تر مدار سیون ہیڈن اور سٹین کے تجربات پر تھا۔ ان تجربات کو دیکھتے تو پیش آنے والی مشکلات میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا۔

سفر شروع کرتے وقت میں نے سوچا تھا کہ مجھے بھی ہیڈن اور سٹین کی طرح اس مہم پر اکیلے ہی نکلنا چاہیے۔ بس دو تین افراد اونٹوں کی دیکھ بھال کے لیے ساتھ لے لینے چاہئیں۔ لیکن جلد ہی محسوس کر لیا کہ میرے اندر اتنی طاقت اور اخلاقی جرأت نہیں کہ اس نوع کے مشکل اور صبر آزما مرحلے سے تن تنہا گزر سکوں۔ سو فیصلہ کیا کہ چار افراد ساتھ ہوں گے۔ ان میں سے ایک طبی امداد فراہم کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ ایک ریڈیو آپریٹر ہوگا، ایک رہنمائی کا فریضہ انجام دے گا، ایک فوٹو گرافر ہوگا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ اس امدادی ٹیم کی مدد کے بغیر اتنا طوفانی اور پُرخطر سفر کامیابی کے ساتھ جاری نہیں رکھا جا سکتا۔ اب پہلا مرحلہ موزوں افراد کے انتخاب کا تھا۔ ایسے افراد کا جو میری مہم کو جاری رکھنے اور نتیجہ خیز بنانے کے پوری طرح اہل ہوں۔ جہاں تک ضروریات کی فہرست مرتب کرنے کا معاملہ تھا تو اسے آسانی کے ساتھ نمٹانا ممکن نہیں تھا۔ مجھے اس منصوبے کے شروع کرنے سے لے کر انجام تک پہنچانے میں مختلف ضرورتیں پوری کرنے کے لیے کم و بیش 4 لاکھ پونڈ درکار تھے۔ برطانوی اور چینی حکام مجاز سے اجازت چاہیے تھی۔ تکلا مکان سے متعلق جتنی بھی میسر معلومات تھیں، فراہم

کرنا تھیں۔ چین اور رائل جیوگرافیکل سوسائٹی اور اس طرح کے دوسرے اداروں کی نظری رہنمائی سے مستفید ہونے کی ضمانت چاہیے تھی۔ منصوبے کے تعلق میں، مختلف کمپنیوں کی سرپرستی اور امداد کا حصول الگ اہمیت رکھتا تھا۔ سب سے پہلے جس شخص نے میرے منصوبے میں دلچسپی کا اظہار کیا وہ برنے وائٹ سپز تھا۔ وہ بلیوز اینڈ رائیلز میں افسر تھا۔ یہ دونوں فوج کا حصہ تھے۔ وائٹ نے سینڈھرسٹ اور سٹاف کالج میں تربیت حاصل کی تھی۔ وزارت دفاع میں اس سے پہلی ملاقات ہوئی۔ وہ میرے دفتر میں آیا اور اس نے دریافت کیا کہ کیا یہ کوئی فوجی منصوبہ ہے۔ میں نے بتایا کہ اس کا فوج سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ میرا اپنا منصوبہ ہے۔ میں نے ہی بنایا ہے اور اسے انجام دینے کا قصد کیا ہے۔ اس کے لیے تم کہاں جاؤ گے۔ اس نے دریافت کیا۔ مجھے یہ مہم چین میں ہی رہ کر شروع کرنا ہے۔ اس نے پوچھا کہ کون سا صحرا ہے؟ میں نے بتایا تکلا مکان۔ اس نے کہا کہ اس نے پہلے تو اس کا نام کبھی نہیں سنا۔ کیا تم اکیلے جاؤ گے۔ میں نے کہا، نہیں ہم آٹھ افراد ہوں گے۔ ان میں ساربان ہوں گے۔ تیس کے قریب اونٹ ہوں گے، سب کے سب اونٹ دو کوہان والے ہوں گے۔ میں نے اسے علاقے کا نقشہ دکھاتے ہوئے بتایا کہ ابتدائی دو سو میل کے سفر کے دوران میں ہمیں وقفے وقفے سے ضروری ساز و سامان ملتا رہے گا۔ یہ ابتدائی منصوبہ ہے۔ فارن آفس اور چینی حکام سے اجازت لینا باقی ہے۔ بارنی بولا میری ہمیشہ سے شاہراہِ ریشم پر سفر کرنے کی خواہش رہی ہے۔ میں بھی آپ کی مہم میں شریک ہو سکتا ہوں۔ اس کے ابتدائی مرحلے میں دیکھ بھال اور نگرانی کے فرائض انجام دے سکوں گا۔ میں نے محسوس کیا کہ بارنی کا ارادہ پختہ ہے، وہ سفر کے ابتدائی صبر آزما مرحلے میں مفید کردار ادا کر سکتا ہے۔ وہ میرے نائب کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھالنے اور نبھانے کے اہل ثابت ہوا، اس کے مشورے صحیح ہوتے اور ہر الجھن کو سلجھانے کے کام آتے۔ وہ نہایت متحمل مزاج تھا۔ ہر کام خاموش اور سنجیدگی سے کرتا۔ اسے اپنے عمر بھر کے دوست لارڈ فرانسس سیمور کا ساتھ دینے کی تمنا تھی۔ اس کی عمر 36 برس تھی۔ وہ ہم دونوں سے ایک سال بڑا تھا۔ بارنی سے پہلی ملاقات کے ایک ماہ بعد ہم دوبارہ ملے۔ میں فوری طور پر فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ میں اس سے کیا کام لے سکتا ہوں۔ بعد میں

جب وہ مجھے گھر چھوڑنے گیا تو میں نے اس کے لباس اور اس کی حرکات اور دیکھنے کے انداز کا مشاہدہ کیا۔ وہ کچھ کر گزرنے کے جذبے سے سرشار تھا۔ اس کے پختہ عزم و ارادے کی بنا پر میں نے محسوس کیا کہ وہ شہر کی تنگنائی سے نکل بھاگنے کے کسی بھی موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ دوسری صبح ہماری ملاقات رائل ہارس گارڈز ہوٹل میں ہوئی۔ میرے کئی انٹرویو یہیں ہوئے تھے۔ اس نے کافی پینے سے معذرت کر لی اور میری مہم سے متعلق فائلیں دیکھنے اور پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ وہ میرا منصوبہ سمجھ گیا تھا۔ اس نے دریافت کیا کہ اسے کیا کام کرنے ہوں گے۔ اس کی ذمہ داریوں کی نوعیت کیا ہو گی۔ میرے ذہن میں یہ سوال بار بار ابھرتا کہ اس سے کیا کام لیا جا سکتا ہے۔ اس نے یقین ظاہر کیا کہ میرا منصوبہ قابل عمل ہے۔ اس نے بارنی کے نائب کی حیثیت سے آلات و سامان کی نقل و حمل اور پیغام رسانی کی ذمہ داری سنبھال لی۔ موسم گرما کے اواخر میں رینولف فینس کی کتاب ''ایٹلانٹس ان دی سینڈز'' کے بارے میں ایک تعارفی تقریب میں میری ملاقات کیرولین ایلس سے ہوئی۔ وہ خوش شکل، مہم جُو اور بے حد خود اعتماد تھی۔ اس کے سیدھے سادے سبھاؤ اور دل نشیں ہنسی نے مجھے متاثر کیا۔ اس نے دس برس تک رائل آرمی نرسنگ کور میں افسر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دی تھیں۔ اس نے خلیجی جنگ میں بھی حصہ لیا تھا۔ میں کسی ایسے شخص کی تلاش میں تھا جو طبی معاملات میں شدھ بدھ رکھتا ہو اور ہمارے سفر کے دوران میں پیش آنے والے شدید کا موثر علاج کرنے کا اہل ہو۔ سفر شروع کرنے کے دن تک میں سوچتا رہا کہ آیا صحرا عبور کرنے کی مہم میں کسی عورت کو شامل کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ اس کی جسمانی صلاحیت، توانائی اور مشکلات کا سامنا کرنے کی اہلیت کے بارے میں کوئی شبہہ نہیں تھا، لیکن اتنے مردوں کے ساتھ ایک عورت کا ہم سفر ہونا کئی طرح کی قباحتوں کا موجب ہو سکتا تھا، جو پوری مہم کی ناکامی کا سبب بن سکتا تھا۔

میری بیوی کے الگ شبہات تھے، اس نے ایک پوسٹ کارڈ پڑھ لیا تھا۔ جس میں کیرولین نے مجھے ''بہت ہی پیارے چارلس'' کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ ''میں صحرا اور اسے عبور کرنے کی مہم میں نہیں، مہم کے تیز طرار اور خوب صورت لیڈر کے بارے میں سوچتی رہی ہوں اور رات بھر سو نہیں سکی۔ آپ کی تواضع کے لیے شکریہ

اور بے حد وحساب محبت۔ کیرولین''۔ میں یہ خط میز پر رکھ کر بھول گیا تھا، میری بیوی ٹینا، ان دنوں حاملہ تھی، میں اتنا جانتا تھا کہ اس حالت میں عورتیں شکوک وشبہات کا شکار ہو جایا کرتی ہیں۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں کیرولین کو یہ نہ بتا سکا کہ میں شادی شدہ ہوں۔ ٹینا نے بڑے تلخ لہجے میں کہا کہ ''یہ سب کچھ کیا ہے؟'' اور کہا کہ ''آپ اسے (کیرولین کو) اپنے ساتھ صحرا میں نہیں لے جا رہے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، ایسی کوئی بات نہیں میں نے ٹینا کو یقین دلانے اور باور کرانے کے لیے کہ اس کا شک بے بنیاد ہے، ہر حیلہ آزمایا، لیکن اس کی تسلی نہیں ہوئی۔ بہرحال میں نے مہم پر جانے کی تیاری جاری رکھی۔

جو دوسرا شخص ہماری مہم میں شامل ہونے آیا، وہ 25 سالہ فوٹو گرافر کیتھ سٹر تھا۔ میری اس سے نومبر 1992 میں ملاقات ہوئی تھی۔ وہ پہاڑوں کی فوٹو گرافی پر ایوارڈ لینے لندن گیا تھا۔ وہ لمبا تڑنگا، خوب صورت اور خوش مزاج جوان تھا۔ میری مہم جوئی کے پیش نظر میرے لیے احترام کے جذبات رکھتا تھا۔ بارنی، فرانسس اور میں ہمہ وقت مہم کی تیاری میں مصروف تھے۔ جب ''انٹر پرائز آئل'' نے ہماری سرپرستی کرنے کی حامی بھری تو اس وقت تک نہ تو ہم نے کوئی دفتر قائم کیا تھا نہ ہمارے پاس ٹیلی فون تھا۔ نہ فنڈ اکٹھے کرنے کے لیے ضروری کاغذی کارروائی کی تھی۔ اتنی بڑی مہم کے لیے جس وسیع پیمانے پر تیاری کی ضرورت تھی، اس کی جزئیات تک طے ہونی چاہئیں تھیں لیکن ہم نہیں کر سکے تھے۔ ہمارا زیادہ وقت گھر پر ہی گزرتا، ٹیلی فون کال سننا، فیکس بھیجنا، خط ٹائپ کرنا اور اسی طرح کے دوسرے دفتری کام بس لشٹم پشٹم ہی ہو رہے تھے۔ اس میں کوئی نظم اور ضابطہ نہیں تھا۔

ایسا لگتا تھا کہ اب تک جو کچھ کیا یا سوچا تھا، اس پر پانی پھرنے والا ہے۔ ایسے میں بیلا برڈ ؤڈ نے ہماری ڈھارس بندھائی۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ ہمارے لیے سرمایہ جمع کرنے میں کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ البتہ خط کتابت اور عام تنظیم کے سلسلے میں معاونت کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس نے ہماری سرپرستی کرنے والوں اور مہم کے ارکان کے لواحقین سے بات چیت کرنے کی ذمہ داری سنبھال لی۔ وہ انہیں باقاعدگی سے باخبر رکھنے لگی۔ اس اعتبار سے وہ ہماری مہم کی ترجمان بن گئی تھی۔ وہ اس

انہماک سے اپنے فرائض انجام دے رہی تھی کہ کبھی کبھار اسے شک گزرتا کہ یہ کٹھن ذمہ داری نبھانا، اس کے بس میں نہیں۔ اگر اس کی یہی حالت رہی تو اس کی ہمت اور طاقت جواب دے جائے گی۔ ایسے میں اس کے شوہر چارلیٹ بیٹ ہل نے اس کا ساتھ دیا۔ اس کا بوجھ بانٹا اور مہم کی تشہیر کے لیے پریس کانفرنس کرنے اور لوگوں کو مہم کی اہمیت کو باور کرانے میں سرگرم حصہ لیا۔ وہ مہم کے لیے سرمائے کی فراہمی سے لے کر چینی میزبانوں کے لیے تحفے تحائف جمع کرنے میں بڑے مددگار ثابت ہوئے۔ چارلیٹ مہم کے حسابات بھی رکھنے لگا۔ وہ اپنے کام کے لیے کوئی معاوضہ نہیں لیتا تھا۔ سارا کام کسی اجرت کے بغیر کرتا تھا۔ اس کی اس بے لوثی اور بے غرضی نے ہماری مہم کا آغاز کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔

1992 کے موسم سرما اور 1993 کے اوائل تک بارنی، بیلا، فرانسس اور میں نے مہم کی تنظیم کا کام مکمل لیا اور اس کے شروع کرنے کے لیے ستمبر 1993 کی حد مقرر کر لی۔ ہم ہر پندرہ روز کے بعد ملتے۔ اس وقت تک ہونے والے کام کا جائزہ لیتے۔ یہ ملاقات کبھی کسی کے اور کبھی کسی کے گھر ہوتی۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ بارنی اور فرانسس کی بیویاں مو اور پیڈی شام کا کھانا پکاتیں جو ہمارے مباحثوں کے دوران میں کھا لیا جاتا۔ لیکن یہ سب کچھ بے دھیانی کے عالم میں ہوتا۔ کسی کو برتن سنبھالنے اور دھونے کی فکر نہ ہوتی۔ ناچار دونوں بیگمات ہمیں کسی دوسرے کمرے میں جا بیٹھنے کا کہتیں اور خود میز صاف کرنے میں لگ جاتیں۔ رات بھر کام کرتے رہنے سے ہمارے جسم تھکن سے چور ہو جاتے۔ صبح ہونے کے قریب ہم اٹھتے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے۔ جو تفصیلات طے ہونے سے رہ جاتیں وہ اگلی ملاقات پر اٹھا رکھی جاتیں۔ کام زیادہ اور وقت کم تھا۔ میں کبھی محسوس کرتا کہ دریا کے الٹے رُخ تیر رہا ہوں۔ دریا کا بہاؤ تیز ہے اور میرے بازو کمزور ہیں۔ جانے کب ہاتھ پیر پھول جائیں اور میں تند و تیز رَو میں بہہ جاؤں۔ میں جانتا تھا کہ ہم ہر بات بڑی تفصیل اور وضاحت سے طے کر رہے ہیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو جس مہم پر نکلے ہیں، اسے کبھی سَر نہ کر سکیں گے۔ ہماری بقا کا انحصار اس پر تھا کہ تمام انتظامات مکمل اور بے عیب ہوں۔ بہرحال کوئی ایک مصیبت نہیں تھی۔ ہم جنہیں سرپرستی کے لیے کہتے ان میں سے اکثر و

بیشتر کا ایک سا جواب ملتا۔ ''اس موقع پر ہم آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتے، ہماری خواہش ہے کہ آپ اپنے منصوبے کو مکمل کرنے میں کامیاب ہوں۔''

اس طرح کے خطوط میرے لیے پشیمانی اور ہمت شکنی کا موجب ہوتے۔ وائسرائے ہند لارڈ کرزن اور برٹش میوزم نے جس آسانی اور مہربانی سے سٹین کی مدد کی تھی، اس کا حال جان کر مجھے سخت ہزیمت کا احساس ہوتا۔ ہیڈن کو سویڈن کے بادشاہ کی سرپرستی حاصل تھی۔ وہ جب اپنی مہم پر نکلے تھے تو انہیں روپے پیسے اور سازو سامان کی کوئی کمی نہیں تھی۔ لیکن وہ زمانہ بیت گیا۔ جن لوگوں کو ہمارے منصوبے سے اختلاف تھا وہ اسے ناممکن العمل کہتے۔ ایک اور مشکل یہ آن پڑی کہ وزارت دفاع کی سول سروس شاخ کسی ایسی مہم کی مدد کے لیے تیار نہیں تھی جس میں فوج کے افراد شامل ہوں۔ مجھے بتایا گیا کہ چینی اس مہم کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس میں شک نہیں تھا کہ ایک مہم جسے برطانیہ کی فوج کی سرپرستی اور حمایت حاصل ہو اس کے بارے میں منفی پراپیگنڈا ہو سکتا تھا۔ کبھی پوچھا جاتا کہ اس مہم سے برطانوی فوج کو کتنا اور کیا فائدہ ہو گا؟

اس دوران میں مجھ پر دباؤ بڑھتا گیا۔ تکلا مکان کو عبور کرنے کا منصوبہ اپنے اندر کئی طرح کی پیچیدگیاں اور مشکلات لیے ہوئے تھا کیوں کہ اس کی معنویت کو سمجھنا آسان نہیں تھا۔ اس کی حیثیت معمے سے کم نہ تھی۔ منصوبے پر صحرا میں عمل درآمد کے دوران میں ناکامی کا امکان کم لیکن مہم شروع کرنے کے لیے جن اجزا کو باہم مربوط کرنا لازم تھا، وہ ایک دوسرے سے لگا کھاتے دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ناکامی کا سبب میری اپنی ناقص منصوبہ بندی دکھائی دینے لگی تھی۔ میں نے اسے بے سبب پھیلا دیا تھا۔ میں نے فوج میں چودہ برس گزارے تھے۔ جس مہم پر نکلنے کا قصد کیا تھا اسے ہم نوع تضادات سے بچانے کا ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ فوج سے استعفیٰ دے دیتا اور اپنے لیے نئے امکانات کی جستجو کرتا۔ اس ضمن میں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں کیا کرنا چاہتا ہوں؟ یہ واضح نہیں تھا۔ اس دوران میں ٹینا نے تیسرے بیٹے کو جنم دیا۔ میری ماں کو چھاتی کا کینسر تھا جو بگڑتا جا رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ چار مہینے کے لیے چین جانے کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی ماں کو دوبارہ نہیں دیکھ سکوں گا۔

میرے معاملات تبدیلیوں کی زَد میں تھے۔ بے یقینی بڑھتی جا رہی تھی اور اس کے ساتھ دباؤ میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ اس سب کچھ کے باوجود میں اس خیال سے دامن نہ چھڑا سکا کہ مجھے طے شدہ مہم پر نکلنا چاہیے اور جسے ناممکن کہا جا رہا ہے اسے ممکن کر دکھانا چاہیے۔ میرے اندر ایک جنگ اور کش مکش جاری تھی۔ کئی بار سوچا کہ صحرا میں جانے اور نئی آزمائشوں میں پڑنے کو چھوڑ دوں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ خیال بھی آتا کہ جو چیلنج درپیش ہے، اسے قبول کر کے اور مہم جوئی کی مشقتیں جھیل کر ہی مثبت نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔ میں میدان میں نکلوں گا تو جبھی اپنے جوہر آزما اور داد پا سکوں گا۔ میں نے سوچا کہ اگر اس مہم میں میری جان چلی گئی تو اسے رائیگاں نہیں سمجھا جائے گا۔ میں نے بچوں کے لیے کینسر کا فنڈ جمع کرنے کو مہم کا مقصد قرار دے دیا۔ اس اعتبار سے تکلا مکان کی تسخیر ایک اہم مقصد کی تکمیل کا وسیلہ ثابت ہو سکتی تھی۔ آکسفرڈ یونیورسٹی نے اس سلسلے میں ہماری معاونت کرنا شروع کر دی۔ اسے ریت کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے میں پیش آنے والے مراحل کا مطالعہ کرنے میں دلچسپی تھی۔ اس کے علاوہ صحرا کی لمبائی اور دوسرے کوائف کا علم حاصل کرنا مقصود تھا۔ بالآخر برٹش میوزیم اور برٹش لائبریری نے بعض پرانے مقامات سے متعلق بنیادی نوعیت کی معلومات کی فراہمی میں دلچسپی دکھائی۔ یہ مقامات شاہراہِ ریشم کے قریب واقع تھے۔ ان کے علاوہ صحرا میں شہابیوں کی موجودگی کا بھی پتا چلانا تھا۔ جنگلی گھوڑا جو ایک سو برس پہلے صحرا کے نواح میں موجود تھا، اس کی باقیات کے بارے میں معلومات مہیا کرنا تھا۔ ہمیں اس ضمن میں رائل جیوگرافیکل سوسائٹی اور ڈیوک آف ایڈنبرا کی حمایت حاصل ہو گئی۔ اب ہمارے لیے کمرشل اداروں کی تائید و حمایت حاصل کرنا آسان ہو گیا۔

جون 1993 میں صحرا کو عبور کرنے کی مہم شروع کرنے سے تین ماہ پہلے میں چین گیا اور اپنے منصوبے پر عمل درآمد کے لیے چینی حکام کی مدد چاہی۔ اس کے بغیر کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے مارک کو اپنے ترجمان کے طور پر ساتھ لیا۔ وہ اور میں دونوں فوج میں افسر تھے۔ ہم دونوں نے ہی ایک کمیونسٹ ملک میں جانے کے لیے اجازت نہیں لی تھی۔ بہرحال میرا جانا اور بعض معاملات طے کرنا ضروری تھا۔

مارک ویلش گارڈز کے ساتھ شمالی آئرلینڈ میں تعینات تھا۔ اس کا عہدہ کیپٹن کا تھا۔ سکول کے ایام میں اس نے چینی زبان سیکھ لی تھی۔ اس کی عمر 26 برس تھی۔ اس کے عادات و اطوار جیمز بوڈن سے ملتے تھے۔ جس نے میری پہلی دو مہموں میں میرا ساتھ دیا تھا۔

بیجنگ میں ہم دونوں کو ایک پرانے روسی جہاز میں بٹھا دیا گیا۔ یہ جہاز چین نے قازقستان ایئرویز سے کرائے پر لے رکھا تھا۔ اسے ایک چینی پائلٹ چلا رہا تھا۔ اس کا عملہ روسی تھا۔ لیکن عجب انمل بے جوڑ، ہم پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے سنکیانگ کے دارالحکومت ارمچی پہنچے، یہاں ہم ان حکام اور پیپلز لبریشن آرمی کے ان افسران سے ملے جن کے توسط سے شاہراہِ ریشم اور قریب کے علاقے میں پہنچنے کے لیے ضروری پرمٹ اور کاغذات حاصل کیے جا سکے۔ تکلا مکان تک پہنچنے کے خیال نے ہمارے خون کی گردش تیز کر دی۔

جیسے ہی ہم جہاز سے اترے، ہمارے چینی میزبان ہمیں ایک پُرتکلف دعوت میں لے گئے۔ جہاں ہماری بڑی خاطر مدارات اور تواضع کی گئی۔ اس کے بعد ہمیں ہوٹل پہنچا دیا گیا۔ اور بتایا گیا کہ بات چیت کا آغاز اگلی صبح کو ہوگا۔ ہم تین روز ہوٹل کے کمرے میں بدمزہ چینی سگریٹ اور سبز چائے پیتے رہے۔ سنکیانگ کے حکام سے بات چیت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ کھڑکی کے باہر دیکھتے تو چینی کارکن فیکٹریوں میں آتے جاتے یا پھر سرخ پرچم کے سامنے ورزش کرتے نظر آتے۔ عمارتیں یکسانیت کا شکار ایک سی تھیں۔ سڑکوں پر ہارن بجاتے، چھکڑا ٹرک دوڑتے اور چینی کارکن سائیکلوں کی گھنٹیوں سے شور مچاتے گزرتے۔ شہر پر دھوئیں اور دھند کی چادر تنی تھی۔ ہمیں صحرا کے قریب جانے کے وقت کا علم تھا اور نہ ہی اجازت تھی۔

ہمارے ساتھ گفت گو پر ٹریول کمپنی کا سینئر افسر گیوجن وائی مامور تھا۔ میرا ایک سال سے اس کے ساتھ فیکس کے ذریعے رابطہ تھا۔ میں پہلے اس سے ایک بار اس وقت ملا تھا جب وہ کسی سرکاری کام سے لندن آیا تھا۔ اس کا چین سے باہر کا پہلا دورہ تھا۔ اس سے میرا رابطہ ایک دوست کے حوالے سے ہوا تھا۔ جس کی سنکیانگ میں اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے وزارت دفاع کے قریب کے ایک ہوٹل میں اس کی

دعوت کی تھی۔ میں اور گیو نے صحرا کو عبور کرنے کے عملی پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔ خاص طور پر یہ طے کیا کہ ہمارے بعد آنے والی ٹیم ہم سے کب اور کہاں آن ملے گی۔ میں نے صحرا کو عبور کرنے کے لیے مغربی کنارے سے لے کر مزار تاغ تک کا راستہ چنا۔ یہ 210 میل لمبا تھا۔ مزار تاغ سے آگے ٹانگ گوز بستی تک مزید 90 میل کا سفر کرنا پڑتا۔ یہ چرواہوں کی بستی تھی۔ اس سے آگے کا سفر نہایت دشوار تھا۔ صحرا کے مشرقی نصف حصے میں دو پرانے دریاؤں کی خشک گزرگاہیں تھیں۔ جنوب کی طرف سے ان کے راستے ساٹھ میل تک کا سفر کیا جا سکتا تھا۔ ٹانگ گوز بستی سے لیوبُز ہوانگ تک کا فاصلہ 400 میل تھا۔ جس میں ہمیں کم سے کم ایک بار مزید سامان رسد درکار ہوتا۔ اس سفر سے متعلق کسی قسم کی تفصیلات میسر نہیں تھیں۔ چینیوں نے سٹین اور ہیڈن کے سفر سے متعلق صرف سنا تھا یا سرسری سی معلومات حاصل کر سکے تھے۔ مختلف مقامات پر رسد کی فراہمی لازمے کا درجہ رکھتی تھی۔ اس کے بغیر سفر جاری رکھنا ممکن نہیں تھا۔ ہمارا سفر اور اس سے متعلق جو کچھ انتظامات کیے جا سکتے تھے، قیاس پر مبنی تھے۔ میں نے مشرقِ وسطیٰ میں اونٹوں پر سفر کیا تھا۔ بس اسی کی معلومات موجودہ سفر کا ذریعہ تھیں۔ غرض قدم قدم پر مشکلات اور خطرات کا سامنا کرنے اور مہم کے ناکام رہ جانے کا امکان، سخت مایوس کن تھا۔ چینی ہماری مہم کے بارے میں مایوسی کا اظہار کرتے، ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ موت کے صحرا میں کسی راستے اور موثر سہارے کے بغیر یہ مہم کیسے جاری رکھی جا سکے گی۔ قدم قدم پر خطرہ تھا۔ امید اور کامیابی کا کوئی امکان نہ تھا۔ بس ایک آسرا تھا، اور وہ تھیں انگریزوں کی وہ مہمیں جو بے سروسامانی کے عالم میں کی گئیں اور بے پناہ مشکلات کے باوجود کامیاب رہیں۔

اگلی صبح کو گیو نے منصوبے کا چینی خاکہ پیش کیا۔ اس کے رویے سے ظاہر تھا کہ اگر ہمیں اس خاکے سے اتفاق ہے تو ارمچی میں قیام کے دوران میں کچھ سیر کی جا سکتی ہے۔ ہم نے محسوس کر لیا کہ چینی اس فکر میں تھے کہ اس مہم کے نتیجے میں انہیں کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ میں جانتا تھا کہ ہماری مہم کی کامیابی کا بیشتر انحصار چینیوں کے تعاون پر ہے۔ کیوں کہ ماضی میں کئی بین الاقوامی مہمیں چینیوں کے عدم تعاون کے سبب سے ہی ناکام ہوئی تھیں۔ چنانچہ جب جس گفت وشنید میں ناگواری پیدا ہوئی اور

چینی اپنے مطالبے میں کمی کرنے سے انکار کرتے تو میں داؤ کھیلتا اور انہیں سرایڈورڈ ہیتھ کا وہ خط دکھاتا جو انہوں نے صوبے کے گورنر تیمور دوامت کے نام لکھا تھا اور انہیں تکلا مکان صحرا کو عبور کرنے کے برطانوی اور چینی مہم کا ڈائریکٹر بننے کی دعوت دی تھی۔ چینی گفت گو میں بڑے سخت تھے۔ کسی طرح کی لچک دکھانے پر تیار نہ ہوتے۔ ہمیں پورا دن الجھائے رکھتے اور بہ مشکل پانچ منٹ کے لیے سانس لینے کی مہلت دیتے۔ جب بھی دعوت کا اہتمام کرتے اس میں ہم پر اتنا دباؤ رکھتے کہ ہمارے اعصاب جھنجھنا اٹھتے۔ لیکن ہم اپنے موقف پر سختی سے قائم رہے۔ بالآخر چار روز بعد چین سے واپس روانہ ہوئے۔ ہم باطنی طور پر مطمئن تھے کہ ہم نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ ہم مہم کے مصارف کم کرانے اور منصوبے کے بارے میں معاہدہ طے کرنے میں کامیاب رہے۔ دو معاملات طے کرنے میں خاصی مشکل پیش آئی، تاہم طے پا گئے۔ ایک تو ریڈیو کے ساز و سامان کی فراہمی اور دوسرا سامان کی نقل و حمل کے انتظام سے متعلق تھا۔ سفر شروع کرنے میں تین ماہ رہ گئے تھے۔ مہم پر اٹھنے والے خرچ میں کمی ہو گئی۔ دوسرے مہم کے معاملات میں چینی افسروں کی مداخلت کا سدباب ہو گیا۔ اس بات پر اتفاق کر لیا گیا کہ دو چینی مہم کے ساتھ رہیں گے۔ بعد میں ان کی تعداد بڑھا کر چار کر دی گئی۔ انہیں بارنی کی ٹیم کے ساتھ شاہراہِ ریشم پر رکھا گیا۔

ارمچی میں قیام کی آخری سہ پہر کو ہم نے پیپلز ہال میں گورنر کی ضیافت میں شرکت کی۔ میں نے ''موت کے صحرا'' کو سر اور عبور کرنے کی برطانوی اور چینی مہم کا تذکرہ کیا اور اپنی زور دار تقریر میں کہا کہ ''ایک تیلی کو تو آسانی سے توڑا جا سکتا ہے لیکن ان کے گٹھے کو توڑنا محال ہوتا ہے۔'' میں نے اپنی تقریر کا مارک سے چینی میں ترجمہ کرایا تھا۔ میں نے کہا کہ ہم صحرا کو مسخر کرنے کی مہم میں مل جل کر شرکت کریں گے۔ سامعین نے میری تقریر پر بڑی واہ وا کی اور زور زور سے تالیاں بجائیں۔ میں نے کہا تکلا مکان کا معنی یہ ہے کہ اس صحرا کے اندر جانے والے، کبھی زندہ سلامت واپس نہیں آتے۔ لیکن ہم اسے غلط ثابت کر دکھائیں گے۔ ہم چینی اور برطانوی اکٹھے صحرا میں جائیں گے اور اسے عبور کرنے کے بعد اکٹھے ہی واپس آئیں گے۔ پھر یہ صحرا موت کا صحرا نہیں کہلائے گا۔

ہم جہاز میں ارمچی سے بیجنگ کے لیے روانہ ہوئے۔ جہاز میں برف پوش پہاڑوں پر سے گزرتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ ہمیں چین کا تعاون اور حمایت حاصل رہے گی۔ ہم ہانگ کانگ پہنچ گئے۔ اب اگلا مرحلہ شروع ہونا تھا۔ یہ مہم کے لیے فنڈ جمع کرنے کا مرحلہ تھا۔ اس ضمن میں ہم نے رچرڈ گراہم سے رابطہ کیا۔ وہ سفیر رہ چکے تھے۔ قد بت کے چھوٹے اور جسم کے چھریرے تھے، مگر ان کی زبان میں بڑا اثر تھا، وہ اپنے مخاطب کو یقین دلا سکتے تھے کہ دنیا میں ایک وہی تو ہیں۔ ان میں بلا کی حسِ مزاح تھی۔ نہایت سنجیدہ گفت گو میں بھی وہ ہنسی مذاق کی پھل جھڑیاں چھوڑتے اور سننے والوں پر چھا جاتے۔ عمر میں وہ مجھ سے ایک برس چھوٹے تھے۔ وہ شنگھائی میں کام شروع کرنے والے تھے اور مشرق بعید میں اپنے مقاصد کے لیے فنڈ کی فراہمی کی غرض سے ہماری مہم میں حصہ لینے پر تیار ہو گئے تھے۔ ہماری ان سے دو دن کی ملاقات رہی۔ اس میں انہوں نے کوئی بارہ میٹنگیں کرائیں نتیجے میں ہم ہانگ کانگ کی کمپنیوں سے ساٹھ ہزار پونڈ کے وعدے لینے میں کامیاب رہے۔

بعض مہم جُو افراد اکثر کہتے ہیں کہ انہیں اصل مہم شروع کرنے سے قبل جو منصوبہ بندی کرنا پڑتی ہے وہ زیادہ اعصاب شکن اور صبر آزما ہوتی ہے۔ میں نے بھی صحرا کو عبور کرنے کے لیے سفر کے آغاز میں اس طرح کا دباؤ محسوس کیا۔ ہمیں ستمبر کے اواخر میں مہم شروع کرنے کے لیے اگست کے اوائل میں ہی انگلینڈ سے ضروری سامان اور گاڑیاں حاصل کر لینی چاہئیں تھیں اور چین سے ضروری اجازت لے لینی چاہیے تھی۔ وقت بہت اہم تھا۔ ہم تاخیر کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ ستمبر کا مہینہ اس لیے چنا کہ صحرا میں گرما کے اواخر کا سامنا کرنا پڑے گا اور سرما کے شروع تک موسم بڑی حد تک گوارا ہو گا۔ اس سے پہلے کے موسم کو نقطۂ آغاز بنایا جاتا تو 120 درجے فارن ہائیٹ تک پہنچ جاتا اور اس میں ہم جل بھنتے۔ ہمیں دسمبر کے وسط تک صحرا سے باہر نکل آنا چاہیے۔ دسمبر میں ترکستان کی طرف کی برفیلی ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔ جن کا انسانی صحت پر نہایت برا اثر پڑتا ہے۔ شدید گرمی اور شدید سردی دونوں ہی مضر ہیں۔ اس لیے ہم نے یہ حکمت عملی اپنائی کہ موسم کی شدت سے جتنا بچا سکتا ہے، اتنا ہی بہتر ہے۔

گاڑیوں کا مسئلہ حل ہوا تو فرانسس آ پہنچا جس نے دو ہفتوں میں 55 سالہ

جان تھامس سے رابطہ قائم کر لیا تھا۔ تھامس نے اکیلے گاڑی پر صحرا کے بیشتر حصے کو عبور کر لیا تھا۔ اس کے پاس چھ پہیوں والی ڈیملر گاڑی تھی۔ وہ خود ساختہ اور انفرادیت پسند شخص تھا۔ اس سے ہماری فرانسس کے گھر ملاقات ہوئی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو اہمیت دیتا۔ اس کی تفصیل پسندی کے برعکس میرا رویہ سرسری تھا، کئی اہم پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتا تھا۔ بہرحال وہ ہماری میٹنگ میں خاموش بیٹھا رہا لیکن جب اس کی دلچسپی کا پہلو آیا تو اس نے بولنا شروع کر دیا۔ شروع میں مجھے اس کے بارے میں کئی طرح کے شبہات تھے۔ وہ خاصا باوسیلہ تھا۔ اسے گاڑیوں کا بھی علم تھا اور صحرا کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتا تھا۔ وہ مہم جوئی میں کود پڑنے کا خواہش مند تھا۔ مہم میں شامل ہونے کی ایک شرط تھی یہ کہ اس کی خوش طبع بیوی اینی بھی اس میں شامل ہو گی۔ وہ پہلے بھی کئی مہموں میں اس کا ساتھ دے چکی تھی۔ اب یا تو اس کی یہ شرط تسلیم کی جاتی یا پھر اس کی گاڑی اور تجربے سے محروم رہنا قبول کر لیا جاتا۔

جان اور فرانسس ایک اور گاڑی کی تلاش میں مصروف تھے کہ قسمت نے یاوری کی۔ آسٹریا کے موٹر کار ساز ادارے کے انگریز نمائندے نے ہمارے منصوبے سے دلچسپی لیتے ہوئے ڈیمریل کے سیلز منیجر سے گاٹ وک ائرپورٹ پر ہماری ملاقات کرا دی۔ بیس منٹ کی اس ملاقات سے ہمیں قرضے پر گاڑی مل گئی۔ اب ہماری توجہ اور توانائی سرمائے کی فراہمی اور گاڑیوں کو ضروری آلات اور ساز و سامان سے مرصع کرنے کے لیے وقف ہو گئی۔ بعد میں ان گاڑیوں کو ایک کنٹینر کے ذریعے کراچی بھجوا دیا گیا۔ جان اور اس کے بیٹے کیون نے دن رات لگا کر ان گاڑیوں میں کئی تبدیلیاں کی تھیں۔ ان کے پیچھے کی طرف سامان لادنے کی گنجائش پیدا کی گئی تھی اور فرش کے نیچے پانی ذخیرہ کرنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ بغیر سامان کے ایک گاڑی کا وزن تین ٹن ہو گیا تھا۔ جولائی کے آخر میں تھامس کے گھر تربیتی کورس شروع ہوا۔ بارنی اور فرانسس کو خیمہ کھڑا کرنا نہیں آتا تھا۔ باقی ماندہ افراد کا مدار ہنسی ٹھٹھول پر تھا۔ ہماری توجہ کا مرکز باغ کے گرد اُگے ہوئے مالٹے کے درخت تھے۔ اس دوران میں کیٹو امدادی جماعتوں کے درمیان ریڈیائی رابطے کے لیے ریڈیو کی فریکوئنسی بہتر بنانے کی کوشش میں مصروف رہا۔ چھوٹی چھوٹی عملی مشکلات کے علاوہ منصوبہ بندی سے متعلق نت نئے

مسائل پیدا ہو رہے تھے۔ کیا گاڑیاں صحرا میں پہنچ پائیں گی؟ اونٹوں پر کتنا پانی لادا جا سکے گا؟ کیا صحرا کے وسط سے بارنی کی ٹیم سے جو 150 میل جنوب میں ہو گی، ریڈیائی رابطہ قائم کیا جا سکے گا؟ ہم جتنی باتیں کرتے، اتنے ہی شبہات پیدا ہوتے چلے جاتے اور یہ سوال بار بار ابھرنے لگتا کہ کیا ہم اپنی مہم میں کامیاب ہو سکیں گے؟ بہرحال یہ ایک چیلنج تھا۔ ہم میں سے کسی نے وہ کچھ نہیں کیا تھا جو اسے درپیش تھا یا جو اسے کرنا پڑ رہا تھا۔ نقشے پر ایسے وسیع رقبے دکھائے گئے تھے جن کے بارے میں کوئی تفصیل موجود نہیں تھی۔ ہم نے ہیڈن اور سٹین کے بیانات ہی پر بعض تفصیلات درج کی تھیں۔ مگر صحرا کو عبور کرنے کے لیے جن منازل سے گزرنا پڑے گا، ان کی نشان دہی نہیں ہوئی تھی۔ ہو بھی نہیں سکتی تھی، کوئی اس طرف گیا جو نہیں تھا۔ ہیڈن اور سٹین نے کچھ کوائف ضرور بیان کیے تھے۔ لیکن انہوں نے صحرا میں کچھ زیادہ سفر نہیں کیا تھا۔ یہ سارا عذاب خود ہمیں کو اٹھانا تھا۔ ہمیں کو نادیدہ اور نامعلوم منزلوں تک پہنچنا اور انہیں دریافت کرنے کا اعزاز حاصل کرنا تھا۔ اس قسم کی صورت حال مہم جو اور مہم پسند افراد کو کچھ کر دکھانے کے جذبے کے تحت باہم ملائے رکھنے کا سبب بنتی ہے۔ مہم جوئی کا جذبہ بہت کم افراد کو ودیعت ہوتا ہے۔

ہفتہ عشرہ گزرا تو ہم نے اپنی ٹیم کو اکٹھا کیا۔ ساز و سامان سے لدی ہوئی گاڑیوں کو سالسبری کیتھڈرل کے قریب لا کھڑا کیا۔ ہمیں ٹیم اور گاڑیوں کی فوٹو کھنچوانا تھی۔ اسی اثنا میں بارش ہونے لگی۔ سر ایڈروڈ ہیتھ بھی پہنچ گئے۔ تصویریں اتریں۔ ہم نے سامان کو از سر نو ترتیب دیا اور گاڑیوں کو ساؤتھ ہیمپٹن کی گودی کی طرف لے چلے۔ جان اور کیون وہاں پہلے سے موجود تھے۔ دونوں نے گاڑیوں کو تیار کرنے میں جس مستعدی اور مہارت کا مظاہرہ کیا تھا، میں اس سے بہت متاثر ہوا۔ وہ کسٹمز اور ایکسائز کے بارے میں بھی مکمل معلومات رکھتے تھے۔ ہم نے دونوں گاڑیوں میں سے ایک کا نام بیلا اور دوسری کا تھامس رکھ دیا تھا۔ بیلا کا نام بیلا برڈوڈ کی ستائش کے طور پر تجویز کیا گیا۔ اس پر جو کنٹینر رکھا تھا وہ روٹرڈیم جہاز پر منتقل ہو گیا اور وہ اسے لے کر کراچی کے لیے روانہ ہو گیا۔

گاڑیوں کی حالت اور ان پر رکھے ہوئے سامان دیکھ کر اطمینان ہوتا تھا لیکن

ہمیں ابھی 70,000 پونڈ سٹرلنگ اور چین جانے کی اجازت درکار تھی۔ جہاز سے ریڈیو اور سیٹلائٹ کے ذریعے پیغام رسانی کے لیے بھی باضابطہ اجازت کی ضرورت تھی جس کا محض اس لیے تکلف نہ کیا گیا کہ جہاز کے کراچی پہنچنے تک یہ مشکل آسان ہو جائے گی۔ خیال تھا کہ اجازت حاصل کرنے کے چکر میں پڑے تو مشکلات میں اضافہ ہو جائے گا۔ آخری تین ہفتوں میں منصوبے کی باقی ماندہ تفصیلات میں الجھے ہونے کے دوران میں ایک مصیبت یہ آن پڑی کہ اپنے گھر کے پچھواڑے کی ناہموار زمین پر سے گزرتے ہوئے میں اپنے دائیں گھٹنے کو دوہرا کرا بیٹھا۔ اس گھٹنے کا پہلے دو بار آپریشن ہو چکا تھا۔ اس کے اعصاب کی جگہ کاربن فائبر لگایا گیا تھا۔ اس سے درد تو ختم ہو گیا لیکن کمر درد دور نہ ہوا۔ میں نے ہڈیوں کے ماہر ڈاکٹر کو جس نے گھٹنے کا آخری بار آپریشن کیا تھا، ٹیلی فون کیا۔ اس نے اگلے روز نیا آپریشن کر دیا۔ بے ہوشی کا اثر ختم ہوا تو میں نے ڈاکٹر کے چہرے پر سنجیدگی کا اثر دیکھا۔ اس نے کہا کہ تم صحرا کو عبور کرنے کی مہم پر نہیں جا سکتے۔ تمہارے گھٹنے کی حالت بہت ابتر ہے۔ ایسی کہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ اگر تم نے اصرار کیا اور چلے گئے تو واپسی پر تمہیں پلاسٹک کا نیا گھٹنا لگوانا پڑے گا۔ میں بے ہوش پڑا تھا کہ انڈریو نے میری بیوی ٹینا کو میری حالت بتائی اور اس سے کہا کہ وہ مجھے مہم پر جانے سے باز رکھ سکتی ہے تو ضرور رکھے۔ ٹینا نے کہا کہ انڈریو تم جانتے ہو کہ وہ جب کوئی ارادہ کر لیتا ہے تو اسے بدلنے پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس نے صحیح کہا تھا، ٹینا مجھے کرسی پر ہسپتال سے باہر لائی اور کار پر بٹھا کر گھر لے گئی۔ میری ٹانگ پر کولہے سے پاؤں کی ایڑی تک گہرا پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔

آخری پندرھواڑہ میرے لیے ناقابل برداشت آزمائش لایا۔ ٹیم کے آدھے ارکان پاکستان پہنچ چکے تھے۔ منصوبے اور سرمائے سے متعلق کئی سوالات ابھی تک جواب طلب تھے۔ میں لنگڑا کر چل رہا تھا اور چڑچڑا ہو گیا تھا۔ میں گھر میں سیڑھیوں سے اوپر کے دفتر میں بیٹھا، نقشوں اور تصویروں کو گہری نظر سے دیکھ رہا تھا۔ سفر پر جانے کا خیال رہ رہ کر مجھے مضطرب کرتا۔ چند روز بعد میں لندن پہنچا اور انٹر پرائز آئیل کی طرف سے دیے ہوئے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ ریوپرٹ نے سارا کام سنبھالا

ہوا تھا۔ روپرٹ کی عمر 31 برس کے لگ بھگ تھی۔ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ پیراشوٹ رجمنٹ میں نان کمشنڈ افسر کی حیثیت سے کام کر چکا تھا۔ وہ لمبا تڑنگا مضبوط آدمی تھا۔ اس کی قوت برداشت اور حسِ مزاح نے مجھے متاثر کیا اور میں نے سوچا کہ ہماری ٹیم میں شامل ہوا تو بے حد مفید اور کارآمد ثابت ہوگا۔ ٹیم کا آخری ممبر پال ٹریژر تھا۔ ٹینا نے اس کی تصویر کشی کی صلاحیت کے پیش نظر اسے ٹیم میں شامل کرنے کے حق میں رائے دی۔ وہ ہماری مہم کے آرٹسٹ کی حیثیت میں چین جانے کا اہل قرار پایا۔

اس نے اپنی بیوی اور دو ماہ کی بیٹی پیچھے چھوڑی۔ ہم میں سے ہر ایک کوئی نہ کوئی پیارا اپنے پیچھے چھوڑے جا رہا تھا۔ والدین تھے، بیویاں تھیں یا بچے تھے۔ ہم جو خطرہ مول لے رہے تھے اور ہم پر جو ذمہ داریاں تھیں، ان کا باہم کوئی موازنہ نہیں تھا۔ ایک بیاہتا شخص کے طور پر میں نے زندہ بچ کر آنے کو بہت اہمیت دی۔ شاید دوسروں نے بھی دی ہو لیکن یہ میرے ذاتی تاثرات تھے۔ بہرحال ہم نے ناکامی کے نتائج کے بارے میں تبادلۂ خیال نہیں کیا۔

باب 3

روانگی

کراچی میں دفتری کارروائی کا آغاز 9 ستمبر جمعرات کو ہوا جو فرانسس جان اور اینی کے لیے تکلیف دہ تاخیر کا سبب بنا۔ یہ ہماری سب سے آگے کی پارٹی تھی۔ اسے کراچی میں گاڑیوں کو کسٹمز سے چھڑانا اور چین کے لیے روانہ ہونا تھا۔ کاغذات کے بارے میں پوچھ گچھ شروع ہوئی تو طول پکڑتی گئی۔ کراچی میں آٹو موبیل ایسوسی ایشن اور میرے گھر ہمپشائر کے درمیان فیکس آ جا رہے تھے۔ اس مسئلے کا حل تو نکل آیا لیکن اس وقت تک خاصی تاخیر ہو چکی تھی۔ کسٹمز کا دفتر بند تھا۔ اگلا جمعہ کا دن تھا، جو پاکستان میں چھٹی کا دن ہوتا ہے۔ اس لیے پیر تک کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ ٹیم کے ارکان کراچی کے ایمبیسی ہوٹل میں پڑے اپنی قسمت کو کوس رہے تھے۔ پہلی پارٹی کو 20 ستمبر تک کاشغر پہنچنا تھا اور گاڑیاں اس سے پہلے وہاں موجود ہونی چاہیے تھیں۔ اوقات کی پابندی لازم تھی۔ فرانسس سب سے آگے کی ٹیم کا انچارج تھا۔ اس نے مارک کو جگانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ دراصل مارک نہیں جانتا تھا کہ وہ جمعہ کا دن تھا جب پاکستان میں کوئی سرکاری یا غیر سرکاری کام نہیں ہوتا۔ بہ الفاظ دیگر چھٹی کا دن تھا اس روز صرف نماز ادا کی جا سکتی تھی۔

اگلے پیر کو برطانوی سفارت کاروں کے صبر کا امتحان تھا۔ ان کی کوششوں کے نتیجے میں گاڑیاں شام تک ہماری اگلی پارٹی کو مل گئیں اور وہ پولیس کی نگرانی میں شمال کی طرف روانہ ہو سکی تھیں۔ پولیس کی نگرانی اس لیے ضروری تھی کہ ان دنوں ملک

میں عام بے چینی تھی۔ ایک سو میل کا فاصلہ طے ہوا تھا کہ جان کی گاڑی کا انجن جام ہو گیا اور گاڑی کا آگے بڑھنا ممکن نہ رہا۔ مارک نے بیلا گاڑی میں نصب سیٹلائٹ کے ذریعے فیکس پر پیغام بھجوایا جو میرے گھر پہنچا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ انجن ناکارہ ہو گیا ہے۔ اس کی جگہ نیا انجن اسلام آباد بھیجا جائے۔ ساتھ ہی بتایا گیا تھا کہ مارک اور فرانسس چین کی سرحد کی طرف سفر جاری رکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سٹیر، کیون اور بیلا (گاڑیوں کے نام) انگریز نمائندوں اور میں نے آئندہ چار روز انتظار میں گزارے۔ جب کہیں جا کر آسٹر کی فیکٹری سے نیا انجن سڑک کے ذریعے انگلینڈ پہنچا اور برٹش ایئرویز کے ذریعے کراچی روانہ کیا گیا۔ یہ خاصا مہنگا سودا تھا لیکن کرنا پڑا تھا۔ کیوں کہ اس کے بغیر مہم کو شروع کرنا اور جاری رکھنا ممکن نہیں تھا۔ مارک اور فرانسس نے ضروری سامان دوسری گاڑیوں پر منتقل کر لیا تھا۔ انہوں نے بارنی کو لیے اسلام آباد کا سفر جاری رکھا۔ انہیں خنجراب کے راستے سنکیانگ میں پہنچنے کے لیے آٹھ سو میل کا سفر کرنا تھا۔ وہ دو نشستوں کی گاڑی پر اس طرح سفر کرتے رہے کہ ایک گاڑی چلاتا، دوسرا چھت پر بیٹھ جاتا۔

گیسولین وائی ادارے کا ایک رکن انہیں سنکیانگ کی سرحد پر ملا۔ کسٹمز پوسٹ کے عملے نے انہیں الوداع کہا۔ دوسرے روز وہ کاشغر پہنچے۔ سابق روسی سفارتی دفتر کے سامنے ہیڈن اور سٹین وہاں پہلے سے موجود تھے۔

جس روز پہلی پارٹی خشکی کے راستے کاشغر پہنچی، اسی روز رچرڈ گراہم کیتھ، روپرٹ، کیرولین اور میں ہانگ کانگ پہنچے۔ ہم ایئرپورٹ سے بارنی کی بہن اور بہنوئی کے گھر گئے، جہاں پریس اور ہانگ کانگ میں ہمارے سرپرستوں سے ملاقات کا اہتمام تھا۔ دوسری صبح کو ہمیں ائرپورٹ پر پہنچنا اور بیجنگ کے لیے روانہ ہونا تھا۔ ہماری ٹیکسی گاڑی جن راستوں سے گزر رہی تھی، وہ میرے دیکھے بھالے تھے۔ کیوں کہ میں نے تین برس یہاں بسر کیے تھے۔ میں نے سوچا کہ اس کے باوجود کہ مہم کی رہنمائی کا بیشتر مدار مجھ پر ہے اور میں اس کا اہل بھی ہوں، لیکن لگتا تھا کہ جلد ہی یہ ذمہ داری چینیوں کو منتقل ہو جائے گی۔

بیجنگ میں ایک روزہ قیام کے دوران میں پرانے بیجنگ ہوٹل میں جو تن من

سکوئر کے قریب ہی واقع ہے ہمارے اعزاز میں پر تکلف ضیافت کی گئی۔ بڑے بڑے پرچم لہرائے گئے اور ہماری مہم کی جو ابھی شروع بھی نہیں ہوئی تھی، بڑی تعریف و توصیف کی گئی۔ ہماری مہم کی اہمیت کے اعتراف میں خصوصی ڈاک ٹکٹ جاری کیے گئے۔ ان پر ہمارے دستخط لیے گئے۔ ماؤ کے لانگ مارچ کے چھ کے قریب نام وَر جرنیلوں نے ہمارے ساتھ مصافحہ کیا۔ ہم ہوٹل سے فاتحین کا احساس لیے رخصت ہوئے۔ دوسری صبح برطانوی سفارت خانے میں دورانِ سفر موت کا لقمہ بننے والوں کی میتوں کو نکالنے اور واپس بھجوانے کے مسئلے پر غور شروع ہوا تو ہم سب غم گین ہو گئے۔

مہم کے سبھی ارکان، سوائے جان اور اینی کے جو پاکستان میں اپنی گاڑی درست کرا رہے تھے، کاشغر میں جمع ہو گئے۔ یہ ایک خوب صورت شہر ہے۔ قدیم اور جدید طرزِ تعمیر کا مرقع! یہاں کے گھروں کے گرد فصلیں تھیں۔ بازار خوب صورت اشیا سے بھرے ہوئے تھے۔ یہاں شاہراہِ ریشم کے شمالی اور جنوبی حصوں کا باہم ملاپ ہوتا ہے۔ ہم نے کاشغر میں سابق برطانوی کونسل جنرل کے گھر چینی باغ کی سیر کی۔ 1800 کے اواخر اور 1900 کے اوائل تک یہاں جارج میکارٹنی اپنی سکاٹش بیوی کے ساتھ قیام پذیر رہا۔ وہ آدھا چینی اور آدھا انگریز تھا۔ اس نے اس دور افتادہ علاقے میں 28 برس تک برطانوی نمائندے کی حیثیت سے خدمات انجام دی تھیں اور علاقے کے بارے میں روس اور چین کی دلچسپی پر نظر رکھی تھی۔ سٹین تکلا مکان سے متعلق اپنی ابتدائی مہمات کے سلسلے میں اکثر یہاں آتا رہتا اور میکارٹنی ہی کے ہاں قیام کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے میکارٹنی سے گہرے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ چینی باغ اپنی شان و شکوہ کھو چکا تھا۔ اس کی عمارتیں بوسیدگی کا شکار تھیں۔ گرد و پیش میں بھاری ٹرکوں کی آمدورفت سے چینی باغ ہمہ وقت لرزش کی زَد میں رہتا۔ صحنِ چمن کی حالت مختلف تھی، وسیع اور سرسبز خوشنما گلاب کے پھولوں سے لدے قطعات۔ میں جب وہاں پہنچا تو صاحبِ خانہ اور اس کی بیگم نے میرا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ ڈائننگ ہال میں آسائش کی ہر چیز موجود تھی۔ دراصل یہ وسط ایشیا میں ایک انگریز گھرانا تھا، جہاں پہلے کے برٹش کونسل جنرلوں کی بیگمات نے یا شاید موجودہ لیڈی میکارٹنی نے گلاب کے پودے اگائے تھے۔ 1934 میں اُس وقت کے کونسل جنرل تھامس گلوور

کی بیگم اور ڈاکٹر کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ ہم نے عمارت کی چھت پر پہنچ کر یونین جیک لہرا دیا۔ 1949 میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد غالباً پہلا موقع تھا کہ کسی نے یہاں یونین جیک لہرایا ہو۔ اس یونین جیک میں نیپال میں میرے باپ کا تابوت لپیٹا گیا تھا۔ کھانے کے بعد ہم شام کے وقت کاشغر کے لوگوں کو بال بچوں کے ساتھ گاتے بجاتے اور دھومیں مچاتے دیکھتے رہے۔ ان کے گیت اور گانے بہت سریلے تھے۔ کانوں اور دلوں کو چھوتے تھے۔ دوسرے دن چینی ترکستان پر سورج کے طلوع ہوتے ہی گرد و غبار کی گہری تہہ سی لہرا گئی۔ ہم نے کاشغر کے جنوب کی طرف سفر شروع کیا۔ اس صورت میں کہ آگے گدھوں کی قطاریں تھیں۔ ان کے پیچھے ہماری سست رو گاڑی تھی۔ برطانوی افسر ہمیں دیکھتے تو یقیناً محظوظ ہوتے۔

چین کے کسی علاقے میں غیر ملکی گاڑیوں کو چینیوں کی نگرانی کے بغیر چلانے کا تصور محال تھا۔ لیکن ہم اپنی گاڑیوں کو آزادانہ چلا رہے تھے۔ وہ بھی ایک نہایت ہی حساس چینی علاقے میں۔ ہم مٹی کے بنے گھروندوں اور چوبی عمارتوں کے پاس سے گزر رہے تھے۔ کھلی جگہوں پر مکئی کے بھٹے سوکھنے کے لیے پڑے تھے۔ خوش رنگ لباس پہنے چینی بچے کھیل کود میں مصروف تھے۔ کہاں وہ سادہ لوگ اور کہاں ہم کہ جنہیں جدید ترین سائنسی اور مشینی سہولتیں میسر تھیں۔ ہمارے درمیان نسل اور ثقافت کے لحاظ سے بُعد المشرقین تھا۔ مقامی لوگ اپنی گدھا گاڑیوں میں بیٹھے ہمیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ جب کبھی ہم ٹھہرتے تو بارنی بلند آواز میں نعرہ لگاتا ''السلام علیکم۔'' دو آدمی ایک ہی سائیکل پر سوار جا رہے تھے۔ انہوں نے جب ایک اجنبی کے منہ سے اسلام علیکم کا نعرہ سنا تو وہ ایسے حیران ہوئے کہ سائیکل سے نیچے آ گرے۔ پھر اٹھے، ہمیں حیرت سے دیکھتے ہوئے اپنی راہ پر چل دیئے۔

ہماری آنکھیں جنوبی شاہراہِ ریشم پر لگی تھیں، جس کے ساتھ نخلستانوں اور ان میں گھری ہوئی بستیوں کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ سٹین اور ہیڈن کا کہنا تھا کہ سیکڑوں برس پہلے بھی ان بستیوں کا یہی حال تھا۔ البتہ ایک تبدیلی ضرور آئی تھی، سڑکوں پر بڑے بڑے ٹرک چلنے لگے تھے۔ ان کے ڈرائیور انہیں بے تکلفی سے اڑاتے اور پیچھے دھوئیں اور گرد و غبار کا طوفان اٹھاتے چلے جاتے۔

ہمیں کاشغر سے نکلے تین گھنٹے ہو گئے تھے۔ ہمارے جسموں پر گرد کی موٹی تہہ جم گئی تھی۔ ہم بے حد تھک گئے تھے اور سخت پیاسے تھے۔ ہم اپنی رہائش گاہ پر پہنچے، کمرے بے رنگ تھے، ان میں آہنی چارپائیاں بچھی تھیں۔ فرش کنکریٹ کے بنے تھے۔ ان میں ایک سوراخ بھی تھا جو ٹائلٹ کا کام دیتا۔ قریب ہی پانی کی بڑی سی صراحی پڑی تھی۔ یہ ہمارے نہانے کے لیے تھی۔ میرے کمرے کے فرش پر دو بڑے بڑے مینڈک پھدک رہے تھے۔

مقامی سطح پر ہماری آؤ بھگت کا یہی انداز تھا۔ روایتی ضیافت اور اس میں تہنیتی تقریریں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ہم اپنی چینی ٹیم کے ارکان سے مل پائے۔ چینی ٹیم کا لیڈر گیو جن وائی تھا، اس کے بعد ژانگ بوہا کا درجہ تھا۔ اسے مہم میں شامل کرنے کا بہ ظاہر ایک ہی سبب تھا کہ وہ مقامی زبان پر عبور رکھتا تھا۔ باہمت اور جوشیلا بھی تھا۔ ایک 56 سالہ لاؤ زہاؤ سرکاری سائنس دان تھا۔ صحرا سے متعلق تحقیق کر چکا تھا۔ میری اس سے ارمچی میں پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے خیال کیا کہ وہ سخت جان، باوسیلہ اور اپنی ذات میں سمٹا ہوا ہے۔ ان اوصاف کی بنا پر کہا جا سکتا تھا کہ ہماری مہم میں اس کی شمولیت سودمند ہو گی۔ وہ بظاہر سکول ماسٹر لگتا تھا جو اپنے شاگردوں کو لے کر اتوار کی صبح کو سیر پر نکلا ہو، سفر شروع ہونے کے چار روز بعد رچرڈ نے اسے خود پسند کہنا شروع کر دیا۔ اس کا رویہ کچھ اس طرح کا تھا جیسے وہ صحرا میں نہیں کسی باغ میں مٹرگشت کر رہا ہے۔ کبھی کبھار وہ اس طرح بھڑک اٹھتا، جیسے پٹرول سے جلنے والا چولہا بھڑکنے لگتا ہے۔ کیو لائی فوٹو گرافر کے طور پر ہماری ٹیم میں شامل ہوا، وہ لمبے قد کا دبلا پتلا زرد رُو شخص تھا۔ اس کے اوپر کے دانت اٹھے ہوئے اور بال لمبے تھے۔ میں نے پہلی نظر میں ہی بھانپ لیا کہ وہ بوجھ کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے ساتھ چلنا ممکن نہیں ہو گا۔ میں نے اس کی شمولیت کے خلاف سخت احتجاج کیا لیکن چینی ارکان ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ مرکزی حکومت کا نمائندہ ہے۔ اسے بیجنگ سے، ہم پر نظر رکھنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ کیتھ نے جلد ہی تصدیق کر دی کہ کیولائی کا فوٹو گرافی سے کوئی علاقہ نہیں۔ مجھے اس بات پر بہت غصہ آیا کہ اسے جعلی فوٹو گرافر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ میں اپنی ٹیم میں صرف دو چینیوں کو شامل کرنے پر تیار تھا۔ لیکن مہم پر ایک جعلی فوٹو گرافر اور ایک نام نہاد سائنس دان بھی مسلط کر دیا گیا۔

اگلی صبح دو کوہانوں والے تیس خوبصورت اونٹ اور ان کے ساتھ چھ ساربان، اپنے

اپنے خاندان لیے آ گئے۔ صحن اونٹوں کی لید اور فضا اس سے اٹھنے والی بو سے بھر گئی۔ سبھی اونٹ خوب موٹے تازے تھے۔ وہ مہینوں سے چارہ کھانے کے سوا کوئی کام نہیں کر رہے تھے۔ ہمارے لیے یہ کہنا مشکل تھا کہ آیا وہ صحرا کی ریت پر کتنی دور تک چل سکیں گے یا ان میں بھوک پیاس برداشت کرنے کی کتنی صلاحیت ہے۔ ہماری گاڑیوں اور ان پر لدے ہوئے سامان کے ساتھ اونٹوں کا کوئی میل نہیں تھا۔ وہ سفر کی کسی دوسری تاریخ سے تعلق رکھتے تھے۔ اونٹوں سے متعلق تجربہ نہ رکھنے والے کسی شخص کے لیے یہ اندازہ کرنا ممکن نہیں تھا کہ صحرا میں ہماری بقا کا ان پر کتنا انحصار ہے۔

رچرڈ نے زہاؤ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اب اندازہ ہوا ہے کہ وسطی ایشیا میں کسی کے پاس آپ سے زیادہ اونٹ نہیں۔ ہیڈن نے 1895 کی مہم کے لیے جو تیاریاں کی تھیں، میں بھولا نہیں تھا۔ اس نے مارکیٹ سے مزار تاغ کی طرف صحرا عبور کرنا چاہا تھا۔ اس کوشش میں صرف وہ، دو ساربان اور ایک اونٹ زندہ بچا۔ دو ساربان اور سات اونٹ ریت میں دفن ہو گئے۔ مارکیٹ پہنچ کر اس نے سفر کی خاطر ضروری سامان جمع کرنا شروع کیا۔ اس میں چار آہنی واٹر ٹینک اور چھ مشکیں شامل تھیں۔ اونٹوں کی غذا کے طور پر سیسم کا تیل بھی لے لیا گیا۔ ہر اونٹ کا نام بھی تجویز کر لیا گیا۔ جگتائی، ٹرکی وغیرہ۔ مقامی زبان میں ایک سفید، دوسرا ایک کوہان والا، ایک بوڑھا، ایک بہت سیاہ اور ایک کم سیاہ کہلایا۔

22 دسمبر کو بہت کچھ تیاری اور سامان میں کانٹ چھانٹ کرنا تھی۔ ہمیں مارکیٹ سے چھ میل مشرق میں پہلا کیمپ قائم کرنا تھا۔ اور 24 تاریخ کو مہم کا آغاز کرنا تھا۔ یعنی صحرا کو عبور کرنے کی مہم پر اترنا تھا۔ ریوپرٹ، مارک اور میں نے بیلا گاڑی لی اور ٹیلوں کے کنارے پر پہنچ کر ریڈیو، سیٹلائٹ اور رہنمائی کے سامان کی جانچ شروع کی، میں گاڑی سے نکل کر کوئی آدھا میل ریت میں چلا تھا کہ گرمی کی شدت کے باعث چکرا کر رہ گیا۔ میں پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔ اسی عالم میں واپس گاڑی تک پہنچا، میرے گھٹنے میں شدید درد ہونے لگا۔ میں نے ہمت سے کام لینے کا سوچا لیکن اس حقیقت سے آنکھیں نہ چرا سکا کہ گزرنے والا ہر دن ہمیں مددگار ٹیم سے دور لے جائے گا۔ ریوپرٹ نے لاکھ جتن کیے، وہ سیٹلائٹ کے ذریعے رابطہ قائم کرنے میں ناکام رہا۔ سیٹلائٹ کا سامان ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ اب ہمارے لیے بیجنگ میں اپنے سفارت خانے اور انگلستان سے پیغام رسانی ممکن نہیں رہی

تھی۔ ادھر مارک، فرانسس سے تعلق قائم کرنے کی کوشش میں ناکام ہو گیا۔ مارک مارکیٹ میں ہائی فریکوئینسی (High Frequency) ریڈیو سے کام لینے کی کوشش میں مصروف تھا۔ صرف چھوٹے ریڈیو جو ہمارے پاس تھے، اونٹوں کے کارروان کے درمیان دو تین میل تک میں رابطے کا کام کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ ریوپرٹ اور میرے درمیان بھی سیٹلائٹ کے ذریعے رابطہ تو رہا ایک طرف دونوں کے آلات پر ایک دوسرے سے مختلف ریڈنگ آ رہی تھی۔ میں جھنجھلا گیا اور پاس سے گزرنے والی ٹیم کے ارکان اور ان کے آلات دیکھنے لگا۔ اس پر چینیوں سے میری پہلی تلخ کلامی ہو گئی۔ میں نے کیولائی کے آلات کی طرف ہاتھ بڑھایا تو گیو نے مجھے منع کیا اور کہا کہ چینی اپنے سامان کو ہاتھ لگانے اور دیکھنے کی کسی کو اجازت نہیں دیتے۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ان میں سے کوئی بھی اپنی تسلی کے لیے ہماری ٹیم کے سامان کی تلاشی لے سکتا ہے۔ کیوں کہ ہم صرف وہی سامان لے جا رہے ہیں جس کی اشد ضرورت ہے۔ گیو نہیں مانا، اس کا کہنا تھا کہ چینیوں کے ہاں یہ رواج نہیں۔ کیولائی بھی پاس کھڑا تھا۔ وہ چپ چاپ تھا۔ اس کے چہرے پر خفگی اور خشم گینی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ اس کو خاموش اور مطمئن دیکھ کر میں نے بھی اپنے غصے پر قابو پا لیا اور دھیمے لہجے میں کہا کہ ہم میں سے کوئی بھی ضرورت سے بڑھ کر کوئی اونٹ نہیں لے جائے گا۔ کیوں کہ اس سے فائدہ کم اور تکلیف زیادہ ہو گی۔ مہم کی قیادت میں کر رہا ہوں، یہ دیکھنا میرا کام ہے کہ ضرورت کی ہر شے موجود ہے اور سارا انتظام بے عیب ہے۔ رچرڈ نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ مہم میں تصادم کی صورت پیدا ہو سکتی ہے، تجویز کیا کہ ''چارلس آپ گیو کو اپنا سامان دکھا دیں۔'' میں نے حامی بھر لی تو رچرڈ نے گیو سے پوچھا کہ ''آپ اپنا سامان چارلس کو دکھائیں گے؟'' اس نے کہا کہ ''ہاں دکھا دوں گا۔'' ''پھر وہ گیو کا سامان کیوں نہیں دیکھ سکتے۔'' ''اس لیے کہ یہ چینی طریقہ نہیں۔'' سامان دیکھنے پر کئی بار کے اصرار کے باوجود کوئی نتیجہ نہ نکلا تو میں نے مزید کچھ کہنا چھوڑ دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر میں نے ان کا سامان کھول کر دیکھ بھی لیا تو سفر شروع ہونے سے پہلے ہی اس میں وہ تمام اشیا شامل ہو چکی ہوں گی جن کے لے جانے پر ہمیں اعتراض تھا۔ ایک بار پھر کوشش کر لینے میں مضائقہ نہیں۔ میں نے سوچا، ہو سکتا ہے کہ صحرا میں داخل ہونے پر چینی ہٹ دھرمی چھوڑ دیں اور ہمیں وہ ساری اشیا دکھا دیں جو وہ ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ کھلا کہ کیولائی سرکاری

کارندہ تھا، اس کے سامان میں جو آلات تھے وہ کسی کو دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ہر دوسرے کے سامان سے دوگنا وزنی تھے۔ پیشہ ور فوٹو گرافر کیتھ کے سامان سے بھی۔

چینی ہماری مہم کے شروع ہونے کا بڑا چرچا کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے وہ پبلسٹی اور دوسری ساری رسمیں ادا کرنے پر زور دے رہے تھے۔ انہیں اس مہم کی بنیادی اہمیت کا ادراک ہی نہیں تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم تفریح کے طور پر صحرا میں جا رہے ہیں۔ خوش خوش جائیں گے اور خوشی خوشی واپس آ جائیں گے۔ اس لیے غیر معمولی اور کڑے انتظامات کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ان کے اسی رویے نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو تشویش میں مبتلا کیے رکھا۔

جس پارٹی کو ہراول کے طور پر آگے جانا تھا، وہ میدان میں کھڑی تھی۔ اس کے سبھی ارکان کا گرمی کے مارے برا حال تھا۔ ان کے قریب پانی کی ٹینکیوں، کھانے پینے کی اشیا کی گٹھڑیوں اور اونٹوں کی کاٹھیوں اور کجاووں کا خاصا بڑا انبار لگا ہوا تھا۔ بے ترتیبی اور بے ہنگم پن کی کیفیت تھی۔ درمیان میں مقامی لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ ان سب نے ماؤ کیپ پہن رکھی تھی۔ اتنے میں چینی ٹیلی ویژن کا عملہ بھی آ پہنچا۔ اس کے ساتھ پارٹی کے ارکان تھے جنہوں نے تکلا مکان کو مسخر کرنے کی مہم کے پہلے دن سے متعلق بڑے بڑے پوسٹر اٹھائے ہوئے تھے۔ ہماری ایک گاڑی ابھی تک اسلام آباد کے قریب پڑی تھی اور پیغام رسانی کے آلات اچھی طرح کام نہیں کر رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ مہم پر میری گرفت آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی ہے۔

رچرڈ نے اس روز کے کوائف اپنی ڈائری میں لکھے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد سامان کے بارے میں جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا۔ معاملہ سامان کے معائنے کا اور چینیوں کی تعداد کم کرنے کا تھا۔ ہم اسے برطانوی مہم سمجھتے تھے۔ لیکن چینی نقطۂ نظر جداگانہ تھا۔ وہ اسے ایک مشترکہ مہم کہتے، جس پر اصل کنٹرول چینیوں کا تھا۔ وہ اسے بین الاقوامی رنگ دینا چاہتے تھے اور ٹورازم کے عروج کا وسیلہ گردانتے تھے۔ ہمارے ساتھ ایک صحافی بھی تھا جو نہ کچھ لکھتا تھا اور نہ ہی کوئی فوٹو لیتا تھا۔ اسے بیجنگ نے ہم پر مسلط کر دیا تھا۔

شام تک ہم کچھ نظم و ضبط قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ریوپرٹ نے سیٹلائٹ کے مواصلاتی نظام کے کارپرداز سے رابطہ قائم کر لیا۔ وہ میرینی ٹیکنالوجی انٹرنیشنل تھا جس کا دفتر جنوبی انگلستان میں چینگٹن کے مقام پر تھا۔ اس نے ہماری مشکل آسان

کرنے کے بارے میں ہدایات دیں اور رہنمائی کی۔ ہم بیرونی دنیا سے رابطہ قائم کرنے کے قابل ہو گئے۔ ہم اپنے سرپرستوں اور گھر والوں کو معلومات فراہم کرنے لگے۔ دریں اثنا مارک اور فرانسس نے ریڈیو سے رابطہ قائم کرنے کا مسئلہ حل کر لیا۔

مارکیٹ کے میئر نے ہماری صحرا میں روانگی کے اعزاز میں اگلے روز تعطیل کا اعلان کر دیا۔ ہمارا باقاعدہ جلوس نکالا گیا۔ ہمارے آگے آگے تاشے بج رہے تھے اور پٹاخے اور پھل جھڑیاں چھوڑی جا رہی تھیں۔ اس شوروغل کا ایک اثر یہ ہوا کہ اونٹ بدک گئے۔ انہوں نے چارہ پہلے ہی کھا لیا تھا، ورنہ بھوکے رہ جاتے۔ اتنے میں سکولوں کے طلبا بینڈ بجاتے آ پہنچے۔ وہ ہمارے آگے آگے چل رہے تھے اور ہم ان کے پیچھے پیچھے۔ طلبا برطانوی اور چینی پرچم لہرا رہے تھے۔ چینی فوجی افسر اپنی یونیفارم اور مقامی افسر اچھے لباس پہنے موجود تھے۔ ہماری گاڑیاں، اونٹ اور ساربان سب سے پیچھے تھے۔ ہم جس راستے پیپلز ہال میں پہنچے، اس کے دونوں طرف لوگ چار چار قطاروں میں کھڑے تھے۔ ہال پر ایک بڑا پرچم لہرا رہا تھا جس پر لکھا تھا کہ چین اور انگلستان کی مشترکہ مہم تکلا مکان صحرا کو عبور کرنے کے لیے جا رہی ہے۔ یہ سب کچھ خواب کا سا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ ہمیں اتنی دھوم دھام سے رخصت کیا جائے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم یہ دھوم دھڑکا دیکھ کر مہم کی مشکلات اور درپیش خطرات سب کچھ وقتی طور پر بھول بیٹھے۔

ہال کے سامنے لمبی میزیں بچھی تھیں اور ان پر زیبائشی بتیاں رکھی جھلملا رہی تھیں۔ سکولوں کے طلبا رنگ برنگی وردیاں پہنے ریت کے سمندر میں کشتیاں چلا رہے تھے۔ مقامی رقاص روایتی کالے اور سفید ملبوسات پہنے، چینی افسروں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ بینڈ جنگی دھنیں بجا رہے تھا۔ ڈھولوں اور تاشوں کی آواز سنتے سنتے ہم تھک گئے۔ میں نے اس شوروغوغا میں اپنی آواز بلند کرتے ہوئے رچرڈ سے کہا کہ اگر یہ سب کچھ ہمیں الوداع کرنے کی غرض سے کیا جا رہا ہے تو جب ہم صحرا کو عبور کر کے واپس آئیں گے تو پھر کیا کیا جائے گا؟ ''چین کے ہیرو،'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ چینی، مقامی زبان اور انگریزی میں پُرجوش تقریروں کے بعد ایغیور عورتیں شرماتی لجاتی اٹھیں، انہوں نے اپنے پاؤں پھیلا رکھے تھے۔ وہ ہمارے پاس آئیں اور ہمیں روایتی چوغے پیش کیے۔ مردوں نے ہمیں وہ ٹوپیاں پہنائیں جو نماز پڑھتے وقت پہنی جاتی ہیں۔ وہ جھکے اور اپنی اپنی جگہ پر جا پہنچے۔ ہم نے محسوس کیا کہ

ہم دنبے ہیں جنہیں قربان کیا جانا مقصود ہے۔ ان کے بعد ایک ٹولی آئی، اس نے ہمارے سامنے چمڑے کے بستے کھولے، ان میں لکڑی کے بنے ہوئے آلات موسیقی تھے۔ یہ مارکیٹ کے لوگوں کی طرف سے برطانیہ کے لیے تحفے تھے۔ ان آلات پر ''رائل جیوگرافیکل سوسائٹی'' کے الفاظ کھدے ہوئے تھے۔ ان کے نیچے ہماری مہم کا نعرہ، یونین جیک اور اونٹ تھے۔ جس کے قدموں میں ''کیمل کراسنگ فار چلڈرنز کینسر'' درج تھا۔ یہ نعرہ میری تخلیق تھا۔ میں نے ایک دفعہ طیارے میں جرمنی جاتے ہوئے لکھا تھا۔ میرا خیال نہیں تھا کہ ایک دن یہ نعرہ حقیقت کا روپ دھار لے گا۔ ہم چین کے علاقائی لباس پہنے کھڑے ہوں گے اور ہمیں مقامی تحائف پیش کے جا رہے ہوں گے اور ہمیں سات سمندر پار کی سفید فام ملکہ کے سفیر سمجھ کر، طرح طرح کے نوادر سے نوازا جا رہا ہو گا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ صحرا میں ہمارے جانے کو اس انداز سے منایا جائے گا۔ مجھے افسوس تھا کہ انگلستان میں کسی کو یہ سب کچھ دیکھنے کا کبھی موقع ہی میسر نہیں آئے گا۔ یا چین کے ایک دور افتادہ علاقے میں یہ سب کچھ پھر سے دُہرایا جا سکے گا۔

اس مہم کے آخر میں چار اماموں نے ہمارے لیے دعا کی کہ خدا موت کے صحرا میں ہمارا محافظ ہو اور اپنے تحفظ اور امان میں رکھے۔ اب ہمارا اصل سفر شروع ہوا، ہم مشرق کی طرف چل رہے تھے اور سڑک کے دونوں طرف سکولوں کے طلبا قطاریں باندھے کھڑے، کاغذی جھنڈیاں لہرا رہے تھے۔ ان کے پیچھے اور لوگ تھے۔ ہم پُر جوش ہجوم کے پاس سے گزرتے ہوئے الوداع، الوداع کہتے، کئی لوگ رو رہے تھے۔ عورتیں کیرولین کے پاس آتیں تو ان کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے ہوتے اور وہ کہتیں کہ موت کے صحرا کا سفر نہ کرو۔ میں نے ان کے سادہ، معصوم چہروں پر خوف کی پرچھائیں دیکھیں، مجھے پہلی بار لگا کہ وہ ایسا کچھ جانتے ہیں، جو ہم نہیں جانتے، ان کے جذبات سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ہماری مہم کے پُر خطر ہونے کا علم رکھتے تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ ہم اپنے سفر آخرت پر نکل رہے ہیں اور ہمارا جنازہ اٹھ رہا ہے۔ پھیلے ہوئے ہاتھوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے مجھے لگا کہ میں بھی رو دوں گا۔ اچانک مجھ پر خوف طاری ہو گیا کہ میں واپس نہیں آ سکوں گا اور جو اجنبی ہمیں الوداع کہہ رہے ہیں، وہ آخری لوگ ہوں گے، جنہیں ہم نے دیکھا ہو گا۔ میرے اندر یہ خیال ابھرا کہ میرے اپنے لوگ، میرے پیارے، یہاں ہوتے، یہ منظر دیکھتے

اور میں انہیں اپنی چھاتی سے لپٹاتا۔

میں نے ریو پرٹ، کیتھ، کیرولین اور رچرڈ کو دیکھا۔ ان کی اپنی کیفیت ویسی ہی تھی جیسی میری۔ میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ کیا ہم جانی نقصان کے بغیر صحرا سے نکل سکیں گے اور کیا ہم سبھی آخر تک وہیں رہیں گے؟ جو کچھ بھی ہوا، اس کا تمام تر بار مجھ پر ہوگا۔ میں ہی گنہ گار سمجھا جاؤں گا، صرف میں۔ سیون ہیڈن کے سفر کی روداد ہم پر عیاں تھی، اسے بھی 98 برس پہلے مارکیٹ سے اسی انداز میں الوداع کہا گیا تھا۔

10 اپریل کی صبح کو ہمارے آٹھ تنومند اونٹ اور ان کے ساربان مارکیٹ سے باہر نکلے تھے۔ اونٹوں پر بھاری سامان لدا تھا اور ان کے گلے میں کانسی کی گھنٹیاں اس طرح بج رہی تھیں کہ جیسے جنازے میں بجا کرتی ہیں۔ دیہات کے رہنے والے چھتوں اور گلیوں میں جمع تھے۔ سب افسردہ تھے، ہم نے انہیں درد اور کرب میں ڈوبی ہوئی آواز میں ایک دوسرے کو کہتے سنا کہ ''یہ کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ اونٹوں پر بہت بوجھ لاد دیا گیا ہے، وہ گہری ریت میں سے نہیں نکل پائیں گے۔'' بینڈ کی آواز، گیتوں کے بول اور سازینوں کے سُر سنگیت آہستہ آہستہ مدھم ہوتے گئے۔ ہم ایک چھوٹے پل پر پہنچے تو وہاں پر آتے آتے سڑک بھی ختم ہوگئی۔ میں بہت تھک گیا اور میرے جسم سے پسینہ پھوٹ کر بہنے لگا۔ رچرڈ نے اپنی ڈائری میں لکھا ''بکریاں، بھیڑوں سے علیحدہ ہوگئیں، سرکاری کارندے، موٹر گاڑیاں، اونٹ اور ہم سب ایک جگہ اکٹھے تھے۔ شور مچا مچا کر ہمارے گلے بیٹھ گئے تھے اور شدید گرمی میں، دن بھر چلتے رہنے کا خیال بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ایک ٹولی کاشغر سے ہوتی ہوئی ارچی پہنچی تھی، وہ راستے کی کلفتوں کا حال بتاتے تو ان کی آواز رُندھ جاتی۔ تاہم یہ خیال ان کے لیے کسی حد تک راحت اور اطمینان کا موجب تھا کہ ہم ایک پُرمحن آزمائش میں سے گزر آئے ہیں۔ جن جیپوں پر وہ سفر کر رہے تھے، ان کی کھڑکیاں پوری طرح بند ہوگئی تھیں۔ ہم اچھلتے، کودتے، ریت کے ٹیلے عبور کرتے آ رہے تھے۔ جب ریت کا طوفان اٹھتا تو ہم رک جاتے اور اس کے گزر جانے کا انتظار کرتے۔ لارنس آف عربیا اور یاسر عرفان، ان حالات سے دوچار ہوتے رہے ہیں۔ ہم ریتلے ٹیلوں میں رکے، ہم خوف ناک خاموشی کے حصار میں تھے۔ ایسی خاموشی جو جنگ کے شروع ہونے پر چھا جایا کرتی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک بہادری کا کوئی کارنامہ دیکھنے جا رہا تھا۔ صرف دشمن کا تعین نہیں ہو پایا تھا۔ ہم غیر ملکی ایک

مقصد کے تحت، دوربینیں نقشے اور ضروری معلومات لیے قدم بڑھاتے جا رہے تھے۔

مارکیٹ سے پُر جوش اور خوش رنگ الوداع اور گزشتہ چند مہینوں کے دوران میں طاری ہونے والی جذباتی کیفیت، بدنام صحرا میں اترتے وقت خوف میں ڈھل گئی۔ اس وقت تک ہمارے منصوبے کو تائید وحمایت حاصل ہو چکی تھی اور مجھے یقین ہو چکا تھا کہ اگر قسمت نے ساتھ دیا تو ہماری مہم کامیاب ہو گی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو مجھے دور فاصلے پر مارکیٹ کے پاس درختوں کی قطار، لہلہاتے کھیت دکھائی دیے۔ مشرق کی جانب ریت کا ایک سمندر تھا۔ جو دور دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس کی ریت لہروں کی صورت میں حرکت کرتی اور کبھی کبھار بلند ٹیلوں کی شکل اختیار کر لیتی۔ لگتا کہ وہ آنے والوں کی راہ روک رہی ہے۔ ریت سے منعکس ہونے والی روشنی سے آنکھیں چندھیا جاتیں۔ ہوا گرم اور خشک تھی اور جس مہم پر ہم نکلے تھے وہ بے پناہ ہمت اور قوت برداشت کی طالب تھی۔

صحرا کے کنارے ہم نے جو بیس کیمپ قائم کیا تھا، وہاں پانی پہنچا تو ہم نے اس سے **80** لٹر کے ڈبے بھر لیے۔ ان میں سے چھ ڈبوں میں چھید تھے۔ جس سے پانی رس رس کر نکل رہا تھا۔ انہیں اچھی طرح دیکھنے کی میری ذمہ داری تھی۔ لیکن چینیوں نے ہمیں الوداع کہنے کے سلسلے میں جو غلغلا بپا کیا تھا، اس میں ان ڈبوں کی جانچ پڑتال نہ کی جا سکی۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ ان ڈبوں کو واپس مارکیٹ بھیج دیا جاتا اور کسی مقامی ویلڈر سے ان کی مرمت کرا لی جاتی۔ یہ واپس آتے تو اگلی صبح ہم سفر پر روانہ ہوتے۔

شام ہوئی تو صحرا ٹھنڈا ہو گیا۔ اونٹوں کے ساربانوں نے ہمیں آخری دعوت میں شرکت کا موقع فراہم کیا۔ ہم، چینی سرکاری کارندے، ساربان اور ان کے خاندانوں کے لوگ دائرہ بنا کر بیٹھ گئے۔ وسط میں تربوز، بھیڑوں کی رانوں، سری پایوں، روٹیوں اور چاولوں سے بھری ہوئی طشتریاں رکھی تھیں۔ ساربان، جنہوں نے دعوت کا اہتمام کیا تھا، سادگی اور شرافت کے نمونے دکھائی دیتے تھے۔ ان کے چہروں پر خاص قسم کی دمک تھی، جیسے انہوں نے کوئی کارنامہ انجام دیا ہو۔

ہمارے چھ کے چھ ساربان مارکیٹ کے قریب کے گاؤں کے رہنے والے تھے۔ دورانِ سفر میں ہمیں پر ان کے باہمی روابط اور تعلقات کی گہرائی کا علم ہو سکا۔ ان کے تشخص اور پس منظر کو جاننے کے لیے اتنا ہی قرب لازم تھا، جو ہمیں ان سے حاصل ہو گیا تھا۔ عیسیٰ پولتا

ساربانوں کا سربراہ تھا، تمام ساربان اس کا بے حد احترام کرتے۔ اس کے بعد عبدالرشید تھا جس کی آنکھیں اکثر جھکی رہتیں اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیلتی رہتی۔ کریم یونس نوجوان ذہین اور کسرتی جسم والا تھا۔ وہ ساربان سے کہیں بڑھ کر لگتا تھا۔ اس کا روزہ تھا۔ وہ عیسیٰ پولتا کا بھتیجا تھا۔ وہ خوش باش نوجوان تھا۔ اس کی گفتگو میں مزاح کی چاشنی تھی۔ وہ بتاتا تھا کہ اس کی عمر 31 سال ہے اور اس کی دو بیٹیاں ہیں۔ میں نے اسے بتایا کہ میرے تین بیٹے ہیں۔ اس نے کہا بہت اچھے، بہت اچھے۔ عیسیٰ کے پاس لوسیئن بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر مجھے ایک نیپالی یاد آتا، جس کے خدوخال منگولوں سے ملتے تھے۔ وہ سب سے کم عمر تھا، اس کے چار بچے تھے۔ وہ عیسیٰ پولتا کا داماد تھا۔ بات بات پر مسکرانا اور نرم لہجے میں بات کرنا اس کی خصوصیت تھی۔

صبح ہوگئی تھی اور زانگ بوہا ابھی تک واپس نہیں پہنچا تھا۔ دس بجے کے قریب آیا تو لگتا تھا کہ وہ شہر میں سو نہیں سکا، وہ پانی کے ڈبے مرمت نہیں کرا سکا تھا۔ ان کی جگہ وہ 20 لٹر کے پلاسٹک کے ڈبے اٹھا لایا تھا۔ وہ بہت کمزور تھے، انہیں دیکھ کر میں تو کھول گیا لیکن اب کیا کیا جا سکتا تھا، ناچار ان میں پانی بھرا۔ ان کے ڈھکنے ناقص تھے۔ ڈبہ ذرا سا ہلتا تو پانی چھلک جاتا۔ ہم نے کپڑا کاٹ کر ڈھکنوں میں رکھا۔ اس سے پانی بہنا رک گیا۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ پلاسٹک کے صرف دو ڈبے، ایک اونٹ کے بوریے میں رکھے جا سکتے تھے۔ وزن کو بانٹنے میں مشکل پیش آنے لگی۔

مزار تاغ تک پہنچنے میں ساڑھے تین ہفتے لگے تھے، اس کے لیے 1800 لٹر پانی چاہیے تھا۔ ایک آدمی کے لیے 5 لٹر پانی یومیہ، دو لٹر پانی پینے کے لیے، ایک لٹر پانی ہر آدمی کے منہ ہاتھ دھونے کے لیے، دو لٹر پانی کھانا اور چائے تیار کرنے کے لیے۔ پانی ضائع کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ درجہ حرارت سو سے بڑھ جانے کی صورت میں بھی اتنا پانی کافی تھا۔ مجھے اصل فکر اونٹوں کی تھی، ان کی پیاس بجھانے کا انحصار قدرت پر تھا۔ صحرا میں ان کے لیے پانی تلاش کرنا اور کھود نکالنا مشکل تھا۔ سٹین اور ہیڈن نے اپنے سفرناموں میں کچھ حوالے دیے ہیں لیکن پانی کہاں سے دست یاب ہو سکتا ہے، ان سے کچھ مدد نہیں ملتی۔ مقامی لوگوں کا کہنا تھا کہ مزار تاغ تک کے سفر میں شاید کسی جگہ پانی مل جائے لیکن یقین اور قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ میرے پاس سیٹلائٹ کے جو چارٹ اور نقشے تھے

ان سے پانی کے سلسلے میں کچھ رہنمائی نہیں ہوتی تھی۔ ایک اونٹ کے لیے ہر تیسرے دن 40 لٹر پانی چاہیے تھے۔ اتنی مقدار میں پانی لے کر چلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ چنانچہ میرا سارا منصوبہ ایک بہت بڑا جوا تھا۔ قسمت ساتھ دے تو کئی مقامات پر زمین کھود کر پانی حاصل کیا جا سکے گا۔ قدرت کا یہ ایک راز تھا۔ اب یا تو پانی مل سکتا ہے یا نہیں مل سکتا۔ کیا ہم پانی تلاش کرنے میں کامیاب ہوں گے؟ ہیڈن نے بعض مقامات پر گہرے کنوئیں کھود کر پانی حاصل کر لیا تھا۔ لیکن کیا ہم بھی کر سکیں گے؟ اس کی کوئی ضمانت نہیں تھی۔

آہستہ آہستہ اور تدریجاً ریت مرطوب ہونے لگی۔ ظاہر تھا کہ نیچے پانی تھا۔ ہم نے چھ فٹ تک کنواں کھودا تو ریت اتنی مرطوب تھی کہ اسے مٹھی میں بھینچ کر گولہ بنا سکتے تھے۔ اونٹوں نے اپنی لمبی گردنیں، کنوئیں کے گرد جھکا کر مرطوب ریت سونگھی، ہم سب کنوئیں کے گرد ہالہ باندھ کر کھڑے دیکھ رہے تھے کہ قاسم نے کھدائی کرتے کرتے ہاتھ روک لیا اور پھاوڑہ پھینک دیا۔ کیا ہوا؟ ہم نے پوچھا، ''ریت خشک ہے'' یہ آواز جیسے قبر سے آئی ہو۔ ہم ہار گئے۔ ہم تھک گئے تھے۔ ہم نے تین گھنٹے تک جو محنت کی تھی، اکارت چلی گئی۔ اونٹوں کو تین دن سے ایک قطرہ پانی نصیب نہیں ہوا تھا۔ ہم نے اونٹوں کو وہیں کھڑا چھوڑا اور خود آرام کرنے چلے گئے۔ یہ طے تھا کہ ہماری زندگی کا انحصار، اونٹوں کے لیے ریت میں پوشیدہ پانی کی دست یابی پر تھا۔

باب 4

صحرا میں آمد

24 ستمبر کی دوپہر کو جب گرمی عروج پر تھی، میں نے صحرا میں اترنے کا فیصلہ کیا۔ ہمیں چین میں آئے پانچ روز ہو گئے تھے لیکن یہاں کے موسمی حالات سے مطابقت پیدا نہیں کر سکے تھے۔ سطح سمندر سے 5000 فٹ بلندی پر ہونے کے سبب سے جسمانی قوت میں کمی آ سکتی تھی۔ اب تک ہم نے جو تیاری کی تھی وہ ناکافی ثابت ہو رہی تھی۔ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے ناموافق اور ناگوار صحرا میں انسانوں اور اونٹوں کو کسی مناسب تیاری کے بغیر لے جانا غیر ذمہ دارانہ فعل تھا۔ لیکن ہمارے لیے اونٹوں سے مناسبت اور تعلق خاطر پیدا کرنے اور ان پر سامان لادنے اور اتارنے کے طریقوں سے واقف ہونے کا وقت نہیں تھا۔ پانی کے ڈبے قابل اعتماد نہیں تھے۔ ان سے کسی وقت بھی پانی رسنا شروع ہو سکتا تھا۔ آلات اور کھانے کی اشیا کی اچھی طرح جانچ نہیں کی گئی تھی۔ کوئی بھی دیکھنے والا کہہ سکتا تھا کہ ہم نے تیس اونٹوں، تین مختلف ثقافتوں، پانی کے چند ڈبوں، اونٹوں کے چارے کے گٹھوں، اردگرد کی اشیا اور سب سے بڑھ کر جدید ترین ٹیکنیکل آلات کو صحرا میں لا پھینکا تھا۔ اور اس کا نام مہم رکھ دیا تھا۔ اگر کسی بھی معاملے میں کوئی غلطی پیش آ جاتی تو اس کا الزام میرے سر آتا اور مجھے قائدانہ صلاحیت سے عاری کہا جانے لگتا۔

دوسری طرف میں اپنے تجربے کی بنا پر کہہ سکتا تھا کہ مہم کا شروع کیا جانا بجائے خود بہت اہم تھا، وقت کے ساتھ سب معاملات اپنے طور پر صحیح ثابت ہونے لگتے۔ کچھ ایسے واقعات پیش آ سکتے تھے جو تربیت سے کہیں زیادہ اہم اور مفید ثابت ہوتے۔ مجھے یقین تھا

کہ شروع کے پانچ دن آہستہ آہستہ گزار لیے گئے تو تمام اشیا کام کرنے لگیں گی۔ بس اونٹوں کے لیے پانی کے بارے میں شک تھا۔ یہ قدرت کے ہاتھ میں تھا۔

1895 میں ہیڈن کی مہم جس طرح ناکامی سے دوچار ہوئی تھی، اس کی طرف بار بار دھیان جاتا۔ سفر شروع ہونے سے پہلے ہی ایک اونٹ بے قابو ہو گیا، اس پر لدے ہوئے پانی کے دو پیپے زمین پر گر پڑے، ایک اپنے منہ کے بل گرا، جس سے اس کا اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا۔ اونٹ کے بھاگ نکلنے سے دوسرے اونٹوں میں جو بے چینی اور افراتفری پیدا ہوئی، ہم انہیں سنبھالنے کے لیے دوڑ پڑے۔ اس اثنا میں گرے ہوئے پیپے سے باقی ماندہ پانی بہہ کر زمین میں جذب ہو گیا۔ دوسرا مٹکا اتنا خراب نہیں ہوا، البتہ اس کا پانی ہم نے پلاسٹک کے جیری کین میں بھر لیا۔

کیرولین نے مذاق سے کہا کہ اب تک جو کچھ پیش آ رہا ہے، وہ ہیڈن کے ناکام تجربے کا اعادہ ہی دکھائی دیتا ہے، پہلے ہم نے مارکیٹ کی عورتوں کو روتے اور واویلا کرتے اور پھر پانی کے مٹکوں کو تباہ ہوتے دیکھا۔ آگے کیا ہو گا؟ رچرڈ بولا آگے کیا ہو گا؟ یہ کہ چارلس زندہ رہنے کے لیے اونٹوں کا پیشاب اور لہو پی رہا ہو گا۔

اونٹوں کو قابو میں کر لینے اور ان پر سامان کو اچھی طرح ترتیب دے اور باندھ لینے کے بعد ہم آگے بڑھے۔ میں نے ٹینا کے نام جو خط لکھے تھے، وہ امدادی ٹیم کے حوالے کیے، وہ اس عجلت اور بے دھیانی میں لکھے گئے تھے کہ یہ سوچ کر ہی احساس جرم ہوتا۔ میں نے تیسری بار نقشہ کھول کر دیکھا اور ریو پرٹ سے، جس کے پاس قطب نما تھا، سمت کی صحت کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے اپنے کندھے سے سامان اتارا۔ اس میں سے قطب نما نکالا اور ہم سے کچھ دور جا کر سمت کے بارے میں تصدیق کی۔ اونٹوں کی رفتار سے ہماری رفتار کا تعین کیا گیا۔ اب اونٹ کی فی گھنٹا کی رفتار کو سارے کارروان کی معیاری رفتار تسلیم کر لیا گیا۔

صحرا میں اترتے وقت میرے جذبات ملے جلے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ میں جس مہم کی قیادت کر رہا ہوں، وہ کامیابی سے ہم کنار ہو گی۔ بارنی، فرانسس اور مارک تھوڑی دور تک ہمارے ساتھ چلے۔ بارنی نے مذاق میں کہا کہ خدا کرے تم اس مہم سے زندہ سلامت واپس آ سکو۔ کیوں کہ میں نہیں چاہتا کہ میں ٹینا کو یہ اطلاع دینے کے لیے زندہ رہوں کہ

چارلس کو صحرا کھا گیا ہے۔ میں نے بارنی سے کہا کہ تمہیں میرے بیٹے ٹوبائی کی تعلیم و تربیت کا بار اٹھانا ہوگا۔ اس لیے کیا تمہارے حق میں یہ اچھا نہیں کہ تم میرے صحرا سے زندہ نکل آنے کی دعا کرو! بارنی ہوں ہاں ہی کہہ سکا۔ وہ سنجیدہ ہو گیا۔ وہ کیا سوچ رہا تھا؟ ہم مہم کی کامیابی پر کئی بار پہلے بھی گفتگو کر چکے تھے۔ بارنی نے لندن میں مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا تمہیں یقین ہے کہ ہم اس مہم میں کامیاب ہوں گے۔ میں نے ہمیشہ ہاں میں جواب دیا۔

ایک دوست کے شبہات سن کر میری خود اعتمادی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ بارنی ایک ٹیم کی سربراہی کر رہا تھا جو ہنگامی حالت میں ہمیں بچانے پر مامور تھی۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ بارنی کے خیال میں ہم سب مارے جائیں گے یا صحرا میں کہیں غائب ہو جائیں گے اور یوں صحرا سے متعلق جو روایت چلی آتی ہے اسے دوام بخشنے کا وسیلہ ثابت ہوں گے۔ میں نے اس کی باتوں سے بس یہی اخذ کیا کہ ہم درپیش مشکلات کے سبب سے صحرا عبور نہیں کر سکیں گے۔ اس نے وضاحت نہیں کی اور میں نے مزید پوچھا نہیں۔

میں پسینے سے نہا گیا تھا۔ ہم ناہموار ریتلے ٹیلوں پر بہ مشکل آدھا میل چلے ہوں گے۔ ریت بہت باریک اور نرم تھی اور کیرولین نے جو گولیاں دی تھیں، ان کے کھانے کے باوجود میرے گھٹنے کے درد میں کوئی افاقہ نہیں ہوا تھا۔ زخم بدستور موجود تھا۔ میں دل میں اس کی چبھن محسوس کر رہا تھا۔ کبھی کبھی خیال آتا کہ آیا میں صحرا کو عبور کرنے کے قابل بھی ہوں؟ میری قیادت میں یہ مرحلہ طے ہوتا ہے یا نہیں، اب مجھے اس کی فکر نہیں تھی۔ میں نے اپنی توجہ مہم کے شروع ہونے کے تاریخی لمحے پر مرکوز کر دی اور ہر طرح کے خوف اور شبہات کو ذہن سے جھٹک دیا۔

لندن کے ہیتھ رو ایئرپورٹ پر میری بیوی ٹینا نے مجھے الوداع کہتے ہوئے کہا تھا کہ ''میں ہر لحاظ سے خوش رہوں اور جو تجربہ کرنے جا رہا ہوں، اس سے پوری طرح لطف اٹھاؤں۔ یہ ایک بڑی دلیرانہ مہم ہے، ایک ایسی مہم جس پر شاید تم دوبارہ کبھی نہ نکل سکو۔'' صرف آٹھ دن پہلے کی بات ہے جب ہم ہیتھ رو سے روانہ ہونے والے تھے۔ میری ڈھارس بندھاتے اور خدشات کے گھیرے سے نکل آنے کا کہتے ہوئے اس نے کہا تھا کہ ''تم نے یہ سب، کچھ نہ ہونے سے شروع کیا تھا، صحرا کے کنارے تک پہنچنا بھی ایک بہت بڑی کامیابی سمجھی جائے گی، اس لیے تم جاؤ اور اپنی بہترین صلاحیتوں سے کام لو، تم ضرور کامیاب ہو

گے۔ یہ ایک بے مثل معرکہ ہوگا۔ بچوں اور میرے بارے میں فکرمند نہ ہونا، ہم ٹھیک ہیں، جو بھی صورت حال ہوئی، اس کا مقابلہ کر لیں گے۔''

بارنی رکا اور بولا، کہ وہ ہمیں یہیں سے الوداع کہے گا۔ ہم نے باہم ہاتھ ملائے اس نے ہماری خوش قسمتی اور خوش بختی کے لیے اچھی تمنا کا اظہار کیا۔ ہم چل دیے تو وہ پکارا ''تم سے مزار تاغ میں ملاقات ہو گی۔'' اب میں اپنے مسئلوں میں الجھ گیا۔ بارنی کی اپنی پریشانیاں اور ذمہ داریاں تھیں، اسے اپنی گاڑی لانا اور کارروان میں شامل کرنا تھا۔ وہ شاہراہ ریشم سے مشرق کی جانب بڑھنے لگا۔ صحرا کے اندر پہنچ کر بھی اس نے ہمارے ساتھ مواصلاتی رابطہ قائم رکھا۔ وہ ہمیں کسی مشکل سے کیسے نکال سکے گا؟ دور دور تک پھیلے ہوئے ٹیلوں میں سے گاڑی چلا کر نکلنا، ممکن نہیں تھا۔ ہم دونوں نے دو تین ماہ تک اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا تفصیل سے جائزہ لیا تھا۔ اسی پر مہم کی قسمت کا دارومدار تھا۔

مجھے پہلی بار صحرا کی خاموشی کا احساس ہوا، ایک خلا کی سی کیفیت تھی۔ ریت پر چلنے سے میرے پاؤں سے جو بے نام سی آواز آتی یا اونٹوں کے گلے میں بندھی گھنٹیاں بجنے سے جو ٹن ٹن ہوتی وہ صحرا کے سناٹے میں خفیف سی حرکت پیدا کرتی۔ میں نے ریوپرٹ سے رابطہ کیا، وہ طاقت وَر اور اثر انگیز شخصیت کا مالک تھا۔ اس پر بھروسا کیا جا سکتا تھا۔ ریت کے ٹیلوں پر چڑھتے اترتے میرے گھٹنے کی تکلیف بڑھ گئی۔ میں کب تک اس کے سہارے چل سکوں گا؟ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا، فاصلے پر مارک اور بارنی کے ہیولے سے نظر آئے۔ بیرونی دنیا سے ہمارا یہ آخری رابطہ تھا! ہمارے سامنے ریت اور ریتلے ٹیلوں کا کہیں ختم نہ ہونے والا سلسلہ تھا۔ اس سے آگے کیا ہے؟ ریت کے سوا ہم کسی اور چیز کا تصور بھی ذہن میں نہیں لا سکتے تھے۔ ہمارے ساتھ تیس اونٹ اور پندرہ افراد تھے اور ان کے پاس صرف 25 روز کا راشن اور پانی تھا۔ مزار تاغ پہنچنے کے لیے صرف یہی زادِ سفر تھا۔ ہم دو گھنٹے تک چلتے رہے رچرڈ ہر ایک سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا، جیسے وہ صحرا میں نہیں کسی وادی میں مٹرگشت کرنے نکلا تھا۔ وہ کبھی کبھار کسی ریتلے ٹیلے پر بیٹھ جاتا اور پھر اٹھ کھڑا ہوتا۔ اس نے سر پر ہیٹ، گھٹنوں تک نیکر اور نیلے رنگ کی قمیص پہن رکھی تھی۔ ہم چالیس سے ساٹھ فٹ اونچے ٹیلوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ہماری ٹیم کے ارکان اب کچھ مطمئن دکھائی دینے لگے، انہیں یہ احساس ہو گیا کہ صحرا کو عبور کرنے کا مقصد پورا ہو کر

رہے گا۔ گرمی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ ایسے میں چند میل چل لینا ایک کارنمایاں دکھائی دینے لگا۔ لاؤزہاؤ کو راستے کے انتخاب کے بارے میں اختلاف تھا، قطب نما جو کچھ دکھا رہا تھا، وہ اسے بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں اس صورت حال سے گھبرا گیا اور وقتی طور پر اس وہم میں پڑ گیا کہ شاید میں نے بھاری بوجھ اٹھا لیا ہے۔ بعض ارکان کا کہنا تھا کہ ہم نے جان بوجھ کر اپنے لیے موت طلب کی ہے۔

ایک گھنٹے میں ہمارا کارروان اتنے فاصلے پر پھیل گیا کہ اس کا پھر سے یک جا ہونا ممکن دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میں نے ایک ٹیلے کی چوٹی پر چڑھ کر دیکھا، اونٹ ٹیلوں کے پیچھے چھپ گئے تھے اور کوشش کے باوجود نظر نہیں آ رہے تھے۔ جہاں ٹیلے چھوٹے اور پست تھے ان میں سے کارروان سیدھا نکل گیا۔ لیکن جہاں ڈھلان اور زیادہ ترچھی ہو گئی تھی، ان پر ساربان اونٹوں کو ڈھیلا چھوڑ دیتے چنانچہ اونٹ ٹیلوں کے پیچھے چلے جاتے اور دکھائی نہ دیتے۔

سہ پہر کو ایک اور اونٹ جس پر پانی لدا ہوا تھا، بے قابو ہو کر بھاگ نکلا، ساربانوں کو خبر ہونے اور سنبھلنے تک 20 لٹر کے ڈبے ٹوٹ گئے اور ان میں سے پانی بہہ گیا۔

''پانی اسی رفتار سے ضائع ہوتا رہا تو اگلے تین ہفتوں میں ایک بھی ڈبہ صحیح سلامت نہیں بچے گا۔'' کیتھ سر ہلاتے ہوئے بڑبڑایا۔ رچرڈ نے میرے پاس آ کر کہا سیون ہیڈن کا آغاز سفر بھی کچھ ایسا ہی بے ترتیب تھا اور اونٹوں کے ساربان بھی زیادہ منجھے ہوئے نہیں تھے۔ پانی کا ذخیرہ بھی کم تھا اور رہنمائی کا انتظام بھی ناقص تھا، بہرحال مشکلات ویسی کی ویسی تھیں، میں نے رچرڈ سے ممنونیت کا اظہار کیا، اس نے کہا کہ ہماری ٹیکنالوجی سیون ہیڈن کے مقابلے میں بہتر ہے۔ اس لیے ہم مسائل کو نسبتاً بہتر طور پر حل کر سکیں گے۔ ہم اپنی امدادی ٹیم اور انگلستان سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں، جس سے ہماری کچھ مشکل آسان ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ صحرا کو عبور کر لیں گے۔ کیرولین نے کہا کہ اگر ہم زندہ بچ گئے اور صحرا کو پار کر سکے تو اس کا بیشتر انحصار ہمارے لوگوں، اونٹوں کی کارکردگی اور پانی کی دست یابی پر ہوگا۔

میں نے سوچا کہ ہمیں اپنی امدادی ٹیم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ پانی حاصل کرنا چاہیے اور اونٹوں کی اور اپنی تربیت کرنی چاہیے۔ انسان کی جبلت میں ہے کہ جو کچھ

میسر ہے اسے چنداں اہمیت نہیں دیتا اور جو حاصل نہیں، اس کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے، مجھے افسوس تھا کہ میں نے پانی کا مناسب بندوبست نہیں کیا تھا۔ یوں تو میں نے ہیڈن کے تجربات کو ملحوظ رکھا اور ان سے فائدہ اٹھایا لیکن پانی کا انتظام کرنے کا معاملہ میرے ذہن ہی سے نکل گیا۔ ہیڈن نے لکھا تھا کہ اس نے پانی کے ٹینکوں کو نقصان سے بچانے کے لیے ان کے گرد لکڑی چڑھائی، لکڑی اور ٹینک کے درمیان گھاس بھردی، لکڑی اس لیے کہ ٹینک کو نقصان نہ پہنچے، دوسرے سورج کی شعاعیں براہ راست ٹینکوں پر پڑ کر انہیں گرم نہ کر دیں۔

یہ انتظام پائدار ثابت نہ ہوا، ساربانوں نے گھاس نکال کر بھوکے اونٹوں کو کھلا دی۔ ہم چلتے گئے، کچھ ہی دیر بعد گانے کی آواز نے خاموشی کو توڑ دیا۔ یہ ایک ساربان گا رہا تھا۔ میں نے رچرڈ سے کہا کہ ہم اگر گا بجا سکیں تو صورت حال اتنی سخت اور صبر آزما نہ رہے، ساربان کے گیت کے ہلکے سروں نے جیسے ہم پر سحر کر دیا ہو۔ اب یہ ہمارا معمول ہو گیا کہ ساربان کو گیت گانے کا کہتے اور اسے سن کر ساری کلفتیں بھول جاتے۔

ایک دن ہم نے ساڑھے پانچ گھنٹے میں چھ میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ صحرا کے معیار کے مطابق یہ ایک معیاری رفتار تھی۔ میں نے دو رویہ ٹیلوں کے درمیان کی ہموار جگہ پر اگلے اونٹوں کو کھڑا اور باقی کے اونٹوں کے آنے کا انتظار کرنا شروع کیا۔ آخری اونٹ کے آنے میں آدھا گھنٹا لگا۔ ہم نے اونٹوں پر سے بوجھ اتارنا شروع کر دیا۔ سامان بے ترتیبی سے بکھرا ہوا تھا۔ کہیں اونٹوں کے کجاوے تھے، کہیں سلیپنگ بیگ تھے۔ اونٹ بوجھ سے نجات پانے کے بعد ادھر ادھر پھرنے لگے تھے۔ صحرا میں اترنے کے ابتدائی اقدامات کچھ ایسے برے بھی نہیں تھے۔

سورج ریت کے ٹیلوں کے پیچھے غروب ہو گیا، ریت کا رنگ سفید دکھائی دینے لگا۔ شام کے سائے آہستہ آہستہ پھیلنے لگے۔ ریت پر ننگے پاؤں چلنا اچھا لگا، ٹھنڈی ریت پاؤں کی انگلیوں کو چھوتی تو نرمی اور خنکی کا احساس ہوتا۔ ساربان کنواں کھودنے لگے، انہوں نے چھ فٹ کھدائی کی ہو گی، تہہ میں پانی آ گیا۔ اونٹوں کی پیاس بجھانے کا انتظام ہو گیا۔ آگے کیا ہو گا، یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ خوشی کی بات یہ تھی کہ پانی مل گیا تھا اور کنوئیں کی کھدائی ممکن بھی تھی، اور بار آور بھی۔ سب سونے کی تیاری کرنے لگے۔ لاؤ زہاؤ پٹرول ککر پر گوشت پکا رہا تھا۔ ریو پرٹ نے ریڈیو کے ذریعے امدادی ٹیم سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر نہ کر

سکا۔ رچرڈ کوئی چالیس فٹ اونچے ٹیلے پر خاکہ کشی کا پیڈ لیے بیٹھا تھا۔ کیرولین ایک اونٹ کے نتھنے کو دیکھ رہی تھی جسے چوبی مہار نے پھاڑ دیا تھا۔ ان مہاروں کے ذریعے چار پانچ اونٹوں کو ایک دوسرے سے باندھا جاتا تھا۔ ان میں گانٹھ اس نرمی سے دی جاتی کہ اگر ایک اونٹ گر پڑتا تو مہار از خود کھل جاتی۔ دوسرے اونٹ کا نتھنا پھاڑنے کا سبب نہ بنتی، اس بار ایسا نہیں ہوا تھا۔ اسی وجہ سے اونٹ کا نتھنا زخمی ہو گیا۔ کیتھ فوٹو گرافی میں مصروف تھا اور میں کل کے سفر کے لیے رستہ متعین کرنے میں لگا ہوا تھا۔

شام کے کھانے کے بعد میں نے سب کو اکٹھا کیا اور طے کیا کہ کون کیا کرے گا۔ چاند نکل آیا تھا ہم سر جوڑے بیٹھے تھے، یوں لگتا تھا جیسے کوئی سازش کرنے میں مصروف ہوں، صحرا سے اس کے راز اگلوانے اور اس کے روایتی نام کو ہمیشہ کے لیے بدل دینے کی سازش۔ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ زمین پر ریت کے ٹیلوں کا سلسلہ دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ ان آسمانی اور زمینی وسعتوں میں ہمارا کارواں اور بھی چھوٹا لگنے لگا تھا لیکن ساتھ ہی اتھاہ خاموشی تھی، جس نے باطنی امن، سکون اور طمانیت بخش دی تھی۔ صحرا کی رات نے مجھے اپنے دامن میں لپیٹ لیا تھا، میں نے جو سکون محسوس کیا، وہ دنیا میں کہیں اور مجھے میسر نہیں آ سکتا تھا۔

میں نے رچرڈ سے پوچھا، تمہارا پاؤں کیسا ہے؟ اس نے جواب میں میرے گھٹنے کے بارے میں پوچھا، دونوں کو درد ہو رہا تھا۔ کل جب اگلے پڑاؤ کے لیے سفر پر نکلیں گے تو ہم پر کیا بیتے گی؟ صبح ہوئی، سورج کی تیز اور شدید گرمی نے رات کی آسودگی اور تحفظ کا خاتمہ کر دیا، وہ ہم پر اس تندی سے گرنے لگی تھی، جیسے ہتھوڑا میخ پر گرتا اور چوٹ لگاتا ہے۔ کیتھ نے اپنا پٹرول ٹکر چڑھانے سے پہلے ہمیں جگانا شروع کر دیا۔ چینیوں نے ناشتہ تیار کرنے کا ذمہ لیا تھا لیکن وہ ابھی تک سوئے ہوئے تھے۔ یہ ان کا معمول تھا، خود نہیں جاگتے تھے، انہیں جگانا پڑتا تھا۔ یہ ذمہ داری ہمیں نبھانا پڑ گئی تھی۔

میں نے دیکھا کہ ساربان، نماز ادا کرنے کے لیے ٹیلوں کے درمیان کھلی جگہ تلاش کر رہے ہیں، نماز پڑھ چکے تو انہوں نے اونٹوں کو گھیر کر لانے کی کاوش شروع کر دی، رات کو اونٹ ادھر ادھر پھیل گئے تھے۔ مشرق وسطیٰ میں بدو اپنے اونٹوں کی اگلی ٹانگوں کو باندھ دیتے تھے لیکن یہاں ایسا نہیں کرتے، جس کے سبب سے اونٹ میلوں دور تک چلے

جاتے ہیں، انہیں پکڑ کر لانا بڑا مشقت طلب کام ہے۔ اونٹ لائے گئے اور انہیں بٹھا کر سامان لادنا شروع کیا گیا۔ یہ بہت احتیاط سے کیا جاتا ہے۔ غیر متوازن بوجھ، اونٹوں کے لیے تکلیف کا موجب ہوتا ہے۔ اس کے گرنے کا بھی اندیشہ رہتا ہے۔ اس لیے ہر چیز ایک ترتیب کے ساتھ رکھی اور باندھی جاتی ہے۔ کچھ اونٹ تو بھاری بوجھ لادنے پر بھی کسی ناگواری کا اظہار نہیں کرتے۔ چپ چاپ بیٹھے رہتے ہیں۔ لیکن بعض اونٹ مشکل سے قابو میں آتے ہیں۔ سامان اتارنا اور لادنا خاصا دقت طلب کام ہے۔ اسے مل جل کر ہی کرنا پڑتا ہے۔ صبح سفر کی تیاری میں کم سے کم دو گھنٹے لگتے ہیں۔ تیس اونٹوں کو سنبھالنا، کوئی آسان کام نہیں۔ اس میں خاصی محنت لگتی ہے۔ پہلے انہیں پکڑ کر لانا، ہر اونٹ کو اس سامان کے قرب لا کھڑا کرنا جسے اس پر لادنا ہوتا ہے۔ پانچ چھ آدمی مل کر ہی یہ کام کر سکتے ہیں۔ اس صبح میں نے کیولائی کو دیکھا، وہ ایک طرف بیٹھا اپنے کیمرے اور سامان کو دیکھنے میں مصروف تھا، اس کے اردگرد کیا ہو رہا ہے، اسے کچھ احساس نہیں تھا۔ اس نے سفید جیکٹ اور پتلون پہنی ہوئی تھی، مجھے وہ اچھا نہیں لگا، جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، یہ میری اپنی مہم تھی، ٹیم کے تمام ارکان میں نے خود چنے تھے۔ فوٹو گرافر ہم پر مسلط کیا گیا تھا۔ ٹیم میں کوئی نہیں تھا، جو اسے اچھا سمجھتا ہو، رچرڈ سے اس کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ سب سے الگ تھلگ رہے۔ اسے ٹیم میں لانے اور متحرک کرنے کی تدبیر کرنا لازم تھا۔

سامان اونٹوں پر لادا جا چکا، ساڑھے دس کے قریب ہم نے سفر شروع کیا۔ درجہ حرارت 90 درجے فارن ہائیٹ تھا، ہوا نہیں تھی، پیاس شدت سے محسوس ہونے لگی تھی، میں نے دو میں سے ایک بوتل سے سیر ہو کر پانی پیا۔ اونٹ آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ ٹیلوں کے گرد خاصا فاصلہ تھا، اونٹوں کو ایک دوسرے سے باندھے رکھنے والی رسی ٹوٹ جاتی تو پھر سے باندھنے کے لیے پورے کارواں کو رک جانا پڑتا۔ ہم بڑی حد تک جان چکے تھے کہ کون سے اونٹ پر کون سا سامان لادنا موزوں ہے، پھر بھی غلطی کا امکان رہتا، دو اونٹ رسہ تڑا کر بھاگ نکلے۔ ان پر پانی نہیں تھا، غلہ تھا۔ دو بوریوں سے غلہ باہر گرنے لگا۔ ان بوریوں کو پھر سے سینے میں وقت بھی لگا اور محنت بھی۔ ہم تیسری مرتبہ ستانے کے لیے بیٹھے۔ گرمی اپنی انتہا کو چھو رہی تھی۔ مجھے لگتا تھا کہ میرے جسم میں جان نہیں رہی۔ ایسے میں روسا اٹھا وہ ایک اونٹ کی پیٹھ پر بندھے ہوئے سامان میں سے ایک بڑا سا تربوز نکال لایا۔

اس نے اس کے ٹکڑے کیے اور ہم میں بانٹ دیے۔ اس کے سرخ گودے کا ایک ایک ریشہ اور اس کا ایک ایک قطرہ ہمارے لیے قیمتی تھا۔ قطرہ گرتا تو ساتھ ہی ریت میں جذب ہو جاتا۔ چلچلاتی دھوپ میں اور آگ کی طرح گرم ریت پر، ہم نے تربوز کی ایک ایک قاش بڑی رغبت سے کھائی۔ ہماری کوشش ہوتی کہ اس کا رَس جتنی دیر منہ میں رکھ سکتے ہیں، رکھ لیں۔ اس کے بعد ہی پیٹ میں اتاریں۔

اس وقت تک ریوپرٹ اور کیتھ، جو ہمارے آگے آگے چل رہے تھے، نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے تربوز کی دو قاشیں لیں اور ان کے پیچھے ہو لیا۔ میرا گھٹنا درد کر رہا تھا اور سر گرمی کی وجہ سے گھوم رہا تھا۔ ایک تو سورج کی سیدھی گرمی تھی، دوسری ریت پر سے منعکس ہو کر آتی تھی۔ میرا تو دل ڈوبنے لگا۔ کیا ہم صحرا کو عبور کرنے کے لیے 780 میل کا سفر کر سکیں گے؟ میں آگے بڑھتا گیا۔ ریت کے ٹیلے تا حد نظر پھیلے ہوئے تھے، ان پر کہیں کہیں کوئی چھوٹی سی جھاڑی اگ آئی تھی۔ یہ ہمارے سفر کا دوسرا دن تھا۔ ان دو دنوں میں مجھے صحرا کی طاقت کا اندازہ ہو گیا تھا، ہر لمحے اس کی طاقت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ میں نے تربوز کی ان دو قاشوں کی طرف دیکھا اور انہیں اور ان سے بننے والے رس کو کھا جانا چاہا۔ یہ ایک کڑی آزمائش تھی۔ کیا کیتھ اور ریوپرٹ کو کبھی اس آزمائش کا احساس ہوا تھا؟ میں نے دونوں قاشیں ریت میں پھینک دیں۔ انہیں کھا جانے کی شدید خواہش کے باوجود اپنی استقامت میں خم نہیں آنے دیا۔ دس منٹ بعد کیتھ مجھے مل گیا، اس کا بھی گرمی سے برا حال تھا۔ لیکن وہ خنداں اور خوش باش تھا۔ اس نے بتایا کہ ریوپرٹ آگے نکل گیا۔ ہم نے ایک دو باتیں کیں اور خاموش ہو گئے۔ ہم غیر ضروری باتوں کو طول دے کر اپنی توانائی نہیں کھونا چاہتے تھے۔ میں چلتا گیا۔ صاف آسمان پر چمکتا ہوا سورج، اپنی بے پناہ گرمی سے ہمارا گلا گھونٹ رہا تھا۔ دس منٹ اور گزرے ہوں گے کہ ریوپرٹ مل گیا۔ وہ ایک جھاڑی کے چھدرے سائے تلے، نیم دراز تھا۔ سورج عین ہمارے سروں پر تھا۔ میں نے ریوپرٹ کو تربوز دیا، جو اس نے لیتے ہوئے میرا شکریہ ادا کیا۔ میں نے اسے نہیں بتایا کہ میں نے گزشتہ بیس منٹ کے دوران میں کتنے ضبط سے کام لیا اور شدید خواہش اور طلب کے باوجود خود نہیں کھایا۔ ہم خاموشی سے بیٹھ گئے اور قافلہ کے ریت کے ٹیلوں کے پیچھے سے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔

اس دن مجھے اپنی طاقت ختم ہوتی محسوس ہوئی۔ مجھے پتہ تھا کہ میرے جسم سے پانی ختم ہو گیا ہے۔ لیکن میرا کیا، دوسروں کا بھی یہی حال تھا۔ کسی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ میں نے پانی کی بوتل کا ڈھکنا کھولا، اس میں بہت کم پانی بچا رہ گیا تھا۔ بس دو تین گھونٹ کا ہو گا۔ مزید تین گھنٹے تک چلتے رہنے کے لیے یہ کافی نہیں تھا۔ اس دن ہمیں بارہ میل کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ کچھ بھی ہو، ہمیں یہ فاصلہ طے کر لینا چاہیے۔

ریوپرٹ پر کچھ اثر نہیں دکھائی دیتا تھا۔ وہ قافلہ سے آگے چل رہا تھا۔ ہم اس کے پیچھے پیچھے اونٹوں کو لیے جا رہے تھے۔ ریوپرٹ سیدھا چلتا ہوا ریت کے ٹیلے پر جا چڑھا۔ ہم نے ایسا نہیں کیا، ٹیلے کے ساتھ چلتے گئے۔ میں نے اپنی ڈائری میں 25 ستمبر کی رُوداد اس طرح لکھی۔

''عیسیٰ پولتا نے مجھ سے کہا کہ شام کو 5:30 پر رک جائیں کیوں کہ اگلے دو دن کے لیے اونٹوں کو پانی نہیں ملے گا۔ ہم نے 7-8 میل کا فاصلہ طے کیا تھا۔ میں تو رکنے کے لیے تیار ہو گیا، کیوں کہ میرے جسم میں پانی بالکل نہیں رہا تھا۔ مجھ میں کوئی سکت باقی نہیں تھی۔ ایک جگہ تو، جھاڑی کے قریب ریت پر گر پڑا اور کچھ ستایا۔ میں نے سوچا کیا میں اکیلا اس آزمائش کا سامنا کر سکوں گا؟ ریوپرٹ اور کیرولین کی حالت تو اچھی ہے، رچرڈ تھک گیا ہے اور کیتھ چت پڑ گیا تھا۔ چینیوں کی حالت ہم سے اچھی نہیں تھی۔ اونٹوں سے بوجھ اتارنا آسان نہیں تھا، ہم نے انہیں کچھ دیر کے لیے کھلا چھوڑ دیا اور پانی کے لیے باری باری کنواں کھودنے لگے۔ دوسروں کے حال کا پتہ نہیں، میں مردانگی کے زعم میں پھاوڑا چلاتا اور زمین کھودتا رہا۔ ابتدا میں ریت آسانی سے اٹھتی اور بکھرتی رہی، جتنا گڑھا کھودتے، اتنا ریت سے بھر جاتا۔ ہم ناممکن کو ممکن کر دکھانے کی سعی میں لگے ہوئے تھے جو کبھی بار آور نہیں ہو سکتی۔ بہرحال کھدائی کرتے رہے، دو شفٹوں میں دو جگہ۔ پسینے سے نہا گئے۔ کوشش کرتے رہے، اس اُمید پر کہ قدرت رحم کرے گی۔

''اس رات ہم خوش قسمت تھے کہ تین فٹ پر گیلی ریت نکل آئی۔ اسے مٹھی میں بھینچا تو بلبلوں کی صورت میں پانی نکل آیا۔ ابھی آدھی کھدائی ہوئی تھی، آدھی اور کرنا تھی۔ خدا کرے کہ جتنی کھدائی کر چکے ہیں، اس میں ریت نہ بھرے۔ جب میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں، ریوپرٹ میری بائیں جانب اپنے پاؤں کے آبلے سہلانے میں لگا ہوا ہے۔ کیتھ گہری

نیند سویا ہوا ہے، کیرولین نے میرے آبلوں پر پٹی باندھی ہے، جس سے مجھے آرام اور سکون ملا ہے۔ مجھے اور کیرولین کو میلوں دور سے گانے کی آواز آئی ہے۔ جیسا کہ روایت ہے صحرا کے دیو ہمیں بلا رہے ہیں۔ ہم نے امدادی ٹیم سے ریڈیو پر رابطہ کرنا چاہا لیکن نہیں کر سکے۔''

آئندہ چھ دنوں تک ہم ریت کے 1000 فٹ اونچے ٹیلوں کے درمیان سے گزرتے رہے۔ لاؤ زاؤ کا کہنا تھا کہ ہم نے سات ٹیلے عبور کیے ہوں گے لیکن اصل میں 24 ٹیلے عبور کیے تھے۔ آگے ایک سا ہی منظر تھا۔ 200 فٹ اونچے ٹیلوں کا ایک سلسلہ جو دو میل چوڑا تھا، دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ہم اس سلسلے سے نکلے، ایک ہزار فٹ بلند ریت کے ٹیلے ہمارا راستہ روکے کھڑے دکھائی دیتے۔ ہم نے انہیں گننا ترک کر دیا۔ ہمیں اپنے نقشوں یا ساربانوں سے کوئی پتہ نہیں چلا تھا کہ کن مقامات پر پانی مل سکتا ہے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ گرتے پڑتے چلتے رہیں۔ شاید کسی جگہ کھدائی کریں تو پانی مل جائے۔ ٹیم کے برطانوی رکن بڑے حوصلہ مند تھے۔ وہ سب سے آگے چلتے، اونٹوں کو تنکارتے اور ٹیلوں کے درمیان سے نکال لے جاتے۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی آرام نہیں کرتے تھے۔ میں ان پر فخر کرتا تھا۔ ان کے برعکس چینی دل چھوڑ بیٹھے تھے۔ ریت کے ٹیلوں اور گرمی نے ان کے حوصلے پست کر دیے تھے۔ لاؤزہاؤ کو چھوڑ کر وہ سب قافلے کے پیچھے چلتے۔ جو ریت اونٹوں کے پیروں تلے آ کر باہم جڑ گئی تھی، اسے اپنی گزرگاہ بناتے۔ ریو پرٹ ازراہِ مذاق کہتا کہ جو قافلے کے آخر میں چلتے ہیں، وہ اونٹوں کے گوبر کی زد میں رہتے ہیں۔ یہ سچ تھا، آگے کی ریت نرم تھی۔ اس لیے کہ اس پر انسانی یا حیوانی قدم نہیں پڑے تھے۔ اس پر چلنے میں بہت زور لگتا تھا اور توانائی خرچ ہو جاتی تھی۔ ریت کے ٹیلے افق تک پھیلتے چلے گئے تھے۔ ان سے بچ کر نکلنا ممکن نہیں تھا۔

ہمیں 26 ستمبر کو صحرا میں آئے تیسرا دن تھا۔ ریو پرٹ، رچرڈ اور میں، تینوں شدید اسہال کا شکار ہو گئے۔ تینوں کو اجابت کے لیے بار بار جانا پڑتا تھا۔ اس صبح کو اونٹوں پر سامان لادنا تھا، پاخانے کے ساتھ بدبو کا بھپکا اٹھتا۔ جس سے ہم بے حال ہو جاتے ریو پرٹ اور میں، تھوڑے ہی فاصلے پر رفع حاجت کے لیے بیٹھے تھے۔ ریو پرٹ نے کہا کہ پیٹ صاف ہو جائے تو اچھا ہے۔ میں نے کہا کہ ابھی تو ابتدا ہے، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ اگلے چھ دن میں ہماری حالت پتلی ہو گئی۔ ہر گھنٹے اجابت کے لیے جانا پڑتا۔ بیماری

شدت اختیار کرتی گئی۔ جسم میں پانی کم ہو گیا۔ کئی صبحوں کو اونٹوں پر سامان لادنا مشکل ہو گیا۔ طاقت جواب دے گئی تھی۔ سارا جسم درد کر رہا تھا۔ جلد پھٹ گئی تھی اور اس سے خون رسنے لگا تھا۔

ریوپرٹ یک بارگی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا۔ میں جانتا تھا کہ اسے رفع حاجت کے لیے جانا پڑتا ہے۔ لیکن اس نے شکایت نہیں کی۔ وہ بیماری کے باوجود اپنا کام بڑی تن دہی سے کرتا، اس نے یومیہ دو بوتل سے زیادہ پانی پینے سے انکار کر دیا حالانکہ ہمارے پاس ہنگامی حالت کے لیے پانی کی تیسری بوتل بھی تھی۔ اس کی ضد اور انکار اور کسی قسم کی جسمانی کمزوری نہ دکھانے کی بنا پر میں اس سے ناراض ہو گیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ ہلنے جلنے سے ہی رہ جائے۔ کیرولین اکثر کہتی کہ بیماری یا لو لگنے سے بچنا چاہیے اور اس ضمن میں پرہیز علاج سے بہتر کے مقولے پر عمل کرنا چاہیے۔ ریوپرٹ کا اصرار تھا کہ اسے اپنی مشکل خود آسان کرنے دی جائے۔ اسے مدد کی کوئی ضرورت نہیں، رچرڈ ہم سب سے پہلے کمزوری کا شکار ہوا۔ لیکن اس نے بے پناہ ہمت کا مظاہرہ کیا اور ہنسی مذاق جاری رکھا۔ پانچویں روز وہ شدید علیل ہو گیا۔ کیرولین نے پیچش تشخیص کی۔ اس نے نہ نکر کرنا چھوڑ دی۔

ہم اونٹوں کو ایک مشکل راستے پر لے جا رہے تھے۔ ریت اتنی نرم تھی کہ پاؤں دھنسے جا رہے تھے۔ اونٹوں کو تکلیف سے بچانے کے لیے، دو افراد کو رہنمائی پر مامور کیا گیا۔ رچرڈ کبھی ریوپرٹ کی جگہ لیتا اور کبھی میری۔ اسے ٹیلوں کے دائیں بائیں اور کبھی اوپر نیچے جانا اور بلند آواز سے بتانا پڑتا کہ کون سا راستہ اختیار کرنا موزوں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے اگلے اونٹوں کو صحیح راستے پر لے جانے کا بھی کام کرنا پڑتا۔ 110 درجہ فارن ہائیٹ میں، خوراک کی کمی اور پانی کے استعمال میں جزورسی نے ہماری مشکلات میں اضافہ کر دیا۔

اس روز ہماری طاقت اور جوش جواب دے گیا۔ ہم آرام کرنے کے لیے گر پڑے۔ سورج سے بچنے کی کوئی تدبیر اور صورت نہیں تھی۔ دھوپ کی شدت کے باعث ہماری جلد خشک ہو گئی تھی۔ ہم ریت میں دھنسے ہوئے تھے۔ ریت ہمارے بالوں میں، ہمارے پورے جسم پر، ہمارے کانوں میں، آنکھوں اور منہ میں پڑی ہوئی تھی۔ ریت دانتوں میں آ کر پس رہی تھی۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود ہم زندہ تھے۔ قدرت نے ہماری زندگی کی ڈور کو طویل کر دیا تھا۔

ریو پرٹ اور میں نے قافلے کی رہنمائی سنبھال لی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم زیادہ دیر زندہ نہیں رہیں گے۔ سفر جاری رکھا، ہم مشرق کی طرف بڑھنے لگے، اس خیال سے کہ ہمارا ہر قدم ہماری منزل کو قریب تر لا رہا ہے۔ ایک گھنٹا گزر گیا، اونٹوں میں سے صرف آدھے دکھائی دے رہے تھے۔ ہم ٹھہر گئے۔ ایک اونٹ جس پر پانی کے دو کنٹینر لدے تھے، وہ اس تیزی سے پھسلا کہ پیچھے آنے والے اونٹ سے ٹکرا گیا۔ اس سے ایک کنٹینر میں سوراخ ہو گیا اور اس میں سے پانی تیزی سے بہنے لگا۔ ہم اگرچہ بے بس تھے، تاہم سوراخ بند کرنے کی جدوجہد کرنے لگے۔ ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ پانی کو ضائع ہونے سے بچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے۔ میں نے کیتھ کی مدد سے سوراخ بند کرنے کی کوشش کی۔ اس کے لیے ہمیں اونٹوں کو ہانکنے والی چھڑی پر کپڑا باندھ کر سوراخ میں ٹھونسنے کے سوا کوئی اور چارہ کار سجھائی نہ دیا۔ یہ طریقہ کام کر گیا۔ ہم تھک گئے تھے۔ شام ہونے تک ریت پر پڑے رہنے کی بجائے ہم نے سفر جاری رکھا۔ ہم ریت کے ٹیلوں سے ہار ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہم زیادہ دیر آرام کر سکتے تھے لیکن جتنا پانی لے کر چلے تھے، تیزی سے کم ہوتا جا رہا تھا۔ دن ختم ہو جاتا تو اس تباہ کن گرمی میں ہم بہ مشکل تین روز زندہ رہ سکتے، رات کو سفر کر کے اس خطرے سے بچا جا سکتا تھا لیکن میں نے سوچ بچار کے بعد اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ رات کے اندھیرے میں تیس اونٹوں اور پندرہ افراد کو اکٹھا رکھنا مشکل تھا۔ کسی ایک کے بچھڑ جانے کا خطرہ بھی تھا، دن میں ریت کے ٹیلوں کے درمیان سے گزرنا نسبتاً آسان تھا۔ رات کو یہ ممکن نہیں تھا۔

جن اونٹوں کو چینی لا رہے تھے وہ تو پہنچ گئے لیکن کیرولین اور رچرڈ کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ مجھے ان کی عدم موجودگی کا پہلے علم نہیں ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ آگے آگے چلتے رہے تھے۔ اب وہ کہاں رہ گئے؟ یہ خلاف معمول تھا۔ اس روز چینیوں نے اونٹوں کو ریت کے ٹیلوں میں سے گزارنے میں مدد نہیں کی تھی۔ اس پر میں ان سے ناراض تھا۔ ان کے برعکس ہماری ٹیم نے مسلسل جواں ہمتی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے ٹیلوں کے درمیان سے قافلے کو گزارنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی اور یہ اس کے باوجود تھا کہ ہمارے تین ساتھی شدید پیچش میں مبتلا رہے تھے۔ ہم نے چینیوں کو اپنی اس مصیبت سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ انہوں نے کبھی مل جل کر کام نہیں کیا تھا۔ وہ ہماری بیماری کا جان کر کیا کرتے، انہوں

نے مل جل کر کام کرنے اور دوسروں کے کام آنے کا کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ مجھے ان پر ترس بھی آتا تھا کیوں کہ وہ رضا کارانہ طور پر مہم میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ انہیں شامل ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ بعض اوقات ان کی آنکھوں سے افسوس جھلکتا دکھائی دیتا تھا، جانے وہ دل میں کیا سوچتے ہوں، دونسلیں ایک طرح نہیں ہوتیں۔ برطانوی، بہادر، خطروں میں کود جانے اور ہار نہ ماننے والے ہوتے ہیں۔ جب کہ چینی شک کرنے اور اعتماد نہ کرنے والے اور بچوں کی طرح عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا رہنے والے ہوتے ہیں۔ ان کی طاقت میں بھی فرق ہے، ان کا پس منظر اور تاریخ بھی مختلف ہے۔

45 منٹ بعد کیرولین اور رچرڈ دکھائی دیے۔ ٹیلوں کے مقابلے میں وہ بونے نظر آتے تھے۔ گرمی کی شدت نے ان کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ پہلے لگا کہ وہ ہم سے بے خبر خوش گپیاں کرتے آ رہے ہیں، نزدیک آئے تو رچرڈ بیٹھتے ہی گر پڑا۔ میں نے محسوس کیا کہ کچھ گڑ بڑ ہے۔ ''چارلس،'' کیرولین پکاری، ''آئیں دیکھیں رچرڈ کو کیا ہو گیا ہے۔'' اس کے منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ وہ بولا، ''معاف کیجیے، میں آپ کو انتظار نہیں کرانا چاہتا تھا۔ میری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر (کیرولین) نے آ کر مجھے بچایا۔'' کیرولین نے بتایا کہ رچرڈ قافلے میں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ میں اس کی کمزوری بھانپتے ہوئے اس کے پاس گئی، وہ زمین پر پڑا ہوا تھا اور اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ بعد میں رچرڈ نے اپنی روایتی خوش طبعی سے اپنے اوپر گزرنے والی واردات کہہ سنائی۔ اُسے پیچش کا شدید دورہ پڑا تھا اور خاصی مقدار میں خون اس کے جسم سے خارج ہو گیا تھا۔ وہ اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ اس کے لیے ہلنا جلنا ممکن نہ رہا۔

اس حالت میں اُس نے گزرے دِنوں کو یاد کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسے ممباسا یاد آیا، جہاں وہ ہنی مون منانے گیا تھا۔ وہ گہرے نیلے سمندر کے ساحل پر لیٹا ہوا تھا۔ سامنے ساحل پر پُرتگیزی قلعہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی بیوی انتھیا ریت پر چلتی ہوئی اس کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ اس کی اس ذہنی کیفیت کے دوران میں رچرڈ نے اپنی بیوی سے باتیں کیں۔ اس اثنا میں کیرولین اس کے پاس جا پہنچی۔ اس نے ایک ہاتھ میں اس کے جوتے اور دوسرے ہاتھ میں پانی کی بوتل اُٹھا لی اور اُسے اُٹھنے اور چلنے کے لیے کہا۔ رچرڈ اُٹھا اور ننگے پاؤں ریت پر چھوٹے چھوٹے قدم لے کر چلنے لگا۔ اس نے نیکر پہنی ہوئی تھی۔ اس کی

ہیئت کذائی مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔ دس منٹ بعد میں نے اُسے لڑکھڑاتے دیکھا۔ پھر وہ تیزی سے ایک ٹیلے کی طرف بڑھا، وہ اوٹ میں بیٹھ کر رفع حاجت کرنا چاہتا تھا۔ اس کی حالت بہت پتلی ہوگئی تھی۔ اس کے سنبھلنے کا کوئی امکان نہیں تھا اور یہ تو ابھی آغاز تھا۔

باب 5

ضعف، بیماری اور ریت کے پہاڑ

مزار تاغ کی طرف ہماری پیش قدمی میں، ریت کے پہاڑ سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ ہر دن کے آخر میں ہم جتنا کچھ سفر کر لیتے، اس پر ہمارے دلوں میں احساس تفاخر پیدا ہوتا، ہمیں یاد آتا کہ سیون ہیڈن کو اسی طرح کی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اور انہی کے سبب سے اس کا پورا قافلہ تباہ ہو گیا تھا، ایورل سٹین نے تو اونچے ٹیلوں تک پہنچنے کے بعد واپسی کا سفر شروع کر دیا تھا، کیوں کہ اس نے باور کر لیا تھا کہ انہیں عبور کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ بہرحال صحرا میں اپنی جادوئی کش مکش تھی، وہی انہیں وہاں لے آئی تھی۔ کبھی کبھار بلند ترین ٹیلوں پر سے ٹھنڈی ہوا چلتی اور ہماری پسینے میں بھیگی قمیصوں کو سکھا جاتی۔ کہیں گہرے کھڈ آتے جو ہمیں لرزا جاتے۔ روشنی اور سایوں کا کھیل الگ تھا۔ اونچی چوٹیوں کے سلسلے قطار اندر قطار تھے۔ بلند و بالا پہاڑ ہی تھے، جن کے درمیان تنگ وادیاں تھیں۔ یہ سب شمال سے جنوب کی جانب چلتے تھے، مغرب سے مشرق کی طرف نہیں۔ خوبصورت تو تھے مگر خوف طاری کر دیتے تھے۔

ان ناموافق اور صبر آزما حالات میں جھگڑے ناگزیر تھے۔ یہ جھگڑے میرے اور چینی ساتھیوں کے درمیان ہوتے تھے۔ مگر اتنے شدید نہیں کہ طول پکڑ جائیں۔ بہت جلد نمٹ جاتے، ان کا ایک مثبت اثر یہ ہوا کہ میری قائدانہ حیثیت مستحکم ہو گئی۔ پہلا جھگڑا دن کے ختم ہونے پر اس وقت ہوا جب ہم صرف سات میل کا فاصلہ طے کر پائے تھے۔ راستہ دشوار گزار تھا، ہر کوئی سخت تھک گیا تھا۔ عیسیٰ پولتا نے رچرڈ

سے بدکلامی کی تھی۔ سبب یہ تھا کہ رچرڈ نے کہہ دیا تھا کہ یہاں پانی نہیں ہے، کل بھی نہیں ملے گا۔ تیسرے دن بھی پانی دست یاب نہ ہوا تو اونٹ مرنے لگیں گے۔ چوتھے روز وہ سب مر جائیں گے۔ یہاں کیا پیش آئے گا یا یہاں کیا ملے گا، کسی کے علم میں نہیں تھا۔ یہاں کوئی آیا ہی نہیں تھا جو ہمیں بتا سکتا کہ یہاں پانی مل سکتا ہے یا نہیں۔ یہ جگہ پڑاؤ کرنے کے لیے موزوں نہیں۔ سورج غروب ہونے میں ایک گھنٹا رہ گیا تھا۔ اس لیے چلتے رہنا چاہیے اور نیچے وادی میں پہنچ جانا چاہیے، ممکن ہے وہاں پانی ہو۔ تھوڑی سی حَیص بَیص کے بعد یہی طے پایا کہ جب تک روشنی ہے، ہمیں چلتے رہنا چاہیے۔

ہم چل دیے۔ رچرڈ نے آگے کے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور اپنی کمزور حالت کے باوجود تیز قدموں سے اونچے ٹیلوں کی طرف بڑھنے لگا۔ چینی پیچھے پیچھے آپس میں چہ مگوئیاں کرتے آ رہے تھے۔ روسا اور کریم میرے پاس آئے، ہم اس وقت ٹیلے پر چڑھ رہے تھے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ٹیم کے برطانوی رکن بہت مضبوط ہیں انہوں نے میری پیٹھ تھپکی اور پرے ہٹ گئے۔

ہم نے ایک شام ایک جگہ پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا جس کے بارے میں خیال تھا کہ یہاں کھدائی کریں تو پانی مل جائے گا۔ کھدائی شروع ہوئی لیکن ہر ایک بلا کا تھکا ہوا تھا۔ کسی میں طاقت ہی نہیں تھی، اس لیے کدالیں ایک طرف ڈال دی گئیں۔ لاؤ زہاؤ اور گیو شام کا کھانا تیار کر رہے تھے اور ریو پرٹ ریڈیو پر کسی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ میں اٹھا، دو کدالیں پکڑیں اور دو ٹیلوں کے درمیان ایک ایسی جگہ جہاں ریت پر نمک کی تہہ جم گئی تھی، میں نے کنواں کھودنا شروع کر دیا۔ کیولائی نے پوچھا کھدائی ہو رہی ہے، میں نے کہا ہاں، اور اسے ایک کدال پکڑا دی کہ آؤ تم بھی اس کام میں حصہ بٹاؤ، اس نے سنی ان سنی کر دی۔ میں نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے، کھدائی جاری رکھی، اسی اثنا میں کیرولین، کیتھ اور امیر آ گئے اور کھدائی میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا تو امیر کے ہاتھ میں وہی کدال تھی جو میں نے کیولائی کو دی تھی۔ میں نے پیچھے مڑ کر کیمپ کی طرف دیکھا، جو ایک ہموار ٹیلے پر قائم کیا گیا تھا۔ کیولائی کھانا تیار کرنے کی جگہ پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ میری اس سے آنکھیں چار ہوئیں۔ میں نے اسے گہری نفرت آمیز نظروں سے دیکھا، میں چاہتا تھا

کہ وہ دوسروں کو بھی بتائے کہ میں ناراض ہوں۔ لیکن اس نے منہ موڑ لیا اور کچھ ایسا تاثر دیا کہ وہ اپنے ضمیر میں کوئی چبھن محسوس نہیں کر رہا، میں غصے پر قابو نہ رکھ سکا۔ میں نے کدال ایک طرف پھینک دی اور لمبے لمبے قدم بھرتا کیمپ کی طرف چل دیا۔ میں نے کیولائی کو بلند آواز سے کھدائی کرنے کے لیے کہا تھا، تمہیں یاد ہے پانی نہیں ملا۔ اس نے کہا کہ میں بیمار ہوں، میری ٹانگوں میں سخت درد ہے۔

میں نے کہا کہ میری دونوں ٹانگیں زخمی ہیں۔ میرا پیٹ بھی خراب ہے، تم جاؤ اور کھدائی کرو۔

''تم مجھے حکم نہیں دے سکتے۔'' کیولائی نے پینترا بدلا

''میں حکم دے سکتا ہوں'' میں مہم کا قائد ہوں، تم نہ فکر نہ کرو، کھدائی شروع کرو۔''

میں نے اس کا بازو پکڑا اور اسے اس طرف دھکیلا جہاں کھدائی ہو رہی تھی، اس نے ایک گھنٹا کھدائی کی، وہ انکار کر دیتا تو میں اس کا کیا کر لیتا۔

ایک بار رچرڈ نے غصے میں آ کر مجھے اور ریو پرٹ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کا اصرار تھا کہ جب ہم رہنمائی کرنے کے اہل ہی نہیں تو پھر اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہیں، ریو پرٹ، وسیع ٹیلے کے بائیں جانب کوئی ایسا راستہ تلاش کرنے گیا، جس میں کم سے کم رکاوٹ پیش آنے کا امکان تھا۔ میں سیدھا چلتا گیا۔ ہمارے دائیں جانب ایسے عمودی ٹیلے تھے جو بالکل سیدھے اوپر چلے گئے تھے۔ ان کے اوپر کی سطح جنوب کی جانب سیدھی، ڈھلوان تھی۔ ریو پرٹ من مانی کرنے میں فرد تھا۔ وہ جس طرف چاہتا، چل دیتا۔ اس کا پیچھا کرنا ممکن نہیں تھا۔

میری بات سنے بغیر وہ اپنے چھ اونٹوں سمیت ایک گہرے کھڈ میں اتر گیا۔ دور کی جانب وہ نمایاں ہوا، وہ ایک ایسے راستے پر بڑھنے لگا جس پر چلتے رہنا ممکن نہیں تھا۔ کیرولین اس کے ساتھ چل رہی تھی، اس لیے نہیں کہ اس نے جو راستہ اختیار کیا تھا، آسان اور مناسب تھا بلکہ اسے ریو پرٹ کی صحت کے بارے میں تشویش تھی۔

میرے لیے یہ بات باعث تسکین تھی کہ باقی ماندہ اونٹ اور ان کے ساربان میرے راستے پر آ رہے تھے۔ میں نے دور رچرڈ کو آگے بڑھتے اور اونٹوں کو دشوار راستے پر لے کر چلتے دیکھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ تنے ہوئے رسّے پر چل رہا ہو۔

میں نے زور سے آواز لگائی، رچرڈ، گدھے مت بنو، واپس آ جاؤ، جس راستے پر ہم چل رہے ہیں، یہی صحیح راستہ ہے۔ اس نے مجھے نظر انداز کر دیا اور چا، چا کہہ کر اونٹوں کو چلتے رہنے پر ابھارتا رہا۔ کیرولین نے ایک لمبی چھڑی پکڑی ہوئی تھی، وہ اس سے اونٹوں کو ہانک رہی تھی۔ وہ اوپر ہی اوپر چلتے گئے، حتیٰ کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ یہ عزم و ہمت کا شان دار مظاہرہ تھا، اس نے اونٹوں کو سیدھی ڈھلوان پر اوپر لے جا کر بظاہر ایک ناممکن کو ممکن کر دکھایا تھا۔

میں جہاں کھڑا تھا، اس سے چند سو گز آگے ایک سیدھی چٹان تھی۔ اس کی ترائی میں چاند کی شکل کا ایک گڑھا تھا۔ رچرڈ اور اس کے چھ اونٹوں کے لیے یہاں آ کر تھم جانا، فطری تھا۔ ایک اونٹ نے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر وہ لڑکھڑا کر ریت میں گر گیا اور اٹھنے کی کوشش میں دھاڑنے لگا۔ دوسرے اونٹ پیچھے کی طرف ہٹے اور ان کی ٹانگیں گھٹنوں تک ریت میں دھنس گئیں۔ میں بڑی تشویش کے ساتھ یہ منظر دیکھتا رہا۔ مجھے ڈر تھا کہ باقی کے اونٹ، سامان کے ساتھ ڈھلوان سے نیچے کھسکتے چلے جائیں گے۔ رچرڈ اور کیرولین کے لیے گرے ہوئے اونٹ کو اٹھانا اور دوسرے اونٹوں کو سنبھالنا بہت مشکل کام تھا۔ میں پورے زور سے پکارا رچرڈ حماقت کرنا چھوڑ دو، واپس آ جاؤ، جس راستے پر تم جا رہے ہو، وہ تمہیں کہیں بھی نہیں لے جائے گا۔

اس نے جواب میں کچھ کہا لیکن میں سمجھ نہیں پایا، اس نے مایوسی کے عالم میں اپنی چھڑی ریت میں پھینک دی، اپنا ہیٹ اتارا اور بیٹھ گیا۔ کیرولین اس کے پاس گئی، اپنا بازو اس کے گلے میں ڈال دیا اور اس کا بوسہ لے لیا۔ میں اس کی مدد کے لیے جانا چاہتا تھا لیکن پھر یہ سوچ کر ارادہ بدل دیا کہ اسے اپنا فیصلہ خود کرنا چاہیے۔ بالآخر دونوں نے اونٹوں کو ایک جگہ جمع کیا اور انہیں واپس اس راستے کی طرف موڑ دیا، جو میں نے اختیار کیا تھا اور جس پر چلنے کے لیے اس سے کہہ رہا تھا۔ اس واقعہ پر ہم رات کو بڑی دیر دل کھول کر ہنستے رہے۔ ریوپرٹ نے کہا اسے ایک بار یقین ہو گیا کہ اونٹ رچرڈ کے پیچھے چلتے ہوئے تکلا مکان صحرا کی سب سے اونچی چوٹی پر چڑھنے کے لیے گیس ماسک پہننے لگے تھے۔ اس طرح کی باتیں رچرڈ سے ٹھٹھول کرنے کے لیے کی جا رہی تھیں۔ رچرڈ معذرت خواہ تھا تاہم اس کا کہنا تھا کہ اس نے اونٹوں کو

ہانکتے ہوئے اوپر ہی اوپر جانے کی جو سعی کی، وہ اس پر نادم نہیں۔ اور کچھ حاصل ہوا یا نہیں، کیرولین نے اس کا جو بوسہ لیا، وہ کچھ کم نہیں۔ وہ اسے حاصل محنت کہہ سکتا ہے۔

یہ رچرڈ کی آخری کوشش تھی اس نے اب تک جو مشقت کی تھی کچھ اس کے سبب سے اور کچھ پیچش کی شدت کے باعث اس کے جسم سے توانائی جیسے نچڑ گئی ہو۔ ہم تینوں کا پیچش میں مبتلا ہونے کا ایک سبب وہ فرائنگ پَین تھا جس میں ہر روز صبح کا ناشتہ اور شام کا کھانا پکایا جاتا رہا تھا۔ دن میں یہ پَین اونٹ کے کجاوے میں باندھ دیا جاتا، اس پر گرد اور ریت اڑ اڑ کر جمی رہتی، رات کو جب سبھی سونے کے لیے چلے جاتے، اسے کھلے میں رکھ جاتے، ٹیم کے برطانوی ارکان صبح جلدی جاگتے، وہ پَین کو ریت سے جلدی جلدی صاف کر کے، ناشتہ تیار کرنے کے لیے رکھ دیتے، شام تک یہ پَین، اونٹ کے کجاوے میں بندھا رہتا۔ شام کو پھر کھولا جاتا اور کھانا پکانے کے لیے استعمال ہوتا۔ ساربان کبھی کبھی اسے اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے بھی استعمال کر لیتے۔ مجھے پتہ چلا تو میں نے انہیں بتایا کہ اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے برتن موجود ہے، صرف اس میں اونٹوں کو پانی پلایا جائے۔ پَین، انسانوں کے لیے ہے اسے اس غرض سے استعمال کیا جانا چاہیے ناصاف پَین میں پکنے والا ناشتہ اور کھانا، رچرڈ، ریوپرٹ اور مجھے بیمار کر گیا۔

جس روز اونٹ کو ذبح کیا گیا، اس سہ پہر کو ہم پھر سفر پر نکلے۔ ریتلے تودوں کا حجم بہت بڑھ گیا تھا۔ جسم کی توانائی ختم ہو جانے کے باعث ہم بے جان ہو گئے تھے۔ آج یہ چوتھا دن تھا کہ ہم پانی تلاش کرنے میں ناکام رہے تھے۔ ہم نے ایک ٹیلے پر پڑاؤ کیا اور اونٹ کا گوشت کھایا۔ 100 فارن ہائیٹ کے درجہ حرارت میں سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر آٹھ سے دس گھنٹے تک چلتے رہنا بہت مشکل تھا۔ دن بھر کے لیے پینے کا تین لٹر پانی بالکل ناکافی تھا۔

صحرا میں پہلے ہفتے کے دوران میں ہم نے صرف 70 میل کا فاصلہ طے کیا تھا۔ ہمیں اس مختصر سے عرصے میں بہت کچھ سیکھنے کے مواقع میسر آئے۔ برطانویوں اور اونٹوں کے ساربانوں کے درمیان قرب و یگانگت کا احساس بڑھا، جہاں تک چینیوں کا تعلق ہے، وہ احساس کم تری کا شکار تھے۔ یہ سنکیانگ پر ہان قبیلے کی صدیوں کی حکمرانی کا نتیجہ تھا۔ عیسیٰ پولتا نے ایک دفعہ ہمیں بتایا کہ وہ صحرا کو عبور کرنے کی مہم

میں کیوں شامل ہوا ہے، ایک سال قبل جب مہم کی منصوبہ بندی ہو رہی تھی، مارکیٹ کے میئر نے گیوجن وائی سے کہا کہ عیسیٰ پولتا ان چند لوگوں میں سے ہے جو صحرا کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں، دوسرے وہ اونٹوں سے کام لینے کا بھی ماہر ہے۔ گیو مارکیٹ کے قرب و جوار میں عیسیٰ پولتا کے گھر آیا اور اسے مہم کے بارے میں بتایا۔عیسیٰ ساری باتیں غور سے سنتا رہا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر میں کہا کہ اس نے 76 برس کی عمر میں سات بار صحرا میں سفر کیا ہے اور ہر بار دُکھ اٹھائے ہیں۔ جس مہم کا آپ ذکر کر رہے ہیں، یہ ناممکنات میں سے ہے۔ اب سے پہلے کسی نے اس پر نکلنے کی جسارت نہیں کی۔ اس نے صحرا سے متعلق جو کچھ سنا تھا، وہ سب کچھ سنا دیا۔ صحرا صدیوں سے روایات کا موضوع تھا، اس صحرا میں جو بھی گیا، زندہ سلامت واپس نہیں آیا۔ اس نے روایات کی توثیق کے طور پر ہیڈن کی ناکام مہم کا حوالہ دیا۔ یہ مہم، اس کی پیدائش سے 22 برس پہلے شروع ہوئی تھی۔ غالباً اس کے بڑوں نے مارکیٹ میں دو رویہ کھڑے ہو کر اس مہم کو اسی طرح الوداع کہا تھا جس طرح اب آپ کی مہم کو کہا گیا ہے۔ گیو نے سوچا کہ عیسیٰ مہم پر نہیں جانا چاہتا لیکن آخر میں اس نے کہا کہ نہیں میں جاؤں گا۔ میں اس سرزمین کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ جہاں میں جوانی کے ایام میں شکار کھیلتا رہا ہوں۔ مزار تاغ کا سلسلہ کوہ بھی میرے لیے کشش کا موجب ہے۔ یہ میرے آبا و اجداد کی جولان گاہ رہے ہیں۔ میں مرنے سے پہلے وہاں ہو آنا چاہتا ہوں تا کہ سکون سے مر سکوں۔ رچرڈ کا خیال تھا کہ عیسیٰ جی جان سے چاہتا ہے کہ اس کی بوڑھی ہڈیاں صحرا میں دفن ہوں۔ اس خیال نے ہمارے اپنے زندہ رہنے کے امکان کے بارے میں شکوک پیدا کر دیے۔ ہم ریتلے پہاڑی سلسلے کو قریباً عبور کر چکے تھے۔ ساربان، مزار تاغ کے پہاڑوں کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ ہم پڑاؤ ڈالتے تو وہ آ کر پوچھتے۔ ''ہم کہاں پہنچے ہیں، مزار تاغ کے پہاڑ یہاں سے کتنی دور ہیں؟'' نقشے کو دیکھ کر پوچھتے ''لوئیس تاغ، ہامت تاغ، گیوکل تاغ اور مزار تاغ'' کہاں ہیں۔'' یہ نام ان تک صدیوں سے سینہ بہ سینہ پہنچے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نقشے پر انگلی رکھ کر پوچھتا یہ مقامات کہاں ہیں؟ ان میں سے کسی نے بھی، ان مقامات یا پہاڑوں کو پہلے دیکھا نہیں تھا۔ بس سنا تھا اور وہ بھی نسلاً بعد نسلاً۔ مگر سبھی ان تک پہنچنے اور انہیں

دیکھنے کی چاہت میں غلطاں تھے۔ وہ جہاں بیٹھتے یہ نام بار بار دہراتے، جب بھی یہ نام ان کی زبان پر آتے، تو ان کی آنکھیں چمک اٹھتیں۔

اس شام ہم نے پڑاؤ ڈالا، اونٹوں پر سے سامان اتارا، یہی معمول تھا۔ ہر کوئی خاموش تھا۔ سبھی تھکے ہوئے تھے۔ جن کے پیٹ خراب تھے، ان کی حالت اور بھی پتلی تھی۔ وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔

''کیا منظر ہے!'' ہم نے کیتھ کو کہتے سنا، ہم نے دیکھا کہ شمال کی جانب سب سے اونچی چوٹی پر کوئی بیٹھا ہوا ہے۔ وہ عیسیٰ پولتا تھا، کارروان کے رکنے سے پہلے ہی وہ الگ ہو گیا تھا اور کئی ٹیلوں سے گزرتا ہوا اس چوٹی تک جا پہنچا تھا۔ ٹیلوں کا یہ سلسلہ بے حد خوبصورت تھا۔ ان کی چوٹیاں سیدھی تھیں اور سائے، غروب ہوتے ہوئے سورج کے ساتھ لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ عیسیٰ وہاں بیٹھا مشرق کی جانب دیکھ رہا تھا۔ رچرڈ اگرچہ بہت کمزور ہو گیا تھا۔ اس نے کچھ دیر یہ منظر دیکھا اور کہا کہ ''لگتا ہے عیسیٰ اللہ کے حضور عبادت کر رہا ہے اور اپنے اجداد کی سرزمین کو آخری بار دیکھ رہا ہے۔ اللہ اس پر رحم کرے۔''

پانی نایاب تھا، نہ ہم نہا سکتے تھے، نہ منہ ہاتھ دھو سکتے تھے۔ ہمارے بالوں پر مٹی جم گئی تھی اور انہوں نے لٹوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ہمارے جسم پر ریت دُہری جلد کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ کھلے اور بند سامان میں کوئی شے ایسی نہ تھی جس پر ریت کی تہہ نہ چڑھ گئی ہو، کیمرے اور آواز ریکارڈ کرنے کے آلات، جو بی بی سی نے دیے تھے سب کے سب جام ہو گئے تھے۔ لیکن یہ تو روز کا معمول تھا۔ سب کچھ وقت کے ساتھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ لاؤزہاؤ نے میرے ساتھ چلتے ہوئے کہا ''حیرت ہے کہ کیوں لیون پہاڑوں سے آنے والا پانی تکلا مکان صحرا میں کیوں نہیں پہنچ پاتا۔'' اس کا نظریہ تھا کہ پہاڑ حرکت کرتے اور پانی انڈیلتے رہتے ہیں جو سیلاب کی صورت برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا۔ میں نے کہا کہ اس نظریے کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ عام آدمی کے لیے جو سائنسی علم نہیں رکھتا، اسے سچا مان لینے میں کوئی تکلف نہیں۔

دن گزرتے رہے، ہم نے اونٹوں سے کام لینا سیکھ لیا تھا۔ وہ کبھی کبھار

بھاری سامان گرا دیتے، تند و تیز اونٹوں پر ایسا سامان لادا جاتا جس کے ٹوٹنے پھوٹنے کا اندیشہ نہیں ہوتا تھا، مثال کے طور پر خیمے، لباس اور ذاتی استعمال کی اشیا وغیرہ۔ جو اونٹ زیادہ تیزی نہیں دکھاتے تھے، ان پر پانی کے کنٹینر لادے جاتے، ان کے درمیان مناسب فاصلہ بھی رکھا جانے لگا۔ تاکہ ایک دوسرے سے ٹکرا کر یا ایک دوسرے پر گر کر پانی ضائع نہ کر سکیں۔ شروع شروع میں ہمیں یہ حادثہ پیش آ چکا تھا جس سے سیکھا کہ جن اونٹوں پر پانی رکھا ہو، انہیں ایک دوسرے کے پیچھے نہیں چلانا چاہیے۔ صبح اونٹوں پر سامان لادنا، خاصا دشوار اور مشقت طلب ہوتا تھا، اب ہم نے ایک وقت میں دو اونٹ لا کر ان پر سامان لادنے کے لیے چار چار افراد سے کام لینے کا طریقہ اپنایا جو کامیاب ثابت ہوا۔ جب ہم پیچش میں مبتلا تھے تو سامان اتارنے اور لادنے میں سخت دشواری پیش آتی۔ جن ایام میں رچرڈ سے مشقت لینا چھوڑ دیا گیا وہ رسے چننے اور غلاظت وغیرہ ٹھکانے لگانے کا ہلکا کام کرتا۔ چینی اور ایغیور غلاظت اور فضلہ پڑا رہنے دیتے۔ ہم زمین کھود کر اسے دفن کرا دیتے۔ ہماری کوشش ہوتی کہ جہاں پڑاؤ کرتے، وہاں سے رخصت ہوں تو وہ جگہ پہلے کی طرح صاف ہو۔ مہم کے آخر تک ٹیم کے برطانوی ارکان گندگی کو زمین میں دباتے رہے۔ شروع شروع میں بڑی کراہت محسوس کرتے تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ عادی ہو گئے۔ جن مہموں میں مختلف نسلوں اور پس منظر کے حامل لوگ شامل ہوتے ہیں انہیں اس طرح کی مشکل پیش آتی ہے۔ لیکن اسے چنداں اہمیت نہیں دی جاتی، جب جان پر پڑی ہو تو ساری توجہ اور کوشش جان بچانے اور اس ضمن میں ایک دوسرے کی مدد کرنے پر لگی رہتی ہے۔ کس نے کیا کام کیا، کون سا نہیں کیا، اس سلسلے میں شکوے شکایتیں کم ہی کی جاتی ہیں۔

میں نے ہر روز ڈائری لکھنے کی عادت ڈال لی۔ بظاہر یہ آسان کام ہے لیکن جب شروع کر دیا تو مشکل دکھائی دینے لگا۔ ایسا بھی ہوتا کہ لکھنا تو بعد کی بات ہے، قلم اور ڈائری اٹھانا دشوار لگتا۔ گزرے دن کے تجربات، احساسات کو قلم بند کرنے کے لیے جس ارتکازِ توجہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ منتشر الدماغی کے باعث ہو نہیں پاتی۔ جی چاہتا ہے کہ آدمی خالی ذہن رہے اور گرد و پیش کا مشاہدہ کرتا رہے۔ کیتھ ہمہ وقت کیمرہ لیے بیٹھا رہتا وہ ہر منظر کے بارے میں سوچتا اور پھر اس کی تصویر بناتا، جو ہر

لحاظ سے مکمل ہوتی۔ میں کیتھ کی اس دلچسپی اور یک سُوئی سے بہت متاثر تھا۔ درپیش امور و معاملات اور جذبات و محسوسات کو بڑی تفصیل سے قلم بند کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ تاہم میری کوشش ہوتی کہ جہاں تک بن پڑے میں ڈائری لکھنے کا کام پوری تفصیل کے ساتھ کرسکوں۔ چنانچہ ایک بار میں نے لکھا: آج میں نے پہلی بار سوچا کہ صحرا کبھی ختم بھی ہوگا یا نہیں، ابھی 600 میل کا فاصلہ طے کرنا باقی تھا اور میں کیا مضحکہ خیز باتیں سوچنے لگا تھا۔ میں ریت پر چلتے چلتے تھک گیا تھا۔ ہم اونٹوں کو پچکارتے اور ریتلے ٹیلوں پر سے گزارتے ہلکان ہو گئے تھے۔ یہ ٹیلے 800 سے 1000 فٹ بلند تھے۔ یہ الپائن کے برفیلے دروں میں سے گزرنے کے مترادف تھا۔ ہماری ٹیم نے اچھا کام کیا تھا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہم نے کچھ دیر آرام کیا اور 9 میل کے بعد کیمپ قائم کیا۔ ابتر حالات میں یہ کارگزاری اچھی تھی۔ آج دن بھر ہوا نہیں چلی تھی درجہ حرارت 95 فارن ہائیٹ رہا۔ لگا بھٹی میں سے گزر رہے ہیں۔ رچرڈ کا پیٹ بدستور خراب ہے۔ ریوپرٹ کا بھی ویسا ہی حال ہے اسے ٹانگ میں بھی تکلیف ہے۔ رات کو درجہ حرارت 20 سے 30 فارن ہائیٹ تک رہا۔

بارنی سے ریڈیو پر گپ شپ رہی۔ ''دی ٹائمز، لندن'' کے لیے روداد بھیجی۔ ایک اور اونٹ کا نتھنا پھٹ گیا ہے۔ یہ مہار کے کھینچنے کے سبب سے ہوا۔ ساربان، اونٹ کی تکلیف سے لاتعلق تھے۔ اونٹ کے نتھنے سے خون بہتا رہا۔

ایک تتلی نظر آئی وہ اس خطے میں کیسے اور کیا کرنے آ گئی تھی۔ بے رنگ صحرا میں رنگ دار پیرہن لیے ہوئے تتلی بھلی لگی۔ عبدالرشید کو لو لگ گئی تھی اب اس کی طبیعت سنبھل گئی ہے۔ میں نے اسے اوڑھنے کے لیے ٹوپی دی تاکہ اس کا گھٹا ہوا سر دھوپ سے بچا رہے۔ ایک جگہ کارروان دو حصوں میں بٹ گیا۔ چینی ٹیم اور آدھے اونٹ ایک طرف چلے گئے۔ رچرڈ اور میں نے اس تقسیم کے مضمرات کا جائزہ لیا اور اس کے خطرات کے پیش نظر اپنی مقررہ سمت پر چلتے رہنا ہی صحیح سمجھا۔ میرا گھٹنا درد کرتا رہا مگر کام دیتا رہا اس کے اعصاب مضبوط ہو رہے تھے۔ مجھے اصل تشویش پیروں پر آبلے پڑنے پر تھی۔ چینی آج، دشوار گزار ٹیلوں پر لے جانے میں مصروف رہے۔ ایک اونٹ پھسل کر ایک گڑھے میں جا گرا، اس پر جو پانی کا کنٹینر رکھا تھا، پھٹ گیا اور پانی

بہنے لگا۔ کیتھ نے بچاہوا پانی دو خالی کنٹینروں میں بھر لیا۔ پانی کا ضیاع گوارا نہیں، ہماری بقا پانی سے ہے۔ میں نے اپنی ٹیم کے ارکان سے کہا کہ ہمیں چینیوں سے صلح صفائی کے ساتھ رہنا چاہیے اور باہم تعاون کرنا چاہیے۔ ورنہ جو مشکل پیدا ہوئی، اس پر قابو پانا آسان نہیں ہوگا۔

میں تاروں بھرے آسمان کے نیچے بدستور لکھ رہا ہوں، ٹینا اور بیٹوں کے بارے میں کئی طرح کے خیالات ذہن میں آ رہے ہیں۔ میں ہر روز چلتے ہوئے بھی ان کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں بچوں کے معصوم چہرے دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ واپس جا کر، اپنا بہت سا وقت ان کے ساتھ گزاروں گا۔ اب تک ان کی فرقت میں جو وقت ضائع ہوا ہے، اس کا مجھے افسوس ہے۔ لیکن ان کے باپ نے جو کچھ کیا ہے وہ ایک دن اس پر فخر کریں گے۔

میں نے ڈائری ایک طرف رکھی، چت لیٹ کر، تاروں بھری رات کی وسعتوں کو خیال ہی خیال میں اپنی گرفت میں لینے کا سوچا، دن بھر کی مشقت اور قدم قدم پر پیش آنے والی مشکلوں کے بعد رات کا سکون، راحت کا موجب تھا۔ لوگ صحیح کہتے ہیں کہ عرب کی راتوں کا آسماں بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ میں نے مغربی چین میں بھی یہی محسوس کیا۔ یہاں کی راتیں بھی بڑی سحرانگیز ہوتی ہیں۔ ہم صحرا میں ریت پر، کھلے آسمان کے نیچے، اپنے ساتھیوں اور اونٹوں کے درمیان، سکوت و سکون کے ساتھ پڑے ہیں۔ ہماری روح اور ہمارے خیال پر کوئی قید اور کوئی روک نہیں، ٹھنڈی ہوا نے میرے چہرے کی جلد کو جو دن میں دھوپ کی شدت کے باعث جل گئی تھی، سہلانا شروع کرایا۔

دن کی شدید گرمی، تپتی ہوئی ریت، اندھا کرنے والی روشنی، اکھڑتی ہوئی سانسیں، جسم کی کمزوری، ٹیلوں پر چڑھنے اور اترنے کی مسلسل کوشش کی یاد اور ساتھ ہی پیاس کی شدت محسوس ہونے لگی۔ یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا کہ میں نے اپنے آپ سے پوچھا ہو کہ کیا ہم صحرا میں سے زندہ سلامت نکل سکیں گے۔

باب 6

شاہراہِ ریشم

مارک کیٹو نے مارکیٹ میں صحرا کے کنارے کھڑے ہو کر ہمارے کارروان کو نامعلوم کی طرف سفر کا آغاز کرتے دیکھا۔ اس کے جذبات ملے جلے تھے۔ اس نے صحرا کی وسعتوں میں تیس اونٹوں اور پندرہ افراد کو غائب ہوتے دیکھا تھا۔ صحرا کو عبور کرنے کی مہم شروع ہو چکی تھی۔ کیا وہ کامیاب ہو گی؟ اس خیال نے اسے لرزا دیا۔ اس نے بعد میں مجھے بتایا کہ وہ اس بات پر سخت مایوس تھا کہ اس نے مہم میں کیوں شرکت نہیں کی۔ اسے پیچھے اور اکیلا رہ جانے کا افسوس تھا۔ وہ امدادی ٹیم میں شرکت کو اپنے لیے مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ بارنی اور فرانسس اس ٹیم میں شامل تھے اور اپنے کردار سے خوش تھے۔ مارک کو مہم میں شریک ہونا تھا۔ لیکن انگلستان سے رخصت ہونے سے دو ہفتے قبل میں نے اس کی جگہ ریو پرٹ برٹن کو لے لیا تھا۔ میری رائے میں مارک کی زبان دانی، شاہراہِ ریشم کے بازاروں میں چینی اہل کاروں سے معاملہ فہمی میں بارنی کے کام آئے گی۔ جہاں تک صحرا کا تعلق ہے، اس میں دو چینی ٹیموں کے ارکان انگریز زبان سمجھ لیتے تھے۔ ان سے بات چیت کرنا یا ان سے کام لینا کچھ ایسا مشکل نہیں تھا۔

وہ اپنی گاڑی کی طرف مڑا، ریت پر اونٹوں کے قدموں سے جو نشان پڑے تھے، ہوا نے انہیں مٹا دیا تھا۔ وہ اونٹوں کو دیکھنے کے لیے صحرا میں ایک میل گیا ہو گا۔ یہ چھوٹا سا فاصلہ طے کر کے اس نے محسوس کیا جیسے وہ صحرا کی پنہائیوں تک ہو آیا ہے۔

مارک حیران تھا کہ مہم کے ارکان نے اپنے نقوش قدم کو اتنی جلدی مٹتے دیکھ کر کیا محسوس کیا ہوگا۔

وہ واپس کیمپ میں پہنچا تو چینی امدادی ٹیم کو اس نے اپنا ساز وسامان گاڑیوں پر رکھتے دیکھا۔ چینیوں کا خیال تھا کہ مہم کے برطانوی ارکان ان سے مارکیٹ میں قائم مہمان خانے میں آ ملیں گے اور رات وہیں بسر کریں گے لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ برطانوی ارکان، صحرا میں ستاروں کی چھاؤں میں شب بسری کے خواہش مند ہیں۔ چینیوں کے نزدیک آرام وآسائش کے اسباب کی موجودگی لازم تھی۔ جب کہ برطانوی ارکان کمروں کی بجائے بیرونِ دَر کھلی فضا میں رہنا پسند کرتے تھے۔ آنے والے مہینوں میں برطانوی اور چینی ٹیموں کے درمیان اختلاف کی ایک بڑی وجہ ان کے طبعی رجحانات تھے۔

دوسری صبح کو چینی واپس مارکیٹ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ جو عمارت پوسٹ آفس کا کام دیتی تھی، اس کا نصف حصہ تباہ ہو چکا ہے۔ کاؤنٹر پر رہنے والی بوڑھی خاتون مارکیٹ گئی اور وہاں سے رومال اور کپڑا لے آئی۔ جس میں ویڈیو ٹیپ اور فلمیں باندھی گئیں۔ یہ بیلا اور برطانوی پریس کو بھجوائی جانی تھیں۔ یہ پارسل چھ ہفتوں میں اپنی منزل تک پہنچا اس وقت تک کئی اطلاعات زائد المیعاد ہوگئی تھیں۔

امدادی ٹیم کا معمول تھا کہ صحرا میں جانے والی پارٹی سے موصولہ خبریں شام کے ریڈیو بلیٹن کے لیے بھجوایا کرتی۔ مارک نے اپنی بقا کے لیے ریڈیائی رابطے کو شرط ٹھہرا لیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے بیجنگ میں ریڈیائی مواصلات کا مرکز قائم کیا جس نے بڑی کوشش سے مختلف آوازوں میں سے ریوپرٹ کی آواز سننے میں کامیابی حاصل کر لی۔ وہ شمال کی جانب سے ایک سو میل کے فاصلے سے آ رہی تھی۔ اس نے وہ روز ایک ہوسٹل میں تمام کیا تھا۔ سینئر ملٹری افسروں نے جاسوس کی تلاش میں اس سے تفصیلی پوچھ گچھ کی۔ اگلی دفعہ اس نے شہر سے میلوں باہر ایک خاموش جگہ کو ریڈیائی رابطے کے لیے چنا۔ اس احتیاط کا مقصد یہ تھا کہ اس کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا نہ ہوں۔ برطانوی اپنی ٹیم سے رابطہ کرتے تو چینی مصر ہوتے کہ انہیں بھی اپنی ٹیم سے رابطہ کرنے کا موقع ملنا چاہیے۔ ان کی گفتگو زیادہ تر شدید گرمی اور ابتر حالات کے

بارے میں ہوتی۔

مارک نے ریوپرٹ سے پوچھا کہ صحرا میں درجہ حرارت کتنا ہے۔ ریوپرٹ نے جواب دیا اتنا برا نہیں۔ 100 فارن ہائیٹ کے لگ بھگ ہے۔ گاڑی کے لاؤڈ سپیکر کی آواز میں جواب دب گیا۔ پھر یہ آواز گونجی کہ ہم گرمی کی شدت اور پیاس سے مرے جا رہے ہیں۔

بارنی کو زیادہ تشویش جان اور اینی تھامس کے بارے میں تھی، جو پہنچ نہیں پا رہے تھے۔ دوسری گاڑی کے بغیر اس صحرا کی وسعت میں اترنا ممکن نہیں تھا۔ روسی کار، ٹرک اور نسان جیپیں بارنی کی پنز گوار کے سامنے ہیچ تھیں۔ پنز گوار ٹرک جس کامیابی سے صحرا کو پاٹ سکتے تھے کوئی دوسری گاڑی نہیں پاٹ سکتی تھی، ان دونوں ٹرکوں پر ضروری سامان دور تک لے جایا جا سکتا تھا۔

جان اور اینی کی ابھی تک کوئی خبر نہیں تھی۔ 27 ستمبر کو بارنی امدادی ٹیم کو شاہراہِ ریشم کے ساتھ مزید مشرق کی طرف لے گیا اور ہوتن سے پچاس میل مغرب میں رعا وادی میں کیون لیون کے پہاڑی سلسلے کی ترائی میں جا پہنچا۔ یہاں سے وہ صحرا عبور کرنے والی ٹیم کے بارے میں بہتر معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ ہر ریڈیائی رابطے کے بعد وہ نقشے پر ٹیم کے پہنچنے کے مقام کا تعین کر لیتا۔ دوسری جانب سے جو نشریے آتے، ان میں اب کے پہاڑوں کو عبور کرنے میں درپیش مشکلات، پیچش کے پھوٹ پڑنے کے احوال اور پانی کی تلاش کا تذکرہ ہوتا۔ امدادی ٹیم ہر اطلاع کا تجزیہ کرتی اور سوال کرتی کہ اس کے ہماری کامیابی کے ضمن میں کیا اثرات ہوں گے؟ بارنی سوائے دعا کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ انگلستان میں جو اطلاعات پہنچاتا، ان میں یہی بتایا جاتا کہ مہم کسی بڑی رکاوٹ کے بغیر جاری ہے۔ بارنی اپنی مایوسی کا اظہار نہیں کرتا۔ یہی تاثر دیتا ہے کہ ہر کام سلیقے سے ہو رہا ہے۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔

وہ شروع سے ہی ایسا ہے، لندن میں اس کے گھر جاتے تو بڑے تپاک سے پیش آتا اور کہتا، آیے آیے، تشریف لایے، بتایے میں آپ کے لیے کیا لا سکتا ہوں۔ اس کے بعد ہمیں کچن میں لے جاتا جہاں اس کی بیوی مو، کھانا پکانے میں مصروف ہوتی۔ میں نے کئی بار پوچھا کہ اس کی بیگم کا اصل نام کیا ہے، وہ کہتا کہ یاد نہیں رہا۔

اس نے ہماری آمد سے چند منٹ پہلے ہی اپنی بیگم کو بتایا ہوتا تھا کہ دوست آ رہے ہیں۔ ان کے کھانے کے لیے کچھ تیار کرلو۔

صحرا عبور کرنے کی مہم کے سلسلے میں بھی اس کا کچھ یہی رویہ تھا۔ وہ بیک وقت تین اوقات کو ملحوظ رکھتا۔ کاشغر کا، ایغیور کا اور بیجنگ کا، نتیجہ عموماً یہ ہوتا کہ کوئی کام بھی وقت پر اور ڈھنگ سے نہیں کرسکتا تھا۔ ہر کام کرنے کے لیے طویل انتظار کرنا پڑتا۔

شاہراہِ ریشم کا نام بجائے خود گمراہ کن ہے۔ یہ چانگ این (موجودہ ذی آن) سے شروع ہوتی ہے۔ چین اور وسطی ایشیا کے درمیان تجارت کا زمینی راستہ ہے۔ جس میں مشرق اور مغرب کے درمیان کے کئی راستے باہم مل جاتے ہیں۔ اس کے ذریعے ریشم سے کہیں زیادہ چائے، قیمتی دھاتوں اور دوسری اشیا کی نقل وحمل ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ تمام چیزیں ایک سرے سے دوسرے سرے تک آتی جاتی ہوں۔ کئی چیزیں درمیانی نخلستانی منڈیوں میں ہی بک جاتی ہیں۔ یہ منڈیاں سوداگروں کے لیے کاروبار کے ایسے مراکز ہیں جن میں وہ اپنی زندگی بتا دیتے ہیں۔ ان کی آپس کی گفتگو سڑک کے بارے میں ہی ہوتی ہے۔ ''سڑک پرامن ہے۔'' ''کھلی تو ہے،'' ''بند تو نہیں۔'' جب بھی کوئی کارروان سفر شروع کرتا ہے تو اسے روایتی انداز میں الوداع کہا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں اس سڑک کے ذریعے جن منڈیوں تک تجارت ہوتی، ان میں روم کی منڈیاں زیادہ نمایاں اور پُرکشش تھیں۔ شاہراہِ ریشم، شانسی میں زمیان سے شروع ہوتی ہے اور صحرائے گوبی سے ہوتی ہوئی وون ہو ینگ تک پہنچتی ہے۔ ایک راستہ شمال سے جنوب کو جاتا ہے اور تکلا مکان کی شمالی سرحد پر سے گزرتا ہے۔ تورمان، کہنہ اکسو کے بعد کاشغر شہر آتا ہے۔ شمالی راستہ، جنوب مغرب میں کیون لیون کے شمالی پہاڑی سلسلے کی طرف نکل جاتا ہے اور پھر تکلا مکان کی جنوبی سرحد پر میران، ریوکیانگ، رنڈری، ہوتن (کنہان) اور شاچی (یارقندم) کو پروتا ہوا چلتا ہے۔ کاشغر میں دو شاخیں آ ملتی ہیں اور پھر مغرب کی جانب پامیر پر سے گزرتی ہوئی، ایران، عراق اور بحیرۂ روم تک اور پھر بحری راستوں سے روم تک پہنچ جاتی ہیں۔

امدادی ٹیم کے لیے کیون لیون کی سرسبز شاداب وادی میں قیام بڑا پُرلطف

رہا۔ پورا علاقہ سرسبز درختوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ برف پوش پہاڑوں سے ٹھنڈے، میٹھے پانی کے چشمے پھوٹتے اور وادی کی ہریالی میں اضافہ کرتے ہیں۔ جہاں تک کیون لیون پہاڑوں کا تعلق ہے، وہ دُھند میں چھپے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تکلا مکان صحرا سے اُٹھنے والی ریت اس دُھند کا سبب ہے۔

جان اور اینی تیسرے دن 30 ستمبر کو پہنچے۔ مہم کے شروع ہونے سے پورا ایک ہفتہ بعد۔ انہیں بھی راستے میں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ تو ان کی خوش قسمتی تھی کہ بچ کر آ گئے۔ انہیں ٹیکسکورگان کی سرحد پر کاشغر میں دو دن رکنا پڑا۔ کسٹمز والوں نے ان کی گاڑی پر قبضہ کر لیا تھا۔ انہوں نے بارنی کے پیغامات اور کچھ اپنی سمجھ سے کام لیتے ہوئے ہوتن کا رُخ کیا۔ رعا وادی کے سِرے پر انہیں آخری پیغام ملا اور بالآخر اپنی منزل پر پہنچ آئے۔

رعا وادی سے امدادی ٹیم نے ہوتن کی طرف سفر شروع کیا۔ ہوتن قدیم اور دل آویز شہر ہے۔ اس کا بازار بہت خوب صورت ہے۔ قالین بانی کا اہم مرکز ہے۔ اس کی خوب صورتی کا ایک سبب یہ ہے کہ یہ سیاحت کی زَد میں نہیں آیا۔ ہوتن ایک نخلستان کے گرد آباد کیا گیا ہے۔ یہ نخلستان دو دریاؤں کا مقام اتصال بنا ہے۔ یہ دریا کیون لیون پہاڑوں سے نکلتے ہیں۔ نخلستان پچاس میل شمال میں باہم مل جاتے ہیں۔ یہاں سے ان کا نام ہوتن دریا ہو جاتا ہے۔ مزار تاغ 120 میل اندرون کی جانب واقع ہے۔ بہار میں جب کیون لیون پہاڑی سلسلے پر برف پگھلتی ہے تو یہ دریا جاگ اٹھتا ہے۔ ورنہ آہستہ آہستہ سمٹتا چلا جاتا ہے۔ امدادی پارٹی نے ہوتن کے بازاروں سے اونٹوں کے لیے غلہ اور مہم کے ارکان کے لیے کھانے پینے کی اشیا خریدیں۔ مہم سے ریڈیو کے ذریعے ہی رابطہ تھا۔ ورنہ اس کی حالت اس آب دوز جیسی تھی جو سمندر میں کہیں رک گئی ہو۔

باب 7

سلسلۂ کوہ

روسی سیاح پری جی والسکی اور دو انگریز کیرے اور دال گیلش پہلے یورپی تھے جو 1885ء میں دریائے ہوتن کے مغربی کنارے پر مزار تاغ کے پہاڑوں تک پہنچے، ان سے دس سال پہلے سیون ہیڈن نے مارکیٹ سے مزار تاغ تک صحرا کو عبور کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے پری جی والسکی نے متاثر کیا تھا۔ جس نے ان پہاڑوں کا تذکرہ کیا تھا جو مزار تاغ سے مغرب کی جانب صحرا کی سمت پھیلے ہوئے ہیں۔ اس نے لکھا تھا کہ پہاڑوں کو صحرا کی ریت نے اس طرح ڈھانپ لیا تھا کہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ مقامی لوگوں نے بتایا کہ یہ پہاڑ شمال مغرب کی طرف مڑ گئے ہیں۔ ان کا وسطی حصہ بہت اونچا ہے۔ ان پر سبزے کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ ان پہاڑوں کی ترائی کا علاقہ ریت میں دفن ہے۔ ہیڈن نے اس تذکرے سے یہی اخذ کیا کہ اگر ہم مارکیٹ سے مشرق کی جانب یا شمال مشرق کی جانب سفر کا آغاز کریں تو ہم مزار تاغ پہنچ جائیں گے۔ مقامی باشندوں کی طرح مجھے بھی یقین تھا کہ پہاڑوں کے اس سلسلے میں ایسی جگہ ضرور ہے، جہاں ریت کے جھکڑ نہیں چلتے ہوں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہم دن کے وقت سخت زمین پر چلتے ہوئے چشموں تک جا پہنچیں، جہاں سبزہ اور نباتات ہو اور قدیم تہذیبوں کی باقیات کے آثار بھی موجود ہوں۔ اس وقت جو نقشہ میسر تھا، اس کے مطابق ہیڈن نے یہ فاصلہ 200 میل بتایا تھا۔ اگر ہم ہر دن بارہ میل کا فاصلہ طے کرنے لگیں تو یہ فاصلہ طے کرنے میں سولہ دن سے زیادہ نہیں لگیں

گے۔ درحقیقت ہیڈن کو صحرا کی گرفت سے نکلنے کے لیے 26 دن لگے تھے۔ وہ شمال کی جانب نکل گیا تھا اور مشکل سے جان بچا سکا تھا۔ وہ مزار تاغ کے پہاڑی سلسلے کو چھونے والے صحرا کو عبور نہیں کر سکا تھا۔ اس نے صحرا کی وسعتوں میں اپنے دو ساتھیوں محمد شاہ اور قاسم اخون کو بھوک پیاس سے تڑپتے اور جان دیتے دیکھا، ان کے ساتھ آٹھ اونٹ بھی صحرا کی سختیاں برداشت کرتے کرتے جان ہار گئے۔ ہیڈن کا کتا بھی نہیں بچا۔ جیسا کہ ہیڈن نے بعد میں لکھا: ''مہم کے ارکان ہوش و حواس کھو بیٹھے اور ایسی حرکات کے مرتکب ہونے لگے، جو کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں سمجھی جاتی تھیں، وہ جان بچانے کے لیے اونٹ کا پیشاب تک پینے پر مجبور ہو گئے تھے۔ انہوں نے مجھے بھی ترغیب دی لیکن میں نے انکار کر دیا، ان کے جن تین ساتھیوں نے یہ پیشاب پی لیا، ان کی حالت اتنی غیر ہوگئی کہ پھر نہ سنبھل سکی۔ وہ قے کرتے کرتے مر گئے۔ ایک موقع پر قاسم نے ایک بھیڑ کی گردن پر چھری پھیری اور اس کی رگوں سے نکلنے والے خون کو ایک برتن میں بھر لیا، جسے ہم سب نے بڑی رغبت سے پیا۔''

اس کے بعد ہیڈن کے راستے پر کسی نے چلنے کی کوشش نہیں کی۔ ہیڈن کا کتا، اس کے اونٹ اور ان کے ساربان صحرا میں دفن ہو گئے تھے۔ ان پر انفاء کا پردہ تن گیا تھا۔ ہیڈن نے اپنی منصوبہ بندی اور تجربات کے بارے میں جو کچھ لکھا، ان سے سبق سیکھا جا سکتا تھا۔ لیکن تفصیلات مفقود تھیں۔ بس قیاس کی بنا پر نتائج اخذ کیے جا سکتے تھے اور صرف قوت ارادی کی بنا پر صحرا کو عبور کرنے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔ میرے اپنے اونٹ کے ساربان عیسیٰ پولتا کا کہنا تھا کہ اس نے بچپن میں اپنے باپ کے ساتھ مزار تاغ کے پہاڑوں کے شمال کی جانب پہاڑی بکرے کا شکار کیا تھا۔ عیسیٰ کی معلومات اور تجربات سے کسی حد تک مفید معلومات حاصل کی جا سکیں، جن سے ہمیں امید بندھی کہ شاید یہ ہمارے کچھ کام آ سکیں۔ شام کو بات چیت کے دوران میں کھلا کہ عیسیٰ پہلے کبھی اس راستے پر آیا ہی نہیں تھا۔

تین دن پہلے اس نے بڑے وثوق کے ساتھ اعلان کیا تھا کہ اس وقت ہم جہاں ہیں، ہمیں اگلے چار روز کے لیے پانی مل سکتا ہے لیکن یہ بھی غلط ثابت ہوا، ہمیں چھ فٹ کی کھدائی کے بعد تھوڑی سی مقدار میں پانی دست یاب ہوا تھا۔ اب مجھے یقین

ہو گیا کہ عیسیٰ کی باتوں میں کوئی سچائی نہیں، ہمیں کیا درپیش آئے گا، کچھ علم نہیں تھا۔ جو کچھ بھی حاصل ہونا ہے، ہماری اپنی کوشش اور تگ و دو سے ہی حاصل ہو گا، بس ہم کہیں جا رہے تھے اور وہ کچھ دیکھ رہے تھے کہ پہلے کسی انسان نے نہیں دیکھا تھا۔

ہماری ہر طرف، افق تک ریت اور ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔ ہم کہاں ہیں اس کے لیے سیٹلائٹ کے ذریعے رہبری حاصل کرنا چاہیے۔ جو بڑی حد تک صحیح ثابت ہوئی اس نے طول بلد اور عرض بلد کے حوالے سے یہ طے کر دیا ہے کہ ہم کہاں ہیں اور کہیں مزار تاغ کے سلسلہ کوہ کے انتہائی مشرقی سرے پر پہنچ کر ہی طے کر پائیں گے کہ ہم صحیح راستے پر ہیں، مارکیٹ سے مہم کا آغاز کرنے کے ساتویں روز یکم اکتوبر کی صبح ہم سب سے اونچی چوٹی پر پہنچے، جہاں سے مشرق کی جانب ہامت تاغ، لوئیس تاغ گیوٹن تاغ اور مزار تاغ کے پہاڑی سلسلے دکھائی دیے۔ ہموار زمین تک پہنچنے میں مزید ایک دن لگے گا۔ سیون ہیڈن اس جگہ پہنچنا چاہتا تھا مگر نہیں پہنچ سکا تھا۔

اونٹ ڈھلان پر اترنے لگے۔ میں سوچنے لگا کہ آیا ان ریتلے پہاڑوں تک آ سکیں گے۔ ہم پانچ روز سے انہی کے درمیان رہ رہے تھے۔ ان کی شکل حیرت انگیز تھی۔ ہم نے چیلنجوں کا ہر روز بڑی استقامت سے مقابلہ کیا تھا۔ ہم کھائیوں، کھڈوں، چوٹیوں کے گرد راستہ بناتے۔ سب سے اونچی اور ہموار جگہ پر پہنچے جہاں تیس اونٹوں کو بٹھایا جا سکتا تھا۔ سورج زیادہ بے رحمی سے چمک رہا تھا اور ہمیں جھلسائے دے رہا تھا۔ ہمیں اونچے نیچے راستے پر چلنا پڑ رہا تھا۔ گرد، پسینہ، گرمی، ٹانگوں کے کھنچے ہوئے پٹھے، پاؤں پر پڑے ہوئے آبلے، جسم میں پانی کی کمی، ریت کی چمک، گرم ہوا، پھٹے ہوئے ہونٹ، پیٹ میں اٹھتا ہوا مروڑ، یہ سب ہماری جدوجہد کے ثمرات تھے۔ ہم ریتلے پہاڑی ٹیلوں میں سے نکل آئے تھے۔ اس کامیابی پر ہم بجا طور پر نازاں تھے۔

رچرڈ نے کہا کہ چینیوں کا کہنا ہے کہ وقت آدمی کو ہیرو بناتا ہے۔ ہمارا دن بھی آنے والا ہے۔ مزار تاغ کا سلسلہ کوہ ہماری نظروں میں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ قسمت ہمارا ساتھ دے رہی ہے، ہم بظاہر ناقابل عبور پہاڑوں کے درمیان سے راستہ بنانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ہمارے لیے یہ برطانوی مہم کی فتح اور کامیابی تھی۔ ہم

نے ہر روز معینہ منزل تک رسائی کے لیے اَن تھک جدوجہد کی تھی۔ ہم کبھی اونٹوں کی قطار کے آگے چل رہے ہوتے تھے اور کبھی پیچھے، ہم ساربانوں کی ہمت بندھاتے اور انہیں اونٹوں سے کام لیتے رہنے پر آمادہ کرتے۔ یہ بے حد تھکا دینے والا کام تھا۔ ریوپرٹ، رچرڈ اور میں نے سخت پیچش اور کمزوری کے باوجود یہ کام جاری رکھا۔ ہم نے اپنے آپ کو ریتلے پہاڑوں کے حوالے کیے رکھا۔ ہمارے برعکس چینی صبح کو دیر سے اٹھتے، بڑی مشکل سے سمجھ پاتے کہ انہیں دن میں اپنے حصے کا کون سا کام کرنا ہے۔ وہ ہمیشہ قافلے پر پیچھے چلتے، لاؤزہاؤ کا معاملہ الگ تھا۔ ہم نے اس سے دوستی کر لی تھی۔ صحرا کے بارے میں اس کی معلومات قابل قدر تھیں، چینی ٹیم میں سے وہ سب سے پہلے جاگتا، ناشتہ تیار کرنے اور رات کا کھانا تیار کرنے میں بھی وہ پیش پیش رہتا۔ گیوجن وائی بھی کام کاج میں سرگرمی دکھانا چاہتا تھا لیکن ایک تو اس کی صحت اچھی نہیں تھی، دوسرے اس کا وزن زیادہ تھا۔ رچرڈ، برطانوی اور چینی ٹیموں کے درمیان مفاہمت کرانے اور برقرار رکھنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتا۔ وہ لوگوں کے کریکٹر کے بارے میں بڑی معلومات رکھتا تھا۔ وہ دونوں ٹیموں میں اختلافات شروع ہوتے ہی انہیں ختم کرانے کی کوشش شروع کر دیتا۔ اس کا احساس ذمہ داری، ہماری اپنی ٹیم کے لیے بھی مفید ثابت ہوتا۔ وہ میرا مشیر بھی تھا اور حوصلہ افزائی کرنے والا بھی۔ واپسی پر اس نے ریوپرٹ، کیتھ اور کیرولین کی ترجمانی کرنا شروع کر دی، جو حالات کا تجزیہ کرنے اور ان سے مناسب انداز میں نمٹنے میں اس جیسے موثر نہیں تھے۔ میں جانتا تھا کہ جب وہ مزار تاغ سے واپس جائے گا تو مجھے اس کی کمی محسوس ہو گی۔ وہ مہم میں شامل ہوا تو اسے اپنے بنک کی شرط کے مطابق ایک مہینے کے بعد واپس جانا تھا اور شنگھائی میں اپنے بنک میں بزنس شاخ کے لیے دفتر قائم کرنا تھا۔ میری فوجی طرز کی قائدانہ صلاحیت اور رچرڈ کی سفارت کاری، ذہانت اور ہوشیاری نے مل کر ایک موثر قوت بنا دی تھی، چینیوں کا انداز فکر و عمل، دنیا داری کا تھا۔ اسی لیے ہمیں ان پر فوقیت حاصل تھی۔ مہم کی رہبری برطانوی ارکان کے ہاتھ میں تھی۔ انہیں کسی قسم کے چیلنج کا سامنا نہیں تھا۔ چینی ہمارے نقوش پا پر چل رہے تھے۔ اس اعتبار سے ان کا تعاون مفید ثابت ہوا تھا۔ ہم نے مہم کے ارکان کی ترتیب میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کی

ضرورت محسوس نہیں کی۔ جس روز ہمیں مزار تاغ پہاڑی سلسلہ نظر آیا، اونٹوں کے لیے پانی نہیں ملا۔ ہمارے اپنے پاس صرف 900 لٹر پانی رہ گیا تھا۔ ہم ابتدائی منزل سے، جہاں پانی میسر آنے کا امکان تھا، کوئی 100 میل دور تھے۔ اس کے باوجود چینیوں اور ساربانوں کا حوصلہ پہلے سے کہیں زیادہ بلند تھا۔

پورے چاند کی رات، ریت کے ٹیلے عجیب منظر پیش کر رہے تھے۔ میں اور گیوجن وائی نے بیٹھ کر، اب تک کی پیش رفت کا جائزہ لیا۔ صحرا کو جس انداز سے عبور کیا جا رہا تھا، اس پر بھی ناقدانہ نظر کی۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں ہر صبح کو چینیوں اور ساربانوں کو سخت سست کہنا چھوڑ دوں۔ میرے لیے انہیں منظم کرنے، سامان باندھنے اور اونٹوں پر لادنے میں مستعدی برتنے پر آمادہ کرنے کے لیے سخت کلامی کرنا مجبوری بن گئی تھی۔ اگلے دن کے سفر کی تیاری کے لیے میں سب کو چار گھنٹے پیشتر جگا دیتا تھا۔ برطانوی ارکان کچھ سا ناگواری کا اظہار کرتے۔ وہ دس ساڑھے دس بجے ہی تیار ہو جاتے۔

میں گیو کو پسند کرنے لگا تھا، اس کی جسمانی صلاحیت اور خود اعتمادی میں تدریجاً اضافہ ہو گیا تھا۔ چینی ٹیم کے لیڈر کی حیثیت سے بھی اس کی صلاحیتوں میں نمایاں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس میں ایک خوبی یہ تھی کہ اس نے ہم مغربیوں کی پسند ناپسند کا ادراک کر لیا تھا۔ غرض وہ ہر لحاظ سے بہت اچھا معاون ثابت ہوا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ حقیقت میں آدھا کورین ہے۔ اس کی ابتدائی پرورش مانچوریا میں ہوئی تھی۔ ثقافتی انقلاب کے دوران میں اس کے والدین کو سنکیانگ بھیج دیا گیا۔ اس کا باپ چینی فوج میں سپاہی تھا اور اس نے کوریا کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔ اس کا باپ بھی اس جنگ میں شامل رہا، اس نے یقیناً اس پر گولا باری کی ہوگی۔ میں نے گیو سے مذاق میں کہا کہ تمہارے اور میرے باپ ایک ہی جگہ جنگ میں شریک رہے ہیں۔ ممکن ہے انہوں نے ایک دوسرے پر فائر بھی کیا ہو۔ اگر وہ کبھی باہم ملے ہوں تو انہوں نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ چالیس برس بعد ان کے بیٹے تین مہینوں کے لیے ایک ساتھ صحرا کو عبور کرنے کی مہم میں شامل ہوں گے اور اپنی بقا کے لیے ایک دوسرے پر انحصار کرتے رہے ہوں۔ جنگ کے بعد اس کا باپ شمالی کوریا میں بھی رہا اور مانچوریا آنے سے پہلے

اس نے ایک کسان کی بیٹی سے شادی کر لی۔ گیو جب سات سال کا ہوا تو اس کے پورے خاندان کو ارمچی بھیج دیا گیا۔ اس کا باپ جاپانی زبان بڑی روانی سے بولتا تھا۔ چینی حکام کے نزدیک اس کا یہ وصف منفی نوعیت کا تھا۔ اسی وجہ سے اسے کسی دُور افتادہ مقام پر ایک کھلی جیل میں بھیج دیا گیا۔ گیو نے دس برس تک اپنے باپ کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔ خاندان کو یہ بھی علم نہیں تھا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ ثقافتی انقلاب کے دوران میں گیو ایک فارم پر کام کرتا رہا تھا۔ اس نے ٹریکٹر چلانا سیکھ لیا تھا۔ یہ اس کے سکول جانے کے دن تھے لیکن بدقسمتی سے وہ نہیں جا سکا۔ اس کا اسے ہمیشہ افسوس رہا۔

اسی دوران میں مجھے رفع حاجت کے لیے ایک ٹیلہ کے پیچھے جانا پڑا۔ میرے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہا تھا۔ جس نے مجھے شدید تکلیف میں مبتلا کر دیا تھا۔ پیچش ہوئے چھ دن ہو گئے تھے۔ میں اس عرصے میں نقاہت کا شکار ہو گیا تھا، دیکھا تو تھوڑے سے فاصلے پر رچرڈ درد کے مارے کراہ رہا تھا۔ وہ بولا ہم پر آج کل جو گزر رہی ہے، ایک دن ہم اسے یاد کریں گے اور مسکرائیں گے۔ ہم دونوں پہلو بہ پہلو لیٹ کر، تاروں کو دیکھنے لگے۔ ہم اپنے مستقبل اور اپنے گھر والوں کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ صحرا کے سناٹے کو کسی اونٹ کی گھنٹی کی آواز چند لمحوں کے لیے توڑ دیتی۔ اونٹ جھاڑی کی تلاش میں نکل جایا کرتے تھے۔

دوسرے دن ہم ہیمی تاغ کے مغربی کنارے تک پہنچ گئے۔ یہاں ٹیلے ہموار تھے، انہیں نسبتاً آسانی سے عبور کیا جا سکتا تھا۔ شمال مشرق کی جانب مزار تاغ تھا۔ اس کے پہاڑوں کی چوٹیاں مختلف رنگوں کی تھیں۔ کوئی سرخ، کوئی بھوری اور کوئی پیلی۔ ریت میں سفید چوٹیوں کا الگ سلسلہ تھا۔ ان کے بعض ٹکڑے ہم نے اپنی جیبوں میں رکھ لیے لیکن وہ اتنے وزنی ہو گئے کہ ہمیں بالآخر انہیں پھینکنا پڑا۔ یہ سوچتے ہوئے کہ ہم ہیمی تاغ کی جنوبی طرف کے متوازی چل رہے ہیں، ہم نے سرخ، پیلے اور سفید پہاڑوں پر چڑھنا شروع کیا۔ جنوب کی طرف دیکھا تو ہموار زمین نظر آئی۔ ہم اس منظر میں اس درجہ کھو گئے تھے کہ بھول گئے کہ اونٹ تین دن سے پیاسے ہیں۔ رچرڈ کی بیماری بھی یاد نہ رہی۔ ہم نے لاکھ کہا کہ وہ اونٹ پر سوار ہو جائے لیکن وہ نہیں مانا،

وہ پانی کی بوتل اٹھائے چلتا رہا، وہ شاید ہمیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ اتنا کمزور نہیں ہوا کہ اسے اونٹ پر بیٹھنے کی ضرورت محسوس ہو۔ شام ہونے والی تھی۔ سورج ہمارے عقب میں چمک رہا تھا۔ ہمارے سائے بڑے ہوتے جا رہے تھے۔ ہم عمودی چٹان پر جا پہنچے۔ پہاڑ پیچھے رہ گئے تھے اور سامنے ایک ہموار وادی تھی، جس کے گرد ٹیلوں نے دائرہ سا بنا رکھا تھا۔ یہ ٹیلے نئے نئے بنے تھے۔ ہم 300 فٹ کی بلندی سے اتر رہے تھے۔ نیچے پہنچے تو ہمارے جسم پر گرم ریت کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ ہم سخت تھک گئے تھے۔ میرا منہ اتنا خشک ہو گیا تھا جیسے وہ اندر سے گتے کا بنا ہوا ہے۔

رچرڈ آخری چٹان پر کھڑا رہ گیا۔ وہ ہلنے جلنے کی سکت سے محروم ہو گیا تھا۔ ہم اسے دیکھتے رہے لیکن کسی میں اتنی ہمت اور طاقت نہیں تھی کہ واپس جا کر اسے سہارا دیتا اور نیچے لاتا۔ اسے بھی اس کی توقع نہیں تھی، لگتا تھا کہ وہ طاقت جمع کرنے کی کوشش میں ہے تاکہ کیمپ تک پہنچ سکے۔ ہماری پہلی ترجیح پانی تلاش کرنے کی تھی۔ ہم میں سے بہت سوں نے زمین کھودنا شروع کر دی۔ چھ فٹ کے بعد ریت گیلی لگی، ہم نے باقاعدہ کھدائی مکمل کرنے کی ذمہ داری ساربانوں کو سونپ دی۔ اس وقت تک اندھیرا ہو گیا تھا۔ اتنے میں رچرڈ بھی آ پہنچا، ہم نے اسے فوراً سلیپنگ بیگ میں لٹا دیا اور کیرولین نے اسے اینٹی بائیوٹیکس کی خوراک دی۔ ہم نے اسے آرام کرنے کے لیے بہت کہا لیکن وہ نہیں مانا، وہ لیٹا ہوا تھا، اس کا چہرہ مرجھا گیا تھا۔ اس کے کالے بالوں کا رنگ ریت پڑنے کے سبب سے سفید ہو گیا تھا۔ اس حالت میں بھی اس کی زندہ دلی قائم تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا کہ اس کا آخر کا وقت قریب آ پہنچا ہے، اس لیے اس کی تدفین کا بندوبست کیا جائے۔ مجھے اس کی حالت کے بارے میں سخت تشویش ہو رہی تھی۔ میں جانتا تھا کہ اگلا دن اس کے لیے بہت صبر آزما ہو گا۔ ہم سب کی توجہ رچرڈ پر تھی۔ ساربانوں کو بھول ہی گئے تھے کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔ اندھیرا چھانے کے بہت بعد وہ چٹانوں پر سے واپس آئے، کدالیں ان کے کندھوں پر دھری تھیں وہ ایک دائرے میں بیٹھ گئے اور آگ تاپنے لگے۔ میں نے گیو سے پوچھا کہ وہ کہاں تھے، اس نے جواب دیا، سونا تلاش کرنے گئے تھے۔ ساربانوں کا خیال تھا کہ ان پہاڑوں میں سونا ہے، ان تک یہی روایت پہنچی ہے۔ ان کے خیال

میں آپ سونے اور گم شدہ شہروں کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔ انہوں نے بھی اس خیال سے آپ کا ساتھ دیا ہے اور اتنا کٹھن سفر کرتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں۔

میں ساربانوں کے پاس گیا اور پوچھا کہ پانی کیسا نکلا؟ ان کا جواب تھا کہ بہت اچھا پانی ملا ہے۔ انہوں نے جو رنگ دار پتھر جمع کیے تھے، سامنے بکھیر دیے۔ عبدالرشید نے اونٹ کی پرانی پالان دکھائی جو اسے وہاں سے ملی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے بہت حیرت ہوئی۔ یہی اندازہ ہوتا تھا کہ شاید کوئی قدیم بستی تھی یا پھر مزارتاغ کی پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ کوئی تجارتی راستہ گزرتا تھا۔ میں جانے لگا تو عیسیٰ پولتا نے بتایا کہ پانی کی تلاش میں انہوں نے جو کنواں کھودا ہے، اس سے پانی تو مل گیا ہے لیکن وہ نمکین ہے، اونٹ اسے پی کر بیمار پڑ جائیں گے یا مر جائیں گے۔ کل تک ہم پانی تلاش نہ کر سکے تو آدھے اونٹ تو پیاس کی شدت کے باعث مر جائیں گے۔ رچرڈ پیچش کے باعث بہت نحیف ہو گیا تھا۔ کیا وہ زندہ بچے گا؟ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ صورت حال خاصی خراب تھی، آدھے ساربان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر، سونے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

میں ریوپرٹ کی طرف گیا جس نے انگلستان سے رابطے کے لیے مرکز قائم کیا تھا۔ ہم دونوں اندھیرے میں کھڑے، سیٹلائٹ سے ٹیلی فون آنے کا انتظار کرتے رہے۔ اس دوران میں جنریٹر چلنے کی آواز نے فضا میں تحرک پیدا کیے رکھا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو حیرت سے اچھل پڑے اور اس کالے باکس کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ ریوپرٹ نے ریسیور اٹھایا، وقفے وقفے سے ہیلو، ہیلو کہا اور پھر تکلا مکان سے بول رہے ہیں، کی آواز بلند کی۔ ہماری ہنسی چھوٹ گئی۔ صحرا میں یہی تو ایک ٹیلی فون تھا جو ریوپرٹ نے بڑی محنت سے قائم کیا تھا۔ دوسری طرف سے ٹینا کی آواز آئی، وہ کہہ رہی تھی کہ ''سنڈے ٹائمز'' والوں کا کہنا ہے کہ وہ مہم کے بارے میں تفصیلی رپورٹ شائع کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں زیادہ دلچسپی اس سے ہے کہ مہم کہاں تک پہنچی ہے۔ ٹینا اپنے گھر کے ٹیلی فون سے بات کر رہی تھی۔ وہ بچوں کو لے کر سکول جانے کے لیے نکلنے والی تھی، اس کی آواز میں کوئی گرم جوشی نہیں تھی۔ وہ اس طرح بات کر رہی تھی کہ ہم صحرا سے نہیں بلکہ شہر ہی کے کسی کونے سے بات کر رہے ہیں۔ ہماری

گفت گو مختصر رہی، میں اسے اپنی صورت حال کی سنگینی کا احساس نہیں دلا سکا۔

ہمیں بس ایک ہی فکر تھی کہ اونٹوں کے لیے پانی مہیا ہو جائے، لیکن کہاں سے؟ درجہ حرارت 115 فارن ہائیٹ تک جا پہنچا تھا۔ ہوا بند تھی، تسکین کی کوئی صورت نہ تھی۔ ساربان جھلاّنے لگے تھے۔ وہ اپنا غصہ اونٹوں پر نکالتے، انہیں بے وجہ مارتے، اگر رسّا ٹوٹ جاتا تو وہ اونٹوں کو ذمہ دار سمجھ کر مارنے لگتے۔ کوئی اونٹ سُست رَو ہو جاتا تو سارا غصہ اس پر نکالتے۔ میں اور ریو پرٹ سب سے آگے چل رہے تھے۔ شدید گرمی کا اثر انسانوں اور جانوروں پر یکساں تھا۔ میرا رنگ کالا پڑ گیا تھا۔ اونٹوں کے کوہان سکڑ گئے تھے۔ یہ پانی اور خوراک کی کمی کا نتیجہ تھا۔ اونٹوں میں طاقت کی کمی کا اظہار اُن کی سُست رفتاری اور لڑکھڑانے سے ہوتا تھا۔ ساربانوں کی گیٹ کی جگہ، اونٹوں کی ڈولی نکالنے اور زور زور سے ڈکارنے نے لے لی تھی۔ قطار کے آخری آٹھ اونٹوں کی حالت میرے لیے پریشان کن تھی۔ صبح ساربانوں نے ان پر سب سے بھاری سامان لادا تھا۔ وہ اسے اٹھا کر چلنے کے لیے زور لگا رہے تھے۔ ان میں سے ایک اندھا ہو گیا تھا۔ اس سبب سے وہ قدم قدم پر رکنے اور گرنے لگا، کمزور اونٹوں پر زیادہ بوجھ لادنے کا مقصد یہ تھا کہ جب تک وہ کام کر سکتے ہیں، کریں، یا پھر ہلاک ہو جائیں۔ جن اونٹوں کی صحت اور حالت اچھی تھی، انہیں بچا بچا کر رکھا جا رہا تھا تا کہ وہ مہم کو دور تک لے جا سکیں۔

اس روز رچرڈ اونٹ پر سوار رہا۔ جس کے باعث کی اس کی صحت اور توانائی قدرے بہتر ہو گئی۔ سہ پہر کو گرمی تیز ہو گئی، میں دعا کرنے لگا کہ خدا ہوا چلا دے تا کہ کچھ تو سکون ملے اور دم میں دم آئے۔ ہم تھکے ہارے چلتے گئے اور اس حالت میں بارہ میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ کارروان دو میلوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اس کے اگلے حصے اور پچھلے حصے میں دو میل کا فرق تھا۔ سہ پہر کو ہمیں پہاڑ کی ایک چوٹی اس طرح آگے کو نکلی ہوئی نظر آئی جیسے کسی بڑے جنگی جہاز میں نظر آیا کرتی ہے۔

امیر، جو میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، پکارا، لوئیس تاغ۔ میں حیران تھا کہ اس نے کس طرح پہاڑ کے اس حصے کو نام دے لیا ہے۔ اس نے ''لوئیس تاغ'' کا نام دہرایا اور اپنی ٹھوڑی اوپر اٹھاتے ہوئے منہ میری طرف کر لیا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں

خاموش رہنے کی بجائے کوئی بات کروں اور پہاڑ کی چوٹی کو اس نے جو نام دیا ہے، اس کے بارے میں پوچھوں۔ مجھے مشرق وسطیٰ کے سفر کے دوران میں ملنے والے بدو یاد آئے، جو جدید دور کے نقشوں سے نابلد، اپنے اجداد کے سنے سنائے قصوں کی بنا پر صحرا میں اپنے لیے صحیح راستہ تلاش کر لیتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ریوپرٹ نے ایک جگہ تلاش کر لی، جہاں کچھ سبزہ تھا۔ یہاں پانی ملنے کا امکان تھا۔ میں نے اسے کریم کے ساتھ آگے جانے اور آزمائشی کنواں کھودنے کے لیے کہا، اس نے وہاں پہنچ کر اشارہ کیا کہ یہاں پانی ملنے کا قوی امکان ہے۔ اس نے کہا کہ میں ریڈیو عیسیٰ کو دوں اور اسے بتاؤں کہ اسے کس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس نے کریم کی آواز سنی تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ یہ ان کی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ انہوں نے نئے دور کے مواصلاتی آلے کا استعمال سیکھ لیا تھا۔ عیسیٰ نے مجھے بتایا کہ کریم کا کہنا ہے کہ یہاں پانی مل سکتا ہے، باتوں میں وقت ضائع نہ کرو، کنواں کھودنا شروع کر دو۔

ہم باری باری کھدائی کرتے رہے۔ اس امید کے ساتھ کہ اونٹوں کے لیے وافر مقدار میں پانی مل جائے گا۔ اونٹ سیر ہو کر پانی پئیں گے۔ ریت میں رطوبت بڑھی اور اس کی خوشبو اونٹوں تک پہنچی تو وہ دوڑے آئے اور اس جگہ کے گرد گھیرا بنا کر کھڑے ہو گئے۔ امیر نے گیلی ریت مٹھی میں لے کر سونگھی اور چکھی، ہم دعا کر رہے تھے کہ خدا کرے، پانی میٹھا ہو۔ نمکین اور کڑوا نہ ہو، تاکہ اونٹ پی سکیں۔ اگر نمکین نکل آیا تو میں اپنا سارا سامان باندھ کر مشرق کا رخ کروں گا کہ شاید وہاں پانی مل جائے۔ امیر پکارا، ''مل گیا، مل گیا،'' اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ ہم ایک نئی آزمائش سے بچ گئے تھے۔ ساربانوں نے اونٹوں کو کٹے ہوئے ٹینوں میں پانی پلانا شروع کر دیا۔ میں نے برطانوی اور چینی ٹیم کے ارکان کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ وہ فاضل خوراک، غلہ اور آلات پھینک دیں، میرا اندازہ تھا کہ ہمیں دس روز کی سپلائی درکار تھی۔ اتنے میں ہم مزار تاغ پہنچ جائیں گے۔ اونٹوں سے بوجھ کم کر کے ہی قافلہ کی رفتار بڑھا سکتے ہیں۔

اس رات میں نے پورے چاند کی روشنی میں اپنی ڈائری لکھی۔ میں نے سوچا کہ میرے خاندان کے لوگ بھی پورا چاند دیکھ رہے ہوں گے اور میری بہ حفاظت

واپسی کی دعا کر رہے ہوں گے۔ تین ماہ بعد جب میں واپس گھر پہنچا تو میرے چار سالہ بیٹے جیک نے بتایا کہ ''میں پورا چاند دیکھنے کے لیے اپنی چارپائی باہر گھسیٹ لایا تھا اور سوچ رہا تھا کہ آپ بھی صحرا میں چاند دیکھ رہے ہوں گے۔'' چاند بھی ایک دوسرے کے دلوں کا حال پہنچانے کا بڑا عجیب خاموش وسیلہ ہے۔

شام پڑتی تو ہم آگ کے گرد بیٹھ کر باتیں کرتے، ایک دوسرے کے دکھ سکھ کی باتیں، لطیفے سناتے، ہنسی ٹھٹھول کرتے اور خوب دھوم مچاتے۔ اس رات تو ہم اور بھی خوش تھے، دن میں ہم نے جی بھر کر پانی پیا تھا۔ مزار تاغ پہنچنے کے لیے ہمیں پینے اور کھانا پکانے کے لیے جتنا پانی چاہیے تھا وہ ہمارے پاس تھا۔ صرف دو مقامات پر پانی ملنے کی آس لے کر ہی روانہ ہوئے۔ رچرڈ بڑے اچھے موڈ میں تھا۔ اس کی ہمت اور قوت برداشت ہم سب کے لیے لائق تقلید تھی۔ یہ اسی کا مرحلہ تھا کہ شدید پیچش کی صورت میں بھی، وہ چالیس میل تک چلتا آ رہا تھا۔ اس عرصے میں اس کی زبان پر کوئی حرف شکایت نہیں آیا، نہ صحرا کی سختی، نہ گرمی کی شدت۔

میرا گھٹنا بدستور درد کر رہا تھا۔ دن میں درد اور سوجن دور کرنے کی دوائیں دو مرتبہ لینا پڑتیں۔ مجھے یقین تھا کہ جس حال میں بھی تھا، گھٹنا ساتھ دیتا رہے گا۔ ہمیں ابھی 620 میل کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ اس میں 2 ماہ لگ سکتے تھے۔ ایک اَن جانے صحرا میں جو کلفتوں اور آزمائشوں کی آماج گاہ تھا، ہمیں منزل تک رسائی کے لیے سفر جاری رکھنا تھا۔

ڈائری لکھنے کے بعد میں اپنے سلیپنگ بیگ میں پیٹھ کے بل لیٹ کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا، ایک تارا ٹوٹا اور روشنی کی لکیر بناتے ہوئے ڈوب گیا۔ میری دعا تھی کہ تکلا مکان صحرا کو عبور کرنے کی کوشش کامیاب ہو۔ ریت کے ٹیلے ہمارے لیے اجنبی نہیں رہے تھے۔ ہم ان میں سے گزرتے آ رہے تھے۔ لیکن خطرے نہیں ٹلے تھے۔ ہم خطروں میں گھرے ہوئے، صحرا کے رازوں سے آشنا ہو رہے تھے۔ مہم کی کامیابی تک چند اونٹ اگر جان ہار دیں تو اس تکلیف کو برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن کسی انسانی جان کا جانا، ناقابل تلافی صدمے کا موجب ہوگا۔ کوئی حادثہ اس کا سبب بنتا یا پانی کی قلت جان لیوا ثابت ہوتی۔ میری خواہش تھی کہ سبھی صحیح و سالم اپنی منزل

تک پہنچیں۔ ہماری ٹیم نے مربوط شکل اختیار کر لی تھی۔ ہر فرد نے اپنی انفرادیت کو ٹیم کی اجتماعیت میں ضم کر دیا تھا۔ ہر ایک کو اجتماعی مفاد عزیز تھا۔ درپیش چیلنج نے ہمیں جہاں بے پناہ قوت بخشی تھی، وہاں ہمیں ایک لڑی میں بھی پرو دیا تھا۔ ہمارے دو دشمن تھے۔ ایک صحرا، دوسرا وقت۔ ہم دونوں کے خلاف نبرد آزما تھے۔ دونوں نے ہمارے چھوٹے سے قافلے کے خلاف اتحاد کر لیا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے ایک اور تارا ٹوٹتا دیکھا اور دوسری تمنا کی، اپنی اور خاندان کے افراد کی صحت اور خوش حالی کی۔ سونے سے پہلے مجھ پر عدم تحفظ کا احساس حاوی ہو گیا۔ میں نے اپنے باپ کے بارے میں سوچا، میں نے ان کی جو ریشمی جیکٹ پہن رکھی تھی، اس کی نرمی اور گرمی محسوس کی اور لگا کہ وہ مجھے دیکھتے رہے ہیں۔ مجھے علم تھا کہ میرے عقائد، میرے لیے قوت کا منبع ہیں۔ میں نے پہلو بدلا اور سو گیا۔ کل کیا پیش آنے والا ہے، اس کے بارے میں سوچنا بند کر دیا تھا۔

اگلے چار روز میں ہم نے ساٹھ میل کا فاصلہ طے کیا۔ اس دوران میں کبھی ہموار اور کبھی ریتلے ٹیلوں میں سے گزرنا پڑا۔ ہم ان دنوں ہوا سے محروم رہے اور گرمی اور تپش سے جھلستے رہے۔ دوپہر کے کھانے کے لیے دو دو چار چار کی ٹکڑیوں میں بٹ کر بیٹھ گئے۔ اور بدمزہ بسکٹ زہر مار کرنے لگے۔ ہموار زمین پر ہماری رفتار قدرے بہتر ہو گئی۔ لیکن قدم اٹھاتے ہوئے بڑی تکلیف ہوتی۔ پاؤں پر چھالے پڑ گئے تھے۔ اونٹوں کا بوجھ ہلکا ہو جانے کے سبب سے زخمیوں کو اونٹوں پر سواری کرنے کی سہولت میسر آنے لگی۔ چند روز سے میرا گھٹنے کا درد بڑھ گیا تھا۔ میں نے اونٹ پر سواری کرنا شروع کر دی۔ میں اونٹ پر بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگا اور پھر سو گیا۔ گدی کے ہلانے کے باعث میں جاگ گیا۔ ریو پرٹ اور کیرولین سے کہا کہ وہ بھی اونٹ پر سوار ہو جائیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ تکلا مکان صحرا کو پاپیادہ چل کر عبور کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ میرے دل میں ان کے لیے احترام اور توصیف کا جذبہ تھا۔ عیسیٰ اپنے پسندیدہ اونٹ پر سوار تھا۔ چوڑا چکلا ہاتھ، سیدھی کمر، لمبی سفید داڑھی اور نیلی جیکٹ جو چھاتی کے قریب رسی سے بندھی ہوئی تھی۔ وہ بڑا دل کشا منظر پیش کر رہا تھا۔ اس نے اپنے اونٹ کو بھگانا شروع کر دیا۔ اس کا اونٹ تیز تیز قدموں سے میدان کے

واحد پاپولر درخت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اونٹ درخت کی جھکی ہوئی ٹہنیوں سے الجھتا جا رہا تھا۔ ہم ڈرے کہ عیسیٰ ابھی گرتا ہے اور ہڈی پسلی تڑوا لیتا ہے، لیکن وہ صاف بچ گیا۔ اس پر درخت کے پتے پھیلے ہوئے تھے اور کچھ نہیں ہوا تھا۔

ریتلے پہاڑوں میں سے گزرتے پانچ دن ہو گئے تھے۔ ریوپرٹ اونچے ٹیلے پر چڑھ کر مناسب راستہ منتخب کر رہا تھا۔ اچانک اس کی آواز آئی، ''سبزہ، سبزہ،'' ہم نے اس کے اشارے کے مطابق رخ بدلا اور گہری ریت میں مشکل سے قدم اٹھاتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے آگے درخت اور جھاڑیوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ہمارے پیچھے ریت کے پہاڑ تھے اور آگے سرسبز درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ ہم اس طرح کا دل فریب منظر دیکھنے کے لیے ترس گئے تھے۔ ''الحمدللہ،'' ہم پکار اٹھے۔ ساربانوں نے گیت گانا شروع کر دیے تھے۔ ہمارے لیے یہ وادی، بہشت سے کم نہیں تھی۔ جس میں دودھ اور شہد کی ندیاں بہنے کی بشارت دی گئی تھی۔ ہم نے وادی میں اترتے اور سبزہ و گیاہ میں سے گزرتے ہوئے یوں محسوس کیا جیسے ہم کسی گھنے جنگل میں سے گزر رہے ہوں۔ میں نے چاہا کہ درخت باتیں کرنے لگیں اور بتائیں کہ اتنے طویل عرصے میں ان پر کیا بیتی آئی۔

4- اکتوبر کو میں نے بارنی کی آواز سنی، لگتا تھا جیسے وہ دنیا کے دوسرے سرے سے بول رہا ہو۔ اس نے بتایا کہ وہ مزارتاغ کے لیے روانہ ہو رہا ہے، دو روز میں وہاں پہنچ جائے گا۔ امدادی ٹیم سے ملنے کی خوشی سے ہم سبھی سرشار ہو گئے۔ تمام تر مشکلات کے باوجود صورت حالات میں بہتری کے آثار نمایاں تھے۔ پانچ چھ روز کا سفر باقی تھا۔ ہمارے پاس 400 لٹر پانی موجود تھا۔ یعنی 4 لٹر پانی فی کس، اگر کوئی حادثہ پیش نہ آیا تو یہ پانی باقی کے سفر کے لیے کافی تھا۔ پانی کا ضیاع، ہماری مستقل سردردی کا موجب تھا۔ اگر ہم پانی کو بخارات بن کر اڑ جانے سے روکنے کے لیے کنٹینروں پر گھاس پھوس باندھ سکتے تو اچھا ہوتا، لیکن خواہش کے باوجود ہم ایسا نہیں کر سکے۔

میں نے 5- اکتوبر کی ڈائری میں لکھا:

''صبح ہوتی ہے اور گزر جاتی ہے، اسے دیکھنے اور محسوس کرنے کا وقت نہیں

ملتا۔ ہم سامان اکٹھا کرنے، لادنے اور باندھنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ میں نے شمال کی طرف دیکھا، زرد آسمان کے پس منظر میں آسمان پر وینس کو چمکتے اور زمین پر ہریالی کو ہلکورے لیتے دیکھا۔ درختوں کے قریب ساربانوں نے آگ جلائی ہوئی تھی۔ وہ اٹھے اور نماز ادا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ان کے چہروں پر ابھی تک ریت موجود تھی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو الاؤ کے گرد بیٹھ گئے اور اپنے پاؤں آگ کے سامنے رکھ کر گرم کرنے لگے۔ عیسیٰ پولتا ہماری طرف آیا تو ہم نے اس کا خیر مقدم کیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ واپس ہو گیا، ہماری آگ بجھ گئی۔ مزارتاغ ہمارے بائیں جانب تھا۔ ریو پرٹ کے ساتھ دو گھنٹے تک چلے۔ ریت پر چھوٹے چھوٹے، ہر طرح کے رنگوں والے گول، چپٹے اور نوک دار پتھر پھیلے ہوئے تھے۔ رات کو گوارا ہوا چلتی رہی۔ ہم نے اٹھارہ میل کا فاصلہ طے کیا تھا۔ مزارتاغ تک پہنچنے میں تین چار دن لگ سکتے ہیں۔ جس راستے سے ہم نے صحرا عبور کیا، اس سے کبھی کوئی نہیں گزرا۔ رچرڈ کی صحت بہتر ہے البتہ کمزوری باقی ہے۔ ریو پرٹ اور میں آبلوں اور زخموں کے باعث درد محسوس کر رہے ہیں لیکن عام طور پر ہماری حالت پہلے کی نسبت بہت بہتر ہے۔ کیتھ تھکا ہوا ہے، ہیمی تاغ پہنچ کر اس نے سوچنا شروع کر دیا تھا، اب منزل آ گئی، سفر تمام ہوا۔ اگلے پانچ چھ روز کے سفر کے لیے جس ارادے اور ہمت کی ضرورت تھی، وہ اس نے چھوڑ دیا۔ اس کے پاؤں بری طرح زخمی ہیں۔ اس نے تین ہرن دیکھے، جو وادی میں موجود سبزے پر زندہ رہ سکتے ہیں۔

دو دن بعد ریت کا طوفان اٹھا اور ہمیں صحرا میں بیتے پُرخطر دنوں کی یاد دلا گیا۔ میرا خیال نہیں تھا کہ یہ طوفان اتنا شدید ہو گا، میں نے ہر ایک سے کہا کہ وہ اونٹوں کے پاس رہے، میں کارروان کے آگے اور ریو پرٹ اس کے پیچھے تھا۔ ہم نے ریڈیو پر ایک دوسرے سے رابطہ رکھا ہوا تھا۔ چینی کالے طوفان سے سخت ڈرے ہوئے تھے، جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ جب اٹھتا ہے تو دن کو رات میں بدل دیتا ہے۔ گیو نے مجھے بتایا کہ موسم ایک لمحے میں بدل سکتا ہے اور مہم کالے طوفان کی زد میں آنے کے سبب سے دو حصوں میں منقسم اور ناکام ہو سکتی ہے۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ بہار سے پہلے اور گرما میں اس طرح کے طوفان اٹھا کرتے

ہیں، لیکن وہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

طوفانی ہوا، بگولے کی شکل میں چلتی، بگولے ریتلے ٹیلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے اور رقص کرتے آسمان کی طرف اٹھتے چلے جاتے۔ فضا ریت اور غبار سے اس طرح بھر گئی تھی کہ قریب ترین ٹیلے بھی دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ہم بس یہی کر سکتے تھے کہ سبھی لوگ اور جانور ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ اگر ان میں سے کوئی الگ ہو گا تو اس طوفان میں اس کی آواز بھی نہیں سنائی دے گی۔ طوفان کی بھیانک آواز نے باقی سب آوازوں کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ قافلے سے بچھڑ جانے والے ہمیشہ کے لیے کھو جاتے ہیں۔

مجھے خدشہ تھا کہ تکلا مکان کے ریتلے طوفان کی دہشت کا سامنا نہ کرنا پڑ جائے۔ ہم زندہ بچے تو یہ دعویٰ کر سکیں گے کہ ہم نے صحرا کی ہر سختی جھیلی اور ہر مصیبت کا مقابلہ کیا۔ جب طوفانی بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ لیا اور افق غبار کے سبب سے نظروں سے اوجھل ہو گیا تو میں جی ہی جی میں ڈرنے لگا کہ میں نے گیو کو جو یقین دہانیاں کرائی تھیں، پانی کے بلبلے کی طرح ہوا میں تحلیل نہ ہو جائیں۔

دوپہر تک گھپ اندھیرا چھایا رہا، اس کے بعد وقفوں کے ساتھ ملگجی سی روشنی دکھائی دے جاتی۔ کئی بار ریت آمیز ہوا کے اتنے شدید تھپیڑے لگے کہ ہمارا دم گھٹنے لگا جب جھکڑ زور باندھتا تو ہم گھٹنوں کے بل بیٹھ کر منہ زمین پر رکھ دیتے یا اونٹ کی محفوظ طرف کے ساتھ لگا دیتے۔ طوفان کی شدت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اونٹ بھی اپنی پیٹھ ہوا کی طرف موڑ دیتے اور گردن کو زمین پر لگا دیتے۔

دوسری صبح فضا قدرے صاف تھی، بیمار اور کمزور ساتھیوں کو اونٹوں پر بٹھایا جا سکتا تھا۔ ایک رات پہلے ساربانوں نے آدھا کنواں کھودا اور پھر سونے کی تلاش میں نکل گئے۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں مزارتاغ سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے ان کا یہ رویہ اچھا نہیں لگا۔ عیسیٰ پولتا نے بھی یقین دلایا کہ اونٹوں کو رات پانی پلایا جائے گا۔ اس پر ان سب کو چلتے جانے کی سزا دی گئی۔ انہوں نے بہتیرے عذر پیش کیے۔ عیسیٰ نے مجھے کہا کہ ''آپ نے ساربانوں کو نقشہ دکھایا تھا''

''ہاں، دکھایا تھا، لیکن صرف راستہ طے کرنے کے لیے۔''

''پھر آپ نقشہ لے کر ٹیلے کے پیچھے چلے گئے تھے؟''

''ہاں۔''

''ہم نے سوچا کہ آپ سونے کے ذخائر کی نشان دہی کریں گے۔''

''پھر؟''

''ہم اپنی کدالیں لے کر چلے گئے جب واپس آئے تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ اب ایسے میں پانی ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔''

اس نے اپنی آنکھیں اونٹوں پر سے نہیں ہٹائیں، جنہیں لادنے کے لیے بٹھایا گیا تھا۔ میں جب عیسیٰ پولتا کو سخت سُست کہہ رہا تھا، ساربان مجھے غصے سے دیکھ رہے تھے۔ بات بڑھانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اونٹوں نے پانی نہیں پیا تھا۔ اب اس پر مزید بات کیا ہوسکتی تھی۔ مزار تاغ تک پہنچنے میں دو دن لگ سکتے تھے۔ اس لیے خفگی بے سبب نہ تھی۔ میں ساربانوں سمیت ان کے رہنما عیسیٰ کو بتانا چاہتا تھا کہ انہوں نے کوتاہی کی ہے۔ میں نے کہا کہ اونٹوں کو دو کنستر پانی پلایا جائے۔ آج کوئی بھی اونٹ پر سواری نہیں کرے گا۔ اونٹوں کو دو دن پانی کے بغیر بہت سا بوجھ اٹھا کے چلنا ہے۔

شمال مشرقی ہوا چلنے لگی تھی، اس سے ریت اور غبار تو ضرور پھیلا لیکن گرمی کی شدت کم ہوگئی۔ ایک ہلکے سویٹر سے بھی کام چل سکتا تھا۔ 200 گز تک بہ مشکل نظر کام کرتی تھی، اس لیے ہم اندھوں کی طرح چلنے لگے۔ صحرا میں ریت کے بگولوں اور آسمان پر گہرے کالے بادلوں کا رقص جاری تھا۔ ہمارے منہ، ناک، کان ریت سے بھر گئے تھے۔ کپڑے اور جسم بھی ریت سے اٹے ہوئے تھے۔ ہم نے منہ اور آنکھیں سختی سے بند کر لیں اور ہوا کے خلاف زور لگا کر چلتے گئے۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ سفر کے آخر میں ہمیں ایسے طوفانی جھکڑ کا سامنا کرنا پڑے گا۔

دو گھنٹے چلنے کے بعد ہی امدادی ٹیم نے ریڈیو پر رابطہ قائم کیا۔ مجھے شک تھا کہ وہ کہیں مزار تاغ پہنچ چکے ہوں گے یا صحرا کے ہموار حصے کو عبور کر کے ہماری طرف آ رہے ہوں گے۔ میں ان سے رابطہ نہ کر سکا۔ صحرا کے اس حصے میں گاڑیاں لے جانا اور چلانا آسان تھا۔ ایک گھنٹے بعد میں نے دوبارہ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی، بارنی کی آواز آئی ''کیسے ہو؟''

''تم کہاں ہو؟'' میں نے پوچھا

''تم فکر نہ کرو،'' میں نے محسوس کیا کہ وہ کہیں ہمارے آس پاس ہی ہے، اچانک مل کر ہمیں حیران کرنا چاہتا ہے۔

ہم باہم ملنے کے قریب تھے، مہم کامیابی سے ہم کنار ہو رہی تھی۔ 200 میل کا دُشوار گزار فاصلہ طے کرنے کے لیے ہم نے بڑی زہرہ گداز مشکلات برداشت کیں۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ اونٹوں کے لیے پانی کہاں دست یاب ہو گا۔ ہمیں کہاں سکون اور راحت نصیب ہو گی اور روز روز کی مسافت سے جان چھوٹے گی۔

طوفان پوری شدت سے جاری رہا، گاڑیوں کی آواز کہیں سنائی نہیں دیتی تھی۔ ایک گھنٹا گزرا، میں نے ایک چیخ سنی اور ہیڈ لائٹس ہماری طرف آتی دکھائی دیں۔ ''آ گئے، آ گئے،'' رچرڈ پکارا، اور ساتھ ہی ریڈیو پر موسیقی کی آواز آنے لگی۔ مارکیٹ سے لے کر اب تک ہم نے موسیقی نہیں سنی تھی۔ ہم نے اونٹوں کو ٹھہرایا اور انتظار کرنے لگے، بارنی کی گاڑی پر یونین جیک لہرا رہا تھا۔ ہارن زور زور سے بجنے لگے اور ہر کوئی زور زور سے چیخنے لگا۔ میرا گلا رُندھ گیا تھا اور دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ یہ سب احساس تفاخر کا اثر تھا۔ گاڑیوں پر ہماری سرپرستی کرنے والوں کے نام اور ''جائنٹ برٹش چینی تکلا مکان ڈیزرٹ کراسنگ 1993'' لکھا تھا۔ سامان سے لدے اونٹ اور ساربان بھی آ پہنچے۔ ہم سب خوش اور شادمان تھے۔

ہم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک بسیط صحرا نظر آیا۔ اس نے ہمارا صبر آزمانے، ہماری ہمت کا امتحان لینے اور ہماری ارادے کی پختگی جانچنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔

صحرا عبور کرنے والی پارٹی اور امدادی پارٹی کے ارکان ایک دوسرے میں گھل مل گئے۔ وہ ایک دوسرے کو سینے سے لگا کر بھینچ رہے تھے۔ ایک دوسرے کو چوم رہے تھے۔ ایک دوسرے کے بوسے لے رہے تھے۔ ان کے جذبات کی شدت کا کوئی اور اندازہ نہیں کر سکتا۔ امدادی پارٹی ہمارے لیے چائے، کافی اور چاکلیٹ لائی تھی۔ ساربان اور چینی الگ بیٹھے تھے۔ وہ ہماری خوشی میں شریک نہیں تھے، ساری غلط فہمیاں، رنجشوں اور اختلافات کے باوجود ہم نے ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا، اکٹھے

مصیبتیں جھیلی تھیں۔ مہم کو برطانوی قرار دیے جانے نے انہیں مشترکہ مہم میں شرکت کے اعزاز سے محروم کر دیا تھا۔ ساربان کیا سوچ رہے تھے؟ اس کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ یہ چینی یا برطانوی مہم کی کامیابی تھی، ساربان اپنے آپ کو الگ تھلگ سمجھتے تھے، اسی لیے دور ہو بیٹھے تھے۔ ساربانوں کی تاریخ پر نظر کریں تو ان کی منکسر مزاجی کو سمجھا جا سکتا ہے۔ ان کی تاریخ نے انہیں پیچھے اور قانع رکھنا سکھایا ہے۔ مہم میں شرکت کے باوجود انہوں نے اپنے آپ کو اشتراک کی سطح تک نہیں اٹھایا تھا۔

چینیوں کے رویے نے مجھے مایوس کیا۔ گیو اُن میں سب سے زیادہ وسیع النظر تھا۔ اس نے بھی منہ سُجا لیا تھا۔ انہوں نے ہمارے ملاپ کو صرف ہمارا معاملہ سمجھا۔ اس لیے لاتعلقی اختیار کیے رکھی۔ دیکھا جائے تو ان کی گاڑیاں، ہماری گاڑیوں کے مقابلہ میں کم تر درجے کی تھیں، چینی اصلاً صحرا میں مہم جوئی پر آمادہ ہی نہیں تھے، وہ زیادہ سے زیادہ امدادی کام کرنے پر اکتفا کرنے پر تیار تھے۔ ان کا اپنا قومی جھنڈا نہیں تھا، ان کی خبر لینے والا بھی کوئی نہیں تھا۔

تمام پہلوؤں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا جا سکتا تھا کہ اس مہم کی کامیابی کا سہرا برطانوی ٹیم کے سر بندھتا تھا۔ اس مہم کا آغاز انہوں نے ہی کیا اور اسے منطقی انجام تک پہنچانے میں مرکزی کردار بھی انہی کا تھا۔ ہماری گاڑیوں نے مزار تاغ کا رخ کیا تو گیو، کیولائی اور زہانگ ہوا پہلی بار کارروان سے نکل کر سب سے آگے چلنے لگے۔ وہ ریت کے طوفان کی زد میں آ گئے۔ ان کے پاس قطب نما یا کوئی نقشہ نہیں تھا۔ لاؤزہاؤ جو ہمارے درمیان رہا تھا، وہ ایک اونٹ کے سہارے نکل کر کھڑا ہوا۔ ساربانوں میں سے کسی نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ یہ قطعی طور پر واضح ہو گیا کہ مہم کی اصل طاقت برطانوی ارکان کے پاس تھی۔ وہی اول و آخر اس کے منتظم اور محرک تھے۔ ساربانوں نے مہم کی کامیابی میں جو کردار ادا کیا تھا، اس کا اعتراف کیا جانا لازم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے مہم کی کامیابی میں مثبت حصہ بٹایا تھا۔

ہم سب بہت تھک گئے تھے۔ مزار تاغ تک کا دس میل کا فاصلہ، بیس میل کا لگتا تھا جسے ہمیں ہر حال میں طے کرنا تھا۔ قدم گھسیٹ کر چلنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ ہمارے جسم مشینی صورت اختیار کر گئے تھے۔ ایک قدم اٹھتا تو دوسرا قدم اس

کے آگے آ جاتا۔ عبوری اور امدادی ٹیموں کے ملاپ کا وقت گزر گیا تھا اور اس لمحے جو ولولہ پیدا ہوا تھا وہ بھی باقی نہیں تھا۔ جسم اب سرتاپا درد تھے، عناصر قدرت نے ہمیں پیٹ پیٹ کر ادھ موا کر دیا تھا۔ سامنے دو سو میل کا سفر تھا اور ہمارے جسم آرام کے لیے پکار کر رہے تھے۔ ہم ایک دن کیا، ایک گھنٹے کے لیے بھی نہ سستا سکے تھے اور نہ آرام کر سکے تھے۔ ہمیں ہر حال میں روزمرہ کی ذمہ داریاں پوری کرنا تھیں، ہم مزار تاغ پہنچ کر کمر کھولنے اور سیدھی کرنے کا سوچ رہے تھے۔ اس کے بعد ٹانگوز بستی کی طرف کوچ کرنے کا مرحلہ آتا۔ ابھی 580 میل کا فاصلہ طے کرنا باقی تھا۔

باب 8

مزار تاغ

یہ 1908 کے بہار کے دن تھے، جب ایورل سٹین اپنے فاکس ٹیریئر کتے ڈیش کو لیے جنوبی شاہراہِ ریشم کے ساتھ چلتا ہوا مغرب کی جانب کاشغر کی طرف مڑا۔ گزشتہ پانچ مہینوں کے دوران میں اس نے تکلا مکان کی مشرقی سرحد کے پاس کئی قدیم بودھ آثار دریافت کیے، اس کے پاس نوادر کا وسیع ذخیرہ تھا، جسے بیل گاڑیوں کے ذریعے وسطی ایشیا تک اور وہاں سے ٹرین کے ذریعے جہاز تک لے جایا جانا تھا۔ یہ نوادر لندن برٹش میوزم میں پہنچنا تھے۔ اس نے ترکستان کے سرما کے مہینوں میں اکیلے سفر کی صعوبتیں برداشت کی تھیں۔ اس کو اگر کچھ مدد حاصل تھی تو مقامی لوگوں کی تھی، وہ چینی باغ میں برطانوی کونسل کے گھر پہنچنا چاہتا تھا، وہاں اس کی ڈاک آئی ہو گی، دوسرے اسے اپنے دوستوں سے گفتگو کا موقع مل سکتا تھا۔

سٹین جب ہوتن پہنچا تو اس نے مزار تاغ کے پراسرار پہاڑی صحرا میں قدیم آثار کی موجودگی کے بارے میں سنا، قدیم آثار اور نوادر کی تلاش کی پیاس اس میں جاگ اٹھی، اس نے ہوتن دریا کے مغربی کنارے پر چلتے ہوئے شمال کا رخ اختیار کیا۔ اسے ایک مقامی کریم اخون کی مدد اور رہنمائی حاصل تھی۔ سات دن چلتے رہنے کے بعد وہ سنگلاخ اور سرخ چوٹیوں تک پہنچا، اس نے 200 فت بلند چوٹی پر سے وسیع ریتلے دریا کے وسط میں ایک چھوٹا سا قلعہ دیکھا جو شاید دریا کے ساتھ کے راستے کی حفاظت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس نے تین دن تک علاقے میں کھدائی کی اور کئی

چینی، تبتی اور براہمی آثار دریافت کیے۔ قدیم رسم الخط کے نایاب نمونے بھی ملے۔ وہ رات کو اپنے خیمے میں بیٹھ کر پیرافین لیمپ کی روشنی میں ان اشیا کو دیکھتا اور اندازے لگاتا رہتا۔ اس نے معلوم کیا کہ یہ نوادر آٹھویں اور نویں صدی کے دوران میں تبتی حملوں کے دَور کے ہیں۔ سٹین نے ان نوادر کی تصاویر اور ضروری معلومات اپنی کتاب میں شائع کیں۔

8-اکتوبر کو جب ہم نے قلعہ دیکھا تو میں نے سٹین کی کتاب Ruins of Desert Cathay) کے حوالے سے اسے فوراً پہچان لیا۔ میں اپنے سلیپنگ بیگ میں لیٹا ہوا تھا۔ میں نے سگریٹ سلگایا اور آرام کرنے لگا، دو دن پہلے کی مشقت کے باعث میرا گھٹنا شدید درد کرنے لگا تھا۔ ہم نے چالیس میل کا فاصلہ طے کیا تھا۔ عام حالات میں یہ کوئی اتنا طویل فاصلہ نہیں تھا۔ لیکن جب اتنا کچھ دیکھ لیا تھا اور ہم پر اتنا کچھ بیت گیا تھا، یہ فاصلہ بھی بہت طویل لگتا تھا۔ ہمارا کیمپ، ایک چٹان کی جنوب مغربی طرف تھا، اس سبب سے صبح کو سورج نظر نہیں آتا تھا۔ میرا دھیان سٹین اور ان تبتی شجاعوں کی طرف گیا، جنھوں نے شاید یہیں کہیں پڑاؤ کیا ہوگا۔ چینی افسر، سپاہی، سوداگر، ساربان کئی صدیوں سے اس علاقے سے گزرتے رہے ہوں گے۔ انہوں نے ان چٹانوں کو بھی ضرور دیکھا ہوگا۔

صبح کا ناشتہ پہلے بالعموم رات کے بچے کھچے کھانے پر مشتمل ہوتا تھا۔ جس میں ریت اور جانے اور کیا کچھ ملا ہوتا۔ پھر اونٹوں پر سامان لادنے کا مرحلہ آتا۔ لیکن آج معمول سے ہٹ کر ہم نے دلیہ کھایا، کافی پی اور جی بھر کر انڈے کھائے۔ مارکیٹ کے بعد سے پہلا مناسب ناشتہ تھا، جس میں ہم نے چھری، فورک اور چمچ استعمال کیا۔ امدادی ٹیم نے ہمیں آرام پہنچانے کے لیے سب کچھ کیا۔ ہمارا سفر مشقتوں، شکوک و شبہات، خطروں اور احساس تنہائی کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ اس میں بس ناشتے کے دوران میں ہی کچھ راحت نصیب ہوئی۔

میں نے بارنی کے ساتھ گاڑی کی اگلی نشست پر بیٹھ کر اگلے مرحلے کے سفر اور مہم کے آخری حصے میں پیش آنے والی مشکلات کے بارے میں پیش بینی کرنا شروع کی۔ بارنی کا ایک اہم مسئلہ مہم کے ختم ہونے کے بعد گاڑیوں کو نکالنے کا تھا۔ چینی جان

تھامس کی اجازت اور ہانگ کانگ پہنچنے کے لیے چین میں سے گزرنے کے لیے راہ داری کے لیے پریشان تھے۔ گاڑیاں اور سامان ہانگ کانگ سے ہی لندن بھیجا جا سکتا تھا۔ دوسرا متبادل راستہ خنجراب کا تھا۔ یہ دشوار گزار تھا، برف باری اور تودے گرنے سے اکثر بند ہو جایا کرتا تھا۔ اگر وہ ہانگ کانگ نہ پہنچ سکے تو انہیں موسم بہار تک گاڑیاں سنکیانگ میں چھوڑنا پڑیں گی۔

میں نے گاڑی میں سے باہر دیکھا، قریب ہی چینی فوج کا ایک ٹرک کھڑا تھا اور اس کے پیچھے ایک بکری بندھی ہوئی تھی اور زور زور سے ممیا رہی تھی۔ اسے کیا علم کہ وہ اور کتنا وقت زندہ رہے گی۔ اسے ساربانوں کے کھانے کے لیے ذبح ہونا تھا۔ میں بارنی کی تشویش میں شریک ہونا چاہتا تھا لیکن مجھے بار بار صحرا کا خیال آتا، کبھی ان مشکلوں کا جو ابھی پیش آنا ہیں۔ گاڑیوں کو نکال لے جانے کی منصوبہ بندی کرنا سردست بے معنی تھی۔

ٹرک کی دوسری جانب خیمے نظر آئے جو چینی نیشنل ٹی وی کے عملے کے لیے گاڑے گئے تھے۔ اسے صحرا کو عبور کرنے کی اختتامی تقریب کی فلم بنانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ہمارے صحرا میں اترنے کی تقریب کی فلم بھی اس عملے نے بنائی تھی۔ اس نے ہم میں سے ہر ایک کا فرداً فرداً انٹرویو بھی لیا تھا اور ہم نے اپنے خاندانوں کے لیے پیغامات بھی ریکارڈ کرائے تھے۔ ہم رات کے گھپ اندھیرے میں کیمپ میں پہنچے تھے۔ جس پر چینی ٹی وی ٹیم سخت ناراض تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ ہمیں دن کی روشنی میں وہاں پہنچنا چاہیے تھا۔ ہم سفر کی سختیوں کے ستائے ہوئے جلد از جلد اپنی منزل پر پہنچنا چاہتے تھے۔ چینی عملے نے مہم میں شریک چینیوں کو ایک خیمے میں لے جا کر انٹرویو کرنا شروع کر دیا۔ میں نے سنا کہ وہ اپنی فتوحات بیان کرنے میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ انہوں نے کس بہادری سے مصیبتیں جھیلیں اور ہر بار موت کے وار کو خالی جانے دیا۔ ان کے اس وعدے پر مجھے حیرانی بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا کہ انہوں نے اپنے طور پر صحرا عبور کیا۔ وہ رات چاول کھاتے اور بیئر پیتے رہے۔ چنانچہ وقت کے ساتھ ساتھ وہ نئی سے نئی کہانی گھڑتے رہے۔ میں حقائق بیان کرنا چاہتا تھا لیکن باہمی مفاہمت اور تعاون کے خیال سے سرِ دست خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا،

چینیوں پر ہوتا تو وہ کب کے مہم کو خیر باد کہہ کر واپس جا چکے ہوتے۔ ایک لاؤ زہاؤ تھا جس نے سچ بولا اور مہم کو جس طرح کے حالات پیش آئے ان کا بلا کم و کاست ذکر کر دیا۔ مجھے کیو لائی پر بہت غصہ آیا جب اس نے اپنی مدح میں جھوٹ کا طوفان باندھنا شروع کر دیا۔ وہ مل جل کر کام کرنے کا سِرے سے اہل ہی نہیں تھا۔ میری مہم کے بارے میں حاشیہ آرائی کرنے کا بھی اسے حق نہیں تھا، کیوں کہ مہم کے بارے میں سوچنے، فیصلہ کرنے، منصوبہ بندی کرنے اور اسے شروع کرنے سے لے کر اختتام تک پہنچانے میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ وہ محض ساتھ چلتا رہا تھا اس کے سوا اس کا کوئی کردار اور کوئی حصہ نہیں تھا۔ دراصل میں مہم کے دوران میں مختلف امتحانوں اور آزمائشوں سے گزرتے گزرتے تھک گیا تھا۔ کسی نوع کی غلط بیانی ناقابل برداشت تھی۔ میں حقائق کو ان کی اصل شکل میں ریکارڈ کرنے کی کوشش میں تھا۔ میں نے صحرا میں جو کارنمایاں انجام دیا اس میں کسی قسم کا دخل مجھے منظور نہیں تھا۔ ذرائع ابلاغ ہوں یا کوئی اور، ان کی حیثیت اجنبیوں کی سی تھی۔ وہ ہماری مہم کے اصل محرک کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ وہ نئے بوٹ اور بے داغ لباس پہنے، اپنے نرم اور گداز ہاتھوں سے مائیکرو فون لیے منہ کے سامنے رکھ کر، میرے خیالات اور میرے الفاظ پر قبضہ جمانے کی کوشش میں تھے۔ مجھے معمولی باتوں پر غصہ آنے لگا تھا۔

میں سخت بد دِلی کے عالم میں خیمے سے باہر نکل آیا اور سامان کے بے ترتیب انبار میں سے اپنی کٹ تلاش کرنے لگا۔ میں جانتا تھا کہ جب تک ہم چین میں ہیں، مہم پر وہ اپنا حق جتاتے رہیں گے۔ ایسا ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ تکلا مکان کو عبور کرنے کی مہم میں برطانیہ کا حصہ ضمنی انداز میں بیان کیا جاتا رہے گا۔ اس رات میں نے چینیوں کی زبان سے جو کچھ سنا اور انہوں نے حقائق کو جس طرح توڑ مروڑ کر بیان کیا، میں اس پر جھنجھلا گیا تھا اور وہاں سے جلد از جلد دور ہو جانا چاہتا تھا۔

بارنی نے مجھ سے پوچھا کیا تم نے وہ چیزیں دیکھی ہیں جو مارک نے دریافت کی ہیں۔ میں نے پوچھا کون سی؟ اس نے بتایا ایک کنگھی جو لکڑی سے بنائی گئی ہے، یہ غالباً بارہ سو سال پہلے کی ہے۔ اسے یہ کنگھی کہاں سے ملی ہے، قلعے سے جہاں سٹین نے 1908 میں کھدائی کی تھی اس نے آثار قدیمہ کی تہہ در تہہ کھدائی نہیں کی تھی۔

اس لیے وہ پوری صحت کے ساتھ حقائق بیان نہیں کر سکا۔ میں نے کہا کہ تم صحیح کہتے ہو لیکن ہم کھدائی کر کے جو آثار دریافت کریں گے، انہیں انگلینڈ نہیں لے جا سکیں گے اور نہ ہی برٹش میوزیم کو پیش کر پائیں گے۔ اس ساری محنت کا ہمیں کون معاوضہ دے گا؟ میں ذاتی طور پر مایوس تھا کہ وسط ایشیا میں ہماری مہم کو وہ اہمیت نہیں دی گئی، جتنی اسے ملنی چاہیے تھی۔ جب ہم چین کے لیے روانہ ہوئے تھے تو برٹش میوزیم نے ہمارے منصوبوں سے، جو ہم اُن کے لیے زیرِعمل لانا چاہتے تھے، لاتعلقی اختیار کر لی تھی۔ اس اہم موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے تھا لیکن میوزیم نے یہ کہہ کر کہ یہ مختصر نوعیت کی مہم ہے جو ان کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں، اپنا دامن چھڑا لیا۔ ممکن ہے کہ چینی ایک روز سٹین کی دریافت شدہ اشیا کی واپسی کا دعویٰ کرنے لگیں۔ یہ جھگڑا چھڑ گیا تو جانے کہاں ختم ہو۔

میں کیتھ اور کیرولین کے ساتھ مزار تاغ کی پہاڑی پر چڑھا، سرخ ریت سے بنی یہ پہاڑی 500 فٹ بلند تھی۔ اس کے گرد ہموار میدان تھا جس پر گھوڑے کے نعلوں کی شکل کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے۔ مشرق کی طرف درختوں اور جھونپڑیوں کی ایک قطار تھی، جس نے دریائے ہوتن اور پیش منظر میں حد فاصل قائم رکھی تھی۔ میں نے سوچا کہ سٹین ڈھلوان کی طرف سے اس ٹیلے پر چڑھا ہوگا۔ میں نے چشم تصور سے دیکھا کہ وہ نوٹ بک میں اپنے مشاہدات لکھ رہا ہوگا۔ اس نے اپنے معاونوں کو کھدائی کرنے کے لیے کہا ہوگا۔ وہ یہ سوچ کر کتنا خوش ہوا ہوگا کہ وہ اس دور افتادہ قلعے میں آثار قدیمہ کی تلاش کے لیے کھدائی کرنے والا پہلا شخص ہے۔ وہ دنیا کو بتائے گا کہ تبتی اور چینی سپاہیوں نے اس قلعہ پر قبضہ کیا تھا اور کھانے کے برتن اور دوسرا سامان دیوار سے باہر کی جانب پھینک دیا تھا۔ یہ چیزیں، دور دراز کے عجائب گھروں کی زینت بنیں گی۔

میں دریا کی طرف دیکھ رہا تھا جس میں نام کو بھی پانی نہیں آتا۔ ٹوٹے پھوٹے برتن تھے، چیتھڑا نما قالین تھی جو شاید کسی بزرگ کے بیٹھنے کے کام آتی ہو۔ مجھے ایک چپل، چمڑے کے چند ٹکڑے اور ایک لکڑی جس پر کوئی زبان کھدی ہوئی تھی، ملیں۔ میں نے یہ چیزیں پلاسٹک کے بیگ میں ڈال لیں تاکہ مہم کے خاتمے کے بعد یہ تعین کیا جا سکے کہ اس علاقے پر کس کا قبضہ تھا۔ میں ان چیزوں کو گھر لے جا سکتا تھا یا اگر

مناسب سمجھا تو چینی حکام کو پیش کر سکتا تھا۔

بارنی دوسرے روز 9-اکتوبر کو برٹش امدادی ٹیم کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ چینی اور ساربان چاہتے تھے کہ ہم دو دن آرام کریں۔ لیکن بارنی ان اشیا کو بھی لے جانا چاہتا تھا جو اس نے ہوتن میں رکھ دی تھیں۔ وہ ایک اور قدیم مقام ڈنڈون یویلک پر جانا چاہتا تھا۔ یہ شاہراہ ریشم کے قریب، ہوتن اور دریائے ندیور کے درمیان واقع تھا۔ وہاں سے وہ واپس شاہراہِ ریشم پر آنے، اناج، پانی اور دوسری اشیا لے کر باٹور کے قریب صحرا کو عبور کرنے والی پارٹی کے دوبارہ آ ملنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ دوسرے وہ چینی ٹیم سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا، جس کی عادات اسے سخت ناپسند تھیں۔ بارنی کے ساتھ رچرڈ بھی گیا۔ اس کا ہمیں افسوس ہوا۔ وہ ہمیں ہنساتا رہتا اور خوش رکھتا۔ ٹیم کے رجحان میں ناراضی پیدا ہوتی تو وہ بیچ بچاؤ کرا دیتا۔ مہم میں اس کا حصہ واقعی بہت شان دار تھا۔ اس نے ہانگ کانگ میں مہم کے لیے جس طرح فنڈ جمع کیے اور جس سفارت کارانہ ہوش مندی سے چینیوں سے معاملہ فہمی کی، ریتلے پہاڑوں پر چڑھنے کے سلسلہ پر جس عزم و حوصلے کا مظاہرہ کیا، غرض اس کا کردار ہر طرح سے لائق تحسین تھا۔ اسے دوسروں کے نام رکھنے کا بھی ملکہ تھا۔ اس نے عیسیٰ پولتا کو شاہِ منگولیا، روسا کو فاجن، لاؤ زہاؤ کو کیلکولس کہنا شروع کیا۔ وہ جب یہ نام پکارتا تو ہم سب ہنسنے لگتے۔ کیا دوسروں کے بھی اس کے بارے میں وہی احساسات تھے جو میرے تھے؟ میں نے کسی سے نہیں پوچھا۔ بہرحال وہ ٹیم کا بہترین رکن تھا۔ اس کی جگہ مارک کیٹو نے لی، جو صحرا میں جانے کے لیے بے تاب تھا۔ بارنی اور فرانسس کا معاملہ یک جان دو قالب کا تھا۔ جان اور اینی میاں بیوی تھے۔ مارک کے فقرے بارنی کو طیش دلانے کا موجب بنتے۔ بارنی اپنے فوجی پس منظر کے حوالے سے توقع رکھتا تھا کہ ہر کوئی اس کا احترام کرے۔ میں نے مارک کی ٹیم میں شمولیت کا خیر مقدم کیا تھا، وہ شریف الطبع تھا۔ رپورٹ سے میرا کچھ اختلاف نہیں ہوا لیکن اس کے رویے کی بنا پر میں اس سے کھنچاؤ محسوس کرتا تھا۔ وہ مہم میں آخری وقت شامل ہوا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ مہم کو چین لے جانے تک کتنا وقت صرف ہو چکا ہے اور ہمیں کتنی محنت کرنی پڑی ہے۔ صحرا عبور کرنے کا مرحلہ تو بعد میں آتا تھا۔

کیتھ بھی امدادی ٹیم کے ساتھ چلا گیا۔ وہ اونٹوں، ریت کے ٹیلوں کی تصویریں کھینچتا تھک گیا تھا۔ وہ نئے موضوعات کی تلاش سے تھا۔ وہ شاہراہِ ریشم پر پہنچ کر فن سے متعلق اپنی حسِ لطیف کی تسکین کرنا چاہتا تھا۔ ہمارا سب سے غیر متوقع پُرسوز وداع مزار تاغ سے ہوا۔ 76 سالہ مردِ بزرگ عیسیٰ پولتا ہوسٹن میں ہسپتال اور پھر شاہراہِ ریشم کے ساتھ ساتھ مارکیٹ میں اپنے گھر روانہ ہوا، اس کے بھتیجے روسا کو اس کی خبر گیری اور تیمارداری کے لیے بھیجا گیا۔ ہمارے پاس صرف چار ساربان رہ گئے۔ لوسیئن، کریم، عبدالرشید اور امیر۔ جس روز امدادی ٹیم مزار تاغ کے مغرب میں ہم سے ملی تھی، اس دِن عیسیٰ پولتا اونٹ سے گر گیا۔ اس کا اونٹ بدک گیا تھا اور عیسیٰ سخت زمین پر گر پڑا۔ وہ کچھ دیر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ ہم ڈر رہے تھے کہ کہیں اس کی جان پر نہ بن جائے۔ خوش قسمتی سے اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس کی دائیں ٹانگ زخمی ہوئی تھی۔ اسے چکر آ گیا تھا۔ کیرولین نے خدشہ ظاہر کیا کہ کہیں اس کی کولھے کی ہڈی نہ ٹوٹ گئی ہو۔ مزار تاغ میں آرام کرنے کے باوجود وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ ہوا۔ گرنے سے اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ تھکا ہوا دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کے ہم عمر چند بوڑھے ہی ان مشکل حالات سے دو چار ہوتے ہوں گے جن سے اسے دو چار ہونا پڑا تھا۔

جب ہمارے رخصت ہونے کا وقت آیا تو وہ بیساکھی کے سہارے کھڑا ہو گیا۔ روسا اسے سہارا دے رہا تھا۔ عیسیٰ نے اپنی بھاری بھنوؤں کے نیچے نم ناک آنکھوں سے مجھے دیکھا، مجھے برسوں پہلے کی وہ الوداع یاد آ گئی جب لارنس آف عربیا کی مہم کی پیروی میں اس نے میرے ساربان کی حیثیت سے میرا ساتھ دیا تھا۔ میں عیسیٰ سے سب کچھ سمجھنا چاہتا تھا۔ لیکن الفاظ اس کے اظہار کے قابل نہیں تھے۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کچھ دیر پکڑے رکھا اور اس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ یوں میں نے اس کے لیے تشکر، احترام اور دوستی کے جذبات کا اظہار کیا۔ میں روسا کی طرف مڑا ''الوداع میرے دوست۔'' اس کا چہرہ اس کے افسوس کا غمّاز تھا۔ ہم جہاں بھی گئے وہ ہمارے ساتھ گیا، وہ خطروں کا سامنا کرنے سے نہیں گھبراتا تھا۔ میں نے اسے گلے لگا لیا۔ میرا گلا رُندھ گیا۔ میرے پیٹ میں بل پڑنے لگا اور میرا دل زور زور سے دھڑکنے

لگا۔ میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ میں تیزی سے پیچھے ہٹا، اپنی چھڑی سنبھالی، اور کارروان کے آگے پہنچ کر آواز لگائی، چلو۔ آگے کے اونٹوں نے چلنا شروع کیا۔ میں نے سوچا کہ میں پیچھے مڑ کر نہیں دیکھوں گا، لیکن میں نے دیکھا عیسیٰ اور روسا کندھے سے کندھا ملائے کھڑے تھے۔ ہمیں جاتا دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھیں میری روح میں اتری جا رہی تھیں۔ میں رونے لگا، آنسو جو انگلستان سے رخصت ہونے کے بعد سے میرے اندر ضبط تھے۔ میرے گالوں پر بہنے لگے۔ تمام تر پریشانی، مشکل اور ڈر کے باوجود جو بلبلہ اب تک محفوظ تھا، پھٹ گیا، اس کے بعد جو تسکین ملی وہ بھی بے حد وحساب تھی۔

باب 9

چینی قید خانہ

10- اکتوبر کی صبح کو جو ٹیم ٹانگوز بستی کے لیے روانہ ہوئی، یہ مختلف تھی۔ اس میں رچرڈ، کیتھ، عیسیٰ اور روسا شامل نہیں تھے۔ دو نئے چہرے شامل تھے، مارک اور ایک عورت کا، عورت ایک چینی صحافی تھی۔ چیونگ چان اس کا نام تھا۔ گیو نے مجھ سے کہا کہ اس خاتون کو ساتھ لے چلیں۔ اس سے چینی ذرائع ابلاغ ہماری مہم کو زیادہ اہمیت دینے لگیں گے۔ میں اس کے خلاف تھا، اس لیے بھی کہ ایک تو وہ ہمارا راشن کھائے گی اور دوسرے اس کا سامان، ہمارے کسی اونٹ کو اٹھانا پڑے گا۔ جب کہ میں نے طے کر رکھا تھا کہ ہر اونٹ مقررہ وزن ہی اٹھائے گا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اگلے سفر میں پہلے کی طرح اونچے اور مشکل پہاڑ اور ٹیلے پیش آنے کا بھی کم ہی امکان تھا۔ اس اعتبار سے کسی بڑے خطرے کی بھی پیش بینی نہیں کی جا سکتی تھی۔ میں نے بالآخر گیو کا کہا مان لیا۔ وہ میرا ساتھ دینے آیا تھا۔ اس کی دل جوئی لازم تھی۔ میں جانتا تھا کہ چینی افسر کسی وقت بھی مہم کو منسوخ کر سکتے ہیں۔ اگر یہ ٹانگوز بستی میں ہوا جہاں وہ کارروان میں شامل چینی ٹیم سے رابطہ کر سکتے ہیں تو کئی طرح کی مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔

میرے خیال میں اگلے پڑاؤ تک مقابلتاً کم خطروں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں نے سٹین کی وہ تحریریں پڑھی تھیں جو اس نے ڈانڈن اویلک کے علاقے کے بارے میں لکھی تھیں۔ ڈانڈن اویلک، مزار تاغ کے پرانے قلعے اور ٹانگوز بستی کے درمیان

واقع ہے۔ یعنی جو راستہ ہم نے چنا تھا اس سے 60 میل جنوب کی طرف تھا۔ سٹین کی یادداشتیں پڑھ کر ہی بارنی نے سوچا تھا کہ وہ اس گاڑی کے ذریعے ڈانڈن اویلک تک پہنچ سکتا ہے۔ لیکن عملاً وہ غلط ثابت ہوا۔ صحرا اسے یا کسی کو بھی کوئی سہولت فراہم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ہمیں اب جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ان کا کچھ تصور نہیں کیا تھا۔ ہماری ٹیم کو علیحدہ رہ جانے کا جتنا شدید احساس اب بدتر ہوا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ ساری امیدیں اور اندازے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ کوئی گاڑی بھی اس جگہ تک نہیں پہنچ سکتی تھی، جہاں اس وقت ہم تھے، اس لیے سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ کوئی ہماری مدد کے لیے وہاں پہنچ سکتا ہے۔ یہ جگہ شاہراہِ ریشم سے 150 میل شمال میں تھی۔ چیونگ چان مہم جُو نظر نہیں آتی تھی، اس نے نیلی جینز، نیلی جیکٹ، چینی آرمی کے صحرائی بوٹ اور سٹرا ہیٹ پہنا ہوا تھا وہ خاصی خوش شکل تھی۔ میں پیوند لگی نیکر، پھٹی ہوئی قمیص پہنے ہوئے مختلف نظر آ رہا تھا۔ تاہم میں پُرسکون تھا، اور وہ بھی۔ کیرولین، ہماری ٹیم کی واحد خاتون ممبر تھی، اُس کا ردِعمل مختلف اور دلچسپ تھا۔

جب ہم مزار تاغ ہی تھے تو ہمارا ایک اونٹ کھل کر نکل گیا۔ ساربانوں نے چار گھنٹے تک اسے تلاش کیا لیکن وہ نہیں ملا۔ فیصلہ ہوا کہ اونٹ کو اس کی قسمت پر چھوڑا جائے۔ وہ سب سے کمزور اونٹ تھا۔ میں سوچتا تھا کہ وہ زندہ بھی رہ سکے گا یا نہیں۔ 29 اونٹ جو بچ گئے تھے۔ ان میں سے آٹھ کمزور تھے۔ ان کا پیٹ خراب ہو گیا تھا۔ دو دن کے آرام اور ہوتن کے کنارے سبزہ چرنے کے باوجود ان کی حالت نہیں سنبھلی تھی۔ سب سے بڑے اونٹ کے پچھلے کولھے پر ہاتھ بھر زخم تھا۔ جب وہ چلتا، زخم میں سے خون بہنے لگتا۔ خوش قسمتی سے ہمیں ٹانگوز بستی میں دس نئے اونٹ مل جانے تھے، جو باقی ماندہ سفر میں ہمارے کام آتے۔ اندھے اونٹ کی حالت ایک مسافر سے زیادہ نہیں تھی۔ جب ہم ہوتن دریا کی خشک گودی کے قریب دو میل وسیع وادی میں سے گزر رہے تھے تو اندھا اونٹ درختوں کے سوکھے تنوں اور شاخوں میں الجھتا رہا۔ دو گھنٹے بعد ہم پھر سے ریتلے ٹیلوں میں آ پہنچے۔ ایسا لگا کہ بچھڑے ہوئے دوست مل گئے ہیں۔ اب چاروں طرف ریت دار ٹیلے تھے۔ آٹھ میل چلے ہوں گے کہ ہم نے پڑاؤ ڈال دیا چینی خاتون خوش خرام ثابت ہوئی۔ اس کے چہرے سے تھکن کے آثار دکھائی نہیں دیتے

تھے۔ اس کے برعکس مارک پانی کی کمی کا شکار تھا۔ وہ شکایت کر رہا تھا کہ اس نے ایک مہینے تک امدادی گاڑی میں سفر کیا تھا۔ پہلی بار کیمپ کی فضا میں اتحاد کا عنصر نمایاں ہوا تھا۔ تینوں ثقافتی گروپوں میں جو اختلافات ابھر آئے تھے، ختم ہو گئے۔ مزار تاغ میں امدادی ٹیموں میں مشترکہ مفادات اور مقاصد کا احساس نمایاں ہوا۔ صحرا اب ہمارا دشمن نہیں تھا۔ ہمارے لیے اس میں کوئی حیرت بھی نہیں تھی۔ مارکیٹ سے مزار تاغ کے درمیان سفر نے ہمیں نیا اعتماد دیا تھا۔ میں نے نئے اعتماد اور فخر کے ساتھ مستقبل کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ صحرا کی تباہ خیزی اور عدم دوستی کو ہم نے کچھ وقت کے لیے ایک طرف رکھ دیا۔ صحرا کی مسحور کن خوبصورتی، خاموشی اور سکوت نے مجھ پر جادو کر دیا۔ صحرا کی ہوا سرگوشیاں کر رہی تھی۔ بڑھے چلو، بڑھے چلو، اونٹوں کی گھنٹیاں بھی یہی صدا دے رہی تھیں۔

حیرت کی بات تھی کہ ساربان، اپنے بزرگ ساتھی عیسیٰ پولتا کی فرقت محسوس نہیں کر رہے تھے۔ انہوں نے کریم کو نیا سربراہ تسلیم کر لیا تھا اور ایک ٹیم کی حیثیت سے کام شروع کر دیا تھا۔ وہ عیسیٰ کی جھڑکیوں سے نجات پا جانے پر خوش تھے۔ عیسیٰ کو جو حادثہ پیش آیا اور سفر کے دوران میں اس پر مشکلات کی جو یلغار رہی، اس کے سبب سے وہ خاصا کمزور ہو گیا تھا۔ اس میں پہلے جیسی تیزی باقی نہیں رہی تھی، وہ سست ہو گیا تھا۔ میں بھی خوش تھا کہ عیسیٰ آنے والی آزمائشوں سے بچ گیا ہے۔ چینی بلند حوصلہ تھے۔ وہ چینی صحافی خاتون کے سامنے اپنی مردانگی کا اظہار کرنا چاہتے تھے یا ریتلے پہاڑوں پر سے گزرتے ہوئے انہیں جو خود اعتمادی حاصل ہوئی تھی وہ ان کی خوش طبعی کی محرک تھی۔ میں اس کا تعین نہیں کر سکا۔ میرا خیال ہے کہ اس کے کئی محرکات تھے۔

ساربان نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے دریا کی گزرگاہ سے لکڑیاں اٹھا کر گٹھوں میں باندھ کر اونٹوں پر لاد لیں۔ شام کے کھانے کے بعد ہم آگ کے گرد دائرے میں بیٹھ گئے۔ ہم میں سے بعض ناچنے لگے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ لکڑیاں جلنے سے جو خوشبو پیدا ہوتی ہے وہ ان کے نتھنوں میں آ رہی تھی۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے خیالوں میں گم تھا، آگ اور ہوا نے ہم پر جادو سا کر دیا تھا۔ ہم بڑی دیر خاموش رہے۔ اونٹ کھانے کے لیے جھاڑیاں تلاش کر رہے تھے۔ سونے کے لیے

جانے سے پہلے ساربانوں نے اونٹوں کو پکڑا اور انہیں پانچ پانچ اور چھ چھ کے گروپ میں ایک ساتھ باندھ دیا تھا۔ اونٹوں نے مزار تاغ میں ایک جوہڑ سے جی بھر کر پانی پیا تھا۔ اس لیے اب انہیں مزید پانی کی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہی صبح نیا کنواں کھودنا لازم تھا، نہ کھدائی کے لیے جگہ کا انتخاب کیا جانا تھا۔

لاؤ زہاؤ آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ شعلوں کی طرف پھیلے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے کالے اور زرد دانتوں میں سگریٹ دبایا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ خالق نے اسے بنانے کے بعد، یہ دانت یک بارگی اس کے منہ میں پھینک دیے تھے۔ اس نے چینی زبان میں حکایت سنائی جس کا مارک نے ترجمہ کیا۔ وہ کہانی کچھ اس طرح تھی کہ ''خدا ایک روز بیٹھا مٹی سے انسانوں کے پتلے بنا رہا تھا۔ اس نے تین پُتلے بنا کر پکنے کے لیے بھٹی میں رکھ دیے۔ ایک پُتلا اس نے پیچھے، دوسرا وسط میں اور تیسرا بھٹی کے دروازے کے قریب رکھا۔ کچھ دیر بعد اس نے دروازہ کھولا اور پُتلوں کو باہر نکالا۔ جو پُتلا دروازے کے قریب تھا آگ سے دور ہونے کے سبب سے سرخ ہو گیا۔ خدا نے اسے اٹھایا اور پھینک دیا۔ وہ یورپ میں جا گرا۔ جو پُتلا وسط میں تھا وہ آگ کے بہت قریب ہونے کے باعث کالا ہو گیا اسے بھی ہوا میں اچھال دیا گیا، وہ افریقہ میں جا اُترا۔ خدا نے بھٹی سے تیسرا پُتلا نکالا، اُس کا رنگ زرد تھا۔ خدا نے کہا کہ یہ اچھا ہے اور اسے چین میں رکھ دیا۔''

موسم بدلنے لگا تھا۔ دن ٹھنڈا ہو گیا تھا، اوسط درجہ حرارت 80 فارن ہائٹ تک آ گیا تھا۔ ہماری پیاس کم ہو گئی۔ پہلے ہم روزانہ تین لٹر پانی پیتے تھے۔ پندرہ روز بعد ڈیڑھ لٹر پانی کافی ثابت ہونے لگا۔ اب ہم کم مقدار پانی پی کر آٹھ گھنٹے تک چل سکتے تھے۔ مارک کم سے کم تین لٹر پانی پیتا تھا۔ اس کی قمیص، پیٹھ پر پسینے میں شرابور رہتی تھی۔ اب ہم روزانہ بارہ سے چودہ میل چلنے لگے تھے۔ تین دن اور ٹانگوز بستی سے آدھی مسافت رہ گئی تھی اور وہ حالات تسلی بخش انداز میں طے پا رہے تھے۔ 12 اکتوبر کی شام کو امدادی ٹیم سے ریڈیو پر رابطہ قائم ہو گیا۔ یہ مزار تاغ چھوڑنے کے بعد پہلا رابطہ تھا۔ مارک نے ریڈیو مجھے پکڑا دیا۔ میں نے بارنی سے بات کرنی چاہی۔ بات کرنا اور حالات اور واقعات پر نقد و نظر کرنا، ہمارا معمول بن گیا تھا۔ 9 اکتوبر کو مزار تاغ سے

روانہ ہونے کے بعد وہ ہوتن واپس آیا۔ اس نے رچرڈ کو یہاں کی چھوٹی سی ایئر سٹرپ پر اُتارا اور مہم کے آرٹسٹ پال ٹریژر اور کرشنا گیو (کیمبرج کے گریجویٹ) کو لے گیا۔ وہ قدیم آثار دیکھنے کے شوق میں یہاں آئے تھے۔ وہ ارمچی سے ایک پرانے ہوائی جہاز پر روانہ ہوئے تھے، جس نے دورانِ سفر میں ان کو اتنا ڈرایا تھا کہ ان کے اوسان خطا ہوتے ہوتے رہ گئے تھے۔ کرشنا یوشیان گیا، وہاں سے دریائے کریا کے کنارے کنارے چلتا ہوا ڈانڈن اویلک جانا چاہتا تھا۔ جان تھامس کا خیال تھا کہ اگر غیرضروری سامان اتار دیا جائے اور گاڑی کے پہیوں سے ہوا نکال دی جائے تو چھوٹے ٹیلوں کو بآسانی عبور کیا اور تیس میل مغرب میں پہنچا جا سکتا ہے۔ 1901 میں سٹین نے یہی راستہ اختیار کیا تھا۔ بارنی اور جان نے اس کے کوائف کی بنا پر ہی یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اگر گاڑیاں چلتی رہیں تو مقررہ مقام تک پہنچا جا سکتا ہے۔ گاڑیوں کے ٹائروں پر باندھنے کے لیے خاص قسم کی تار موجود تھی۔ جان اسے ویلز سے لایا تھا۔ چنانچہ تار کو باندھا گیا لیکن بدقسمتی سے اس نے کام نہیں دیا۔ فرانسس، جان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ ایک جگہ پہنچ کر جان نے محسوس کیا کہ ریت اور زمین بہت نرم ہو گئی ہے۔ یہ تین ٹن وزنی گاڑی کو نہیں سہار سکے گی۔ وہ جلدی سے گاڑی سے اترا اور پیچھے بھاگا تاکہ بعد میں آنے والی گاڑی کو روک سکے لیکن اس کے پہنچتے پہنچتے گاڑی کا اگلا حصہ ریت میں دھنس گیا تھا۔ بارنی اور فرانسس صدمے کی کیفیت میں اپنی نشستوں پر بیٹھے رہے۔ انہیں کیا حادثہ پیش آ گیا تھا، اس کی شدت کا انہیں فوری طور پر پتہ نہیں چلا تھا۔ جان نے پورے زور سے چیخ کر کہا کہ ''اترو، اترو جلدی کرو، گاڑی کے ساتھ تم بھی ریت میں دھنسا چاہتے ہو۔'' گاڑی کا اگلا حصہ بڑی تیزی سے ریت میں دھنس رہا تھا۔ بارنی اور فرانسس رینگتے ہوئے گاڑی کی چھت پر پہنچے اور پچھلا دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگے۔ پچھلی نشست پر ریڈیو اور سیٹلائٹ مواصلات کے قیمتی آلات پڑے تھے۔ بارنی نے پکار کر جان سے کہا کہ اپنی گاڑی کا رسا پکڑاؤ تاکہ اب اسے کھینچ کر نکالا جا سکے۔ جان نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری گاڑی کے ساتھ یہ گاڑی بھی ریت میں دھنس جائے؟ فریقین میں کافی چخ چخ ہوئی، لیکن جان نہیں مانا۔ بعد میں ثابت ہوا کہ وہ صحیح تھا۔ دونوں گاڑیاں ریت میں دھنس کر مفلوج ہو

جاتیں تو پوری مہم خطرے میں پڑ جاتی۔ اگلی گاڑی سے جتنا کچھ سامان نکالا جا سکتا تھا، نکال لیا گیا۔ اب وہ بیٹھ کر گاڑی کو کھڑکیوں تک ریت میں دھنسا ہوا دیکھ رہے تھے۔ مہم کے آسٹرین سرپرستوں نے 80 ہزار پونڈ سٹرلنگ قیمت کی یہ گاڑی عطیہ کی تھی۔

صبح ہوئی تو امدادی ٹیم نے گاڑی کو اسی حالت میں پایا جس میں وہ سوتے وقت اسے چھوڑ گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ رات کے دوران میں وہ پوری طرح ریت میں دھنس جائے گی۔ لیکن ایسا نہیں ہونا۔ بارنی کو اُمید بندھی کہ اسے نکالنا ممکن ہو جائے گا۔ اسے یاد آیا کہ گزشتہ دنوں میں وہ کنکریٹ کی بنی ہوئی بیرکوں کے پاس سے گزرا تھا۔ وہاں اگر فوجی موجود ہوئے اور مدد کو آئے تو ممکن ہے کہ گاڑی نکالی جا سکے۔ اس نے چینیوں کے ترجمان سے پوچھا کہ وہ پیچھے جن بیرکوں کے پاس سے گزر کر آیا ہے، کیا وہ فوجی ہیں؟ اسے جواب ملا فوجی نہیں، درحقیقت وہ کسانوں کے لیے قیدخانے تھے، جن میں انقلاب کے دوران میں بھاگ جانے والے چینیوں کو سزا کے طور پر رکھا جاتا تھا۔ جان کی گاڑی میں وہ سب پیچھے روانہ ہوئے اور صحرا میں اونچی دیواروں والے کیمپ تک پہنچ گئے۔ اس کے چاروں کونوں پر اونچی چٹانیں بنی ہوئی تھیں، جہاں مسلح پہرے دار بیٹھ کر کیمپ کی نگرانی کرتے۔ بے یقینی کے عالم میں وہ کیمپ کے سامنے دروازے پر آئے دو مسلح پہرے داروں نے ان کو روکا۔ انہیں قید خانے کے گورنر کے دفتر لے جایا گیا۔ جو انہیں اپنے ساتھ مچان پر لے گیا۔ قیدی صحن میں کام کرنے میں مصروف تھے۔ اتنے میں سیٹی بجی اور سارے قیدی اپنے اپنے چھوٹے چھوٹے کمروں میں چلے گئے۔ جہاں انہیں چوبی بستروں کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ ایک کونے میں ٹائلٹ تھی۔ واپس دفتر آئے تو مہمانوں کی چائے سے تواضع کی گئی۔ گورنر نے پوچھا کہ ان کی کیا مدد کی جا سکتی ہے۔ بارنی نے کہا کہ ہمیں کچھ آدمی چاہئیں جو ریت کھود کر ہماری گاڑی کو نکالیں۔ گورنر نے 200 قیدیوں کو اس کام کے لیے بھیج دیا اور پوچھا کہ ''بل ڈوزر'' چاہیے تو بتایئے۔ بارنی نے ہامی بھری تو گورنر بُل ڈوزر لے کر موقع پر پہنچ گیا۔ تین دن لگاتار کوشش کی جاتی رہی کہ کسی صورت گاڑی ریت سے نکالی جا سکے۔ کیتھ فوٹو کھینچنے میں مصروف رہا۔ وہ خوش تھا کہ اسے ریت میں چلنے اور اونٹوں کی نکیل پکڑ کر رہنمائی کرنے سے نجات ملی ہوئی تھی۔ بارنی مرغابیوں کے دریا

میں اترنے اور وہاں سے اڑنے کا نظارہ کرنے میں اس قدر کھو گیا کہ اسے یاد ہی نہیں رہا کہ وہ کس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ جان نے گاڑی کی بازیافت کی نگرانی کرنا شروع کر دی اور بُل ڈوزر کے ڈرائیور کو حکم صادر کرنے لگا۔ اس کے حکم کا چینی میں ترجمہ ایک قیدی کرتا تھا آخری کوشش کے طور پر گاڑی کے گرد کا کیچڑ صاف کرنا شروع کیا گیا۔ اس طرح گاڑی پر دباؤ کم کرنے میں مدد ملی، گاڑی کا اگلا حصہ آہستہ آہستہ ریت سے باہر آنے لگا۔ امدادی ٹیم نے اس یقین کے ساتھ کہ گاڑی نکل آئے گی، واپس جانے کی ٹھانی۔ اس نے یوتیئن جانا تھا اور ڈیڑھ دن بعد ٹانگوزبستی میں دوسری ٹیم سے جا ملنا تھا۔ یہاں سے انہیں ضروری سامان لینا تھا۔

ان تین دنوں میں امدادی ٹیم نے بنیادی ٹیم کی مشکل آسان کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس نے سوچا کہ اصل کام انجام پا چکا ہے۔ اب یہاں ٹھہرے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بارنی نے صورت حال کی سنگینی کا احساس ہی نہیں کیا تھا۔ اس کے برعکس وہ ہر شام اپنے ریڈیو سے یہی بتاتا کہ ٹیم کا حوصلہ بلند ہے، درپیش مشکلات چاہے کتنی جاں گداز ہیں، ہم بڑی ہمت سے برداشت کر رہے ہیں۔ بارنی کی ٹیم سے چینی حکام نے پوچھ گچھ کی۔ بارنی کا چینی ترجمان اپنے ہی لوگوں کے سامنے خجل ہوا، اسے خیال گزرا کہ کہیں اسے مہم میں ترجمان کی حیثیت سے شرکت کی بنا پر قید خانے میں نہ ڈال دیا جائے۔ بارنی کے لیے مہم کی مقصدیت واضح کرنے میں بڑی مشکل پیش آئی۔ اگرچہ اسے شاہراہِ ریشم کے ساتھ ساتھ سفر کرنے کی اجازت ملی ہوئی تھی، اسے اس وقت تک وہاں سے جانے کی ممانعت کر دی گئی جب تک کہ وہ ٹانگوزبستی کی طرف جانے پر تیار نہیں ہو جاتا۔ بڑی رد و قدح کے بعد اس سے ایک دستاویز پر دستخط کرائے گئے۔ اس میں کیا لکھا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا، غالباً یہ بُل ڈوزر کے 25 پونڈ کرائے کی ادائیگی سے متعلق تھی۔

باب 10

سب لوگوں کا خواب

امدادی ٹیم 12 اکتوبر کو گاڑی نکالنے کی جدوجہد میں مصروف تھی۔ میں اور گیو جن وائی ریت کے ایک ٹیلے پر کندھے سے کندھا ملائے بیٹھے تھے۔ ہم نے 18 میل کا فاصلہ طے کیا تھا۔ گرمی کے مارے میرے ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ میرے پاس صرف دو گھونٹ پانی رہ گیا تھا۔ گیو نے اپنا آخری سگریٹ سلگایا، دو تین کش لیے اور پھر سگریٹ مجھے پکڑا دیا۔ میں نے گیو کا شکریہ ادا کیا اور سگریٹ کا بڑا کش لیا۔ چینی سگریٹ پیتے پیتے میں ان کی کڑواہٹ برداشت کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔ یہ سگریٹوں کے چار ہزار پیکٹ ہمیں عطیے کے طور پر ملے تھے۔ میں اپنے باپ کا پائپ لے آیا تھا۔ اس کا مجھ پر طلسمی اثر تھا۔ میں نے اپنے باپ کی ریشمی جیکٹ بھی پہن رکھی تھی، جو پھٹ گئی تھی۔ ان چیزوں کی بنا پر مجھے چلتا پھرتا عجائب گھر کہا جا سکتا تھا۔ میں نے پانی کی بوتل، ڈھکنا کھول کر گیو کی طرف بڑھائی۔

گیو بہت کمزور ہو گیا تھا، پیاس اور تھکن نے اسے ہلنے جلنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ اس کا پانی دوپہر تک ختم ہو گیا تھا۔ اس نے میری بوتل کا سارا پانی پی لیا۔ ہم قافلے کے آخری دو ارکان تھے۔ میں نے ریو پرٹ اور مارک کو اونٹوں کے ساتھ آگے بھیج دیا تھا تاکہ وہ کیمپ قائم کرنے اور پانی کے لیے کنواں کھدوانے کے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش کر سکیں۔ اونٹوں کو پانی پیئے تیسرا یا چوتھا دن تھا۔ صحرا میں رہتے رہتے ہم اس کے عادی ہو گئے تھے۔ پانی کے بارے میں ہماری تشویش کم ہوتی گئی تھی۔ تاہم

اس حقیقت سے بھی آ گاہ تھے کہ صحرا میں پانی ملنے کی ضمانت نہیں۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ اس وقت ہم کہاں ہیں اور ہمارا پیچھے مڑنا محال تھا اور آگے بڑھنے کے لیے پانی درکار تھا۔ اب ہمارے لیے یہی لازم تھا کہ آگے بڑھتے اور اپنی منزل کے قریب تر ہوتے جائیں۔ دن بھر ریت میں چلتے رہنے کے بعد جب تھک ہار جائیں تو پانی کی تلاش میں کنواں کھودنے لگیں۔ یہ بڑا صبر آزما کام تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اونٹوں کو قابو میں رکھنے کی مشقت بھی ساتھ ساتھ جاری رکھنا پڑتی تھی۔

میں اور میرا چینی ساتھی بیٹھے تھے، ہمارے گرد و پیش میں ریت ہی ریت تھی۔ صحرا کی وسعت تھی اور ہماری تنہائی تھی۔ ہمارا دارومدار اپنی ہمت اور اونٹوں کی معیت پر تھا۔ ہم دونوں کے بچے تھے۔ ہم صحرا کا سفر کرنے کی بجائے گھروں میں آسودگی سے رہ سکتے تھے اور آئے روز کی آفت جھیلنے کی بجائے بچوں کے درمیان ہنسی خوشی دن گزار سکتے تھے۔ یہ خیال بھی آتا کہ آگے نہ جانے کون سی مشکلات اور رکاوٹیں ہمارا راستہ روکیں گی۔ ہم نا اُمیدی کا شکار ہو کر اپنی مہم سے دست بردار نہیں ہو سکتے تھے۔ زندگی میں مستقبل کی ضمانتیں کسی کو میسر نہیں آتیں۔ بس ہم لحظہ بہ لحظہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ آگے کے احوال کا ہمیں کوئی علم نہیں ہوتا۔ ہماری زندگی تو اس ٹرین کی مانند ہے جو سیدھی جا رہی ہوتی ہے اور راستے میں کئی ضمنی لائنیں دائیں بائیں پھوٹتی چلی جاتی ہیں۔ ہر لائن ایک نئے تجربے اور نئی منزل کی طرف جاتی ہے۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ ٹیلوں کے سائے طویل ہوتے جا رہے تھے۔ کارروان نے جو راستہ بنایا تھا وہ ریت سے ڈھک جائے گا۔ ہم نے صحرا پر کوئی نشان نہیں چھوڑا۔ ہم کس راستے سے گزرے؟ کوئی نہیں جانتا ہو گا۔ ہمارا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ حادثے یا بیماری کی صورت میں ہماری مدد کو کون آتا؟ ہر روز ایک سا منظر ہی دیکھنے کو ملتا اور ہر روز ایک سی مشکلوں کا سامنا ہوتا۔ خطرے، بے یقینی، بیماری، بوریت کے علاوہ بھوک، پیاس کی آزمائش ہمارے لیے نئی نہیں رہ گئی تھی۔ ہم نے ان سے مطابقت پیدا کر لی تھی۔

خیال کریں، گیو نے مارکیٹ سے لے کر آج تک 270 میل کا فاصلہ طے کیا ہے۔ ہم نے تو اس سے بھی دور سے سفر کا آغاز کیا ہے۔ یوں سمجھئے کہ افق سے، جہاں سورج غروب اور طلوع ہوتا ہے۔ کیا ہم پاگل ہیں؟ لیکن ہمارے کچھ خواب ہیں،

جن کی تعبیر کے لیے ہم مصروفِ جہد ہیں۔ گیو اور میں ایک ہیں۔ اب تک جو کچھ کیا ہے، ہم نے مل کر کیا ہے۔ ہم نہ ہوتے تو دوسرے بھی نہ ہوتے۔ ہم دونوں نے اگر یہ نہ سوچا ہوتا کہ ہم جو کچھ کرنے جا رہے ہیں، وہ ممکن ہے، ہم نے اس کے لیے مشقت جھیلی ہے، سزا کے طور پر نہیں بلکہ اپنی مرضی سے۔ یہ لمحہ ہمارا ہے۔ اس کامیابی میں ہمارا حصہ ہے۔ میں نے اپنا بازو اس کے کندھوں پر ڈال کر اسے چھاتی سے لگا لیا۔ گیو شرما گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ ''تم کیا محسوس کر رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔ ''میں فخر محسوس کر رہا ہوں،'' اُس کا جواب تھا، ''مجھے فخر ہے کہ ہم تاریخ بنا رہے ہیں۔ ہم وہ کچھ کر رہے ہیں جو کبھی کسی نے نہیں کیا۔ میں اور آپ دونوں کی ٹیم بہت اچھی ہے۔ اب آؤ چلو، ہم یہاں بیٹھے رہے تو اونٹ ہم سے میلوں دور نکل جائیں گے۔ رات ہوگئی تو انہیں اندھیرے میں نہیں دیکھ سکیں گے۔''

مہم کے آغاز کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ہم نے ایک دوسرے کو دل میں جھانک کر دیکھا تھا اور اپنی کامیابیوں کا اعتراف کیا تھا۔ ہیڈن اور سٹین کی روحیں موجود ہوتیں تو تسلیم کرتیں کہ ہم ان کے صحیح پیروکار ہیں۔ مجھے یاد آیا کہ لارنس نے ''سیون پلرز آف وِزڈم'' میں لکھا ہے کہ تمام لوگ خواب دیکھتے ہیں لیکن ایک سے نہیں۔ جو رات کو خواب دیکھتے ہیں صبح انہیں بھول جاتے ہیں، لیکن جو دن میں خواب دیکھتے ہیں وہ خطرناک لوگ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے خوابوں پر عمل کرتے ہیں اور انہیں سچا ثابت کر دکھاتے ہیں۔ یہی کچھ میں نے کیا۔

کارروان کو جا لینے کے لیے ہمیں ایک گھنٹے تک تیز قدموں سے چلنا پڑا۔ اس دن شام کا اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ ٹیلے عجیب شکل اختیار کر رہے تھے۔ ہم آخر میں چلنے والے تین چینیوں تک پہنچے تو دیکھا کہ ایک اونٹ جس پر سامان کے تھیلے لدے تھے، اس کی پچھلی ٹانگ سے خون بہہ رہا ہے۔ اس کا سامان ایک طرف ڈھلک گیا تھا اور دن بھر اس کی ٹانگ سے رگڑ کھاتا رہا تھا۔ جس سے بہت بڑا زخم بن گیا تھا۔ میں نے ہر ایک کو زخمی اونٹ کے گرد جمع کیا اور کہا کہ تم میں سے بعض اپنا کام صحیح طرح نہیں کر رہے۔ ہمارا ایک اور اونٹ زخمی ہو گیا ہے۔ وہ کل سامان نہیں اٹھا سکے گا۔ کیرولین بولی، ہم تو دن بھر کارروان کے آگے چلتے رہے۔ پیچھے کیا ہو رہا تھا، ہمارے

علم میں نہیں تھا۔ میں نے اس سے اتفاق کیا اور کہا کہ مجھے پتہ ہے لیکن میں ہر ایک کو احساس دلانا چاہتا ہوں کہ وہ حواس مجتمع رکھے۔ کیرولین نے مجھ سے بحث کرنا شروع کر دی۔ میں سمجھا کہ وہ کسی دباؤ میں ہے اور بہت تھک چکی ہے۔ خوش قسمتی سے ریوپرٹ اسے ایک طرف لے گیا اور صلح صفائی کرا دی۔ وہ جھگڑے اور غلط فہمی دور کرانے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔

ریوپرٹ کا اصرار تھا کہ اندھیرا ہو جانے کے باوجود وہ اور میں اونٹوں کو دیکھیں۔ میں تھکا ہوا تھا۔ کھانا کھا کر سونا چاہتا تھا۔ تاہم وہ صحیح تھا۔ ٹارچ لے کر اونٹوں کو دیکھنا شروع کیا، 29 اونٹوں میں سے بارہ کو زخم آئے ہوئے تھے۔

چارلس نے ریوپرٹ سے کہا کہ ہمیں ہر روز اونٹوں کا معائنہ کرنا چاہیے۔ اس نے اتفاق کیا۔ میں نے اسے بتایا کہ انگلستان سے روانہ ہونے سے پہلے میں نے امپیریل کیمل کور کے قواعد وضوابط پڑھے جو پہلی جنگ عظیم کے دوران میں مرتب ہوئے تھے۔ ایک اونٹ کے کوہان پر بڑا زخم ہو گیا تھا۔ یہ اس رسّے سے بنا تھا جس سے اونٹ پر سامان باندھا گیا تھا۔ اونٹ کو لٹا کر اس کے زخم سے خون اور پیپ کو دبا کر نکالا گیا۔ اس میں آئیوڈین ڈالی گئی۔ دوسرے دن ہم دوپہر کے کھانے کے لیے ایک ایسی جگہ ٹھہرے جہاں ریت کے ٹیلوں میں پرانے درخت اور ان کے تنے کھڑے تھے۔ لاؤزہاؤ نے بتایا کہ یہ ایک ہزار سال پرانے ہیں۔ پانچ سو برس پہلے یہ سوکھ گئے تھے۔ کسی زمانے میں یہاں جنگل تھا جس میں طرح طرح کے جانور تھے۔ زمانہ قدیم میں تارم کے طاس کا رقبہ، بحیرۂ روم کے برابر تھا۔ یہ علاقہ ہیڈن اور سٹین کے ان فوٹوؤں سے ملتا جلتا تھا، جو انہوں نے قدیم آثار کی تلاش کے سلسلے میں کھینچے تھے۔

میں نے ریوپرٹ اور مارک سے کہا کہ وہ اونٹوں کو آگے لے چلیں۔ میں بھی پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔ میں اس دوران میں علاقے کا جائزہ لے لوں گا۔ ہم نے اپنے سامان اور ریڈیو آلات کو دوبارہ اچھی طرح دیکھ بھال لیا تاکہ آگے چل کر کسی چیز کی کمی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ریوپرٹ نے اونٹوں کو آگے لے کر چلتے ہوئے کہا کہ میں نصف گھنٹے بعد ریڈیو پر راستے کے بارے میں بتاتا رہوں گا۔ کیرولین نے پوچھا چارلس کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ کوئی بات نہیں۔ بس اس جگہ کے بارے میں مجھے

کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔ یہ ہوتن اور کیریا دریاؤں کے درمیان کا علاقہ ہے۔ ڈانڈن اویلک اور کارا ڈانگ سے کچھ زیادہ دُور نہیں، جو ہیڈن اور ایوریل سٹین نے دریافت کیے تھے۔ اسے ایک نظر دیکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، ممکن ہے یہاں کوئی اور آثار مل جائیں۔

کارروان ٹیلوں کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ اور میں اکیلا رہ گیا تھا۔ میں نے آدھ گھنٹے تک قدیم جنگل کے آثار کا جائزہ لیا۔ اس دوران میں مجھے کچھ نہیں ملا۔ میں اپنے قدموں کے نشان دیکھتا ہوا واپس ہوا۔ میں نے اپنا قطب نما نکالا اور کارروان کی کھوج لگانے کی کوشش کی۔ میں نے دو سو فٹ بلند ٹیلوں پر چڑھ کر مشرق کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ خیال تھا کہ مجھے اونٹ نظر آ جائیں گے۔ لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ مجھے پہلی بار صحرا کی وسعت اور خاموشی کا مکمل احساس ہوا اور اس منظر میں مجھے اپنا وجود بہت چھوٹا اور حقیر نظر آیا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا تم ایک عمدہ مثال قائم کر رہے ہو۔ تم نے کارروان سے علیحدہ ہو کر اچھا نہیں کیا۔ تمہارے پاس ہے ہی کیا؟ پانی کی آدھی بوتل، ایک ریڈیو، ایک شیشہ، ایک قلم تراش اور قطب نما۔ میں ہمیشہ اپنے پاس ایک دن کا راشن، ضروری دوائیں اور کچھ کپڑے ضرور رکھتا رہا ہوں۔ میں نے ریوپرٹ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ پھر میں نے آئینے سے مشرق کی جانب اشارہ کیا، لیکن سورج دُور جنوب کی جانب تھا اس لیے میں صحیح سمت میں روشنی منعکس نہ کر سکا۔ تنہائی کے باعث مجھ پر جو وحشت طاری ہونے لگی اسے کم کرنے کے لیے میں نے زمین کا اس انداز سے معائنہ کرنا شروع کیا جس کی ہمیں فوج میں تربیت دی گئی تھی۔ میں نے زمین کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک سامنے کا، دوسرا درمیانی اور ایک پیچھے کا۔ میں نے تینوں حصوں کا بغور جائزہ لیا۔ پھر سامنے کے ٹیلوں کی طرف دیکھا کہ شاید ان میں کسی قسم کی حرکت نظر آ جائے۔ لیکن کہیں کوئی آثار موجود نہیں تھے۔ میں گھبرا گیا اور سوچنے لگا کہ میں کب تک تنہائی میں زندہ رہ سکوں گا۔

اب میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ جنوب مشرق کے رخ پر چلتا جاؤں۔ میں جتنی دور جاؤں گا، کارروان سے اتنا ہی دُور ہو جاؤں گا۔ میں اپنے تجربے کی بنا پر جانتا تھا کہ کارروان جتنا فاصلہ طے کرے، اس کا پیچھا کرنے والا، اس

تک نہیں پہنچ پائے گا۔ میں 24 منٹ تک چلا اور ٹیلوں کے ایک سلسلے تک پہنچ گیا اور ایک بار پھر اپنا طریقہ آزمایا۔ اس دفعہ کامیاب ثابت ہوا۔ مجھے کارروان کی سمت معلوم ہو گئی تھی۔ میں نے اس کے رخ چلنا شروع کیا۔ جہاں زمین ہموار ہوتی وہاں دوڑنے لگتا۔ آدھے گھنٹے بعد میں ایک اونچے ٹیلے پر پہنچا۔ میری سانس پھولی ہوئی تھی۔ ہونٹ سوکھ گئے تھے۔ پیاس کے باوجود میں نے پانی نہ پیا کیوں کہ ابھی آدھے دن کی مسافت باقی تھی۔ میں کسی سے پانی مانگ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں نے اس دوران میں کسی کو آئینے سے عکس ڈالتے دیکھا۔ مجھے کسی نے دیکھ لیا تھا۔ میں نے پہلی مرتبہ ریڈیو آن کیا۔ ریوپرٹ کی آواز آئی۔ ''ہیلو چارلس، میں ریوپرٹ ہوں، ہم تو ڈرے ہوئے تھے کہ تم زندہ بھی ہو۔'' میں مسکرا دیا اور کہا کہ تم آہستہ آہستہ چلتے رہو میں تھوڑی دیر میں تم سے آملتا ہوں۔ میرے ساتھ کیا بیتی، میں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ میں ان سے جا ملا۔ مجھے جو سبق ملا وہ میں کبھی نہیں بھولا۔ دوسروں نے بھی اس سے سبق لیا۔

ایک سہ پہر میں مارک اور لاؤ زہاؤ کے ساتھ کارروان کے آگے آگے چل رہا تھا۔ ہم ٹیلوں کی ایک قطار پر جا پہنچے، وہاں سے ہم نے نیچے دیکھا تو آدھا میل چوڑا ایک گڑھا نظر آیا۔ اس کے گرد درختوں کے تنے اور ٹھنٹھ پڑے ہوئے تھے۔ یہ نہ تو کسی قدیم دریا کی گزرگاہ تھی اور نہ کوئی وادی تھی جسے ٹیلوں نے گھیر رکھا ہو۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ مارک خاموش رہا۔ لاؤزہاؤ بولا، یہ قدیم زمانے کی جھیل تھی۔ جس سے ڈانڈن کو پانی ملتا تھا۔ سیون ہیڈن نے 1895 میں پہلی مرتبہ ڈانڈن کے آثار دریافت کیے تھے۔ یہ پراسرار بستی، نخلستان کے باسیوں نے آباد کی تھی اور اسے ''نکلا مکان'' کا نام دیا تھا۔ اب یہ ریت میں دفن ہو گئی تھی۔ سٹین پانچ برس بعد یہاں پہنچا تو اس وقت اس کے آثار معدوم ہو چکے تھے۔ ہیڈن کا کہنا تھا کہ دریائے کریا کسی اور راستے پر بہتا تھا اور اس کی نہروں سے بستی کو پانی ملتا تھا۔ دریا سوکھ گیا تو آٹھویں صدی میں اس بستی کے لوگ نقل مکانی کر گئے۔ سٹین نے اس نظریے سے اتفاق نہیں کیا۔ وہ یہ بھی نہیں بتا سکا کہ پانی کہاں سے آتا تھا—— ایک سو برس بعد ہماری مہم نے اس کا جواب ڈھونڈ نکالا۔

14 اکتوبر کو کارروان بکریوں کے چرواہوں کی بستی ٹانگوز بستی میں پہنچا۔ یہ

شاہراہِ ریشم سے 110 میل شمال میں، اس وادی میں واقع ہے، جس میں دریائے کریا بہتا ہے۔ اس دریا میں کیون لیون پہاڑوں کا پانی آتا ہے۔ یہ وادی پاپولر درختوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ بلوط کے درختوں اور جھاڑیوں کی بھی افراط ہے۔ اس سبزے نے ریت کے سامنے حصار قائم کر رکھا ہے۔ بعض مقامات پر یہ وادی ایک میل چوڑی ہے اور بعض جگہوں پر صرف چند سو گز، اس وادی کا یہاں قائم رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں کہ کبھی یہاں بودھوں کا عمل دخل رہا ہو۔ گیو جن وائی کا کہنا تھا کہ ٹانگوز بستی میں کل پچاس خاندان آباد تھے، جنہوں نے شاید ہی کبھی یہاں سے باہر جانے کی ضرورت محسوس کی ہو۔ علاقائی چینی حکومت نے دس برس ان لوگوں کو آباد کرنے اور تکلا مکان کے قبیلے کو جدید تہذیبی سطح پر لانے کی کوشش کی۔ یہاں ایک سکول کھولا گیا۔ گاؤں میں ایک ہال تعمیر کیا گیا۔ ایک ڈیزل جنریٹر کے ذریعے بجلی مہیا کی گئی۔ ایک درجن پختہ مکان تھے جو آسودہ حال خاندانوں کی ملکیت تھے۔ ان کی کھڑکیوں میں شیشے نہیں تھے۔ 1900 تک کاشغر میں کھڑکیوں میں شیشے لگانے کا رواج نہیں تھا۔ شیشے کی جگہ مومی کاغذ لگایا جاتا تھا۔ کچے مکان عام تھے، وہ پاپولر درخت کی لکڑی سے بنائے جاتے، اسی درخت کی شاخوں اور گھاس سے چھت ڈالی جاتی۔

امیر نے ایک مقامی شخص کو گدھے پر جاتے دیکھا تو اس سے علیک سلیک کی۔ اس کا عجیب حلیہ تھا، اس کے چہرے پر بے شمار جھریاں تھیں۔ اس کا منہ دانتوں سے خالی تھا۔ اس نے ہماری موجودگی کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ مارک نے کہا کہ یہ گاؤں کا کوئی مسخرہ ہے۔ اس نے اتنے بہت سے اونٹ، کئی یورپی لوگ اور ان کا ساز و سامان دیکھ کر بھی کسی حیرت کا اظہار نہ کیا۔ کیرولین کا کہنا تھا کہ شاید وہ ہر ہفتے ہم جیسے لوگ دیکھتا آ رہا ہے۔ امدادی ٹیم ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ ہم نے اونٹوں سے سامان اتارا۔ جب سے انہوں نے ریت میں دھنسی ہوئی گاڑی نکالی تھی، ہمارا ان سے ریڈیو پر رابطہ نہیں ہوا تھا۔ شام ہوئی تو وہ آ پہنچے اور ہمیں جنوبی شاہراہ ریشم پر پیش آنے والے واقعات سنانے لگے۔

میں نے بارنی سے کہا کہ تمہیں ہم سے بڑھ کر مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔

وہ اپنے ساتھ ڈاک کا وہ تھیلا بھی لایا تھا جو پال ٹریژر انگلستان سے لایا تھا۔ ہم بارنی کے گرد جمع ہو گئے۔ جس نے ہمیں خطوط اور پارسل تقسیم کیے۔ ہم اپنے خطوط اور پارسل لے کر ایک کونے میں چلے گئے تا کہ علیحدگی میں اپنے خطوط پڑھ اور پارسل دیکھ سکیں۔ ایسا تخلیہ کم ہی نصیب ہوتا رہا ہے۔ دو گاڑیوں کے آنے سے بڑی گہما گہمی ہو گئی۔ گاؤں کے بچے ان کے گرد جمع ہو کر شور مچانے لگے۔ بارنی نے انہیں بیج (badge) دیے، جو انہوں نے اپنے سینوں پر لگا لیے۔ ان میں سے ہر بچہ خوش تھا جیسے اسے کوئی بہت بڑا اعزاز مل گیا ہو۔ بسکٹ پا کر وہ اور بھی زیادہ خوش ہوئے۔ مائیں اپنے بیمار بچے لے آئیں۔ ان کا خیال تھا کہ ہم ان کے بچوں کو بیماری سے نجات دلا سکتے ہیں۔ کیرولین نے انہیں دوائیں دینا شروع کیں۔ کسی کو کم، کسی کو زیادہ۔ ہمارے پاس دوائیں بہ مشکل ہماری ضرورت پوری کرنے کے لیے تھیں۔ جنہیں کم ملتیں، وہ اصرار کرتے کہ انہیں اور دوائیں دی جائیں۔ میں نے سوچا کہ جب ہم یہاں سے رخصت ہو جائیں گے تو بیمار بچوں کا کون پرسانِ حال ہو گا۔

رات کو گاؤں والوں نے خوبصورت رقص پیش کیے۔ رقص کرنے اور دیکھنے والوں نے رنگا رنگ لباس پہن رکھے تھے۔ ان کے پیچھے سکول کے برآمدے میں بینڈ تھا جس میں سازوں پر مقامی دھنیں اور گیت پیش کیے جا رہے تھے۔ عورتیں اور بچے اگلی صفوں میں نیم دائرے میں بیٹھے تھے۔ باقی لوگ ریت پر نشستیں جمائے ہوئے تھے۔ گاؤں کے مکھیا، پارٹی کے چند عہدے داروں اور ہمیں بنچوں پر بٹھایا گیا تھا۔ بچے دیکھ کر مجھے اپنے تین بچے یاد آئے۔ ٹینا نے مجھے 22 صفحے کا جو خط لکھا تھا، میری جیب میں پڑا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ یہ ہاؤ ہو ختم ہو اور مجھے فرصت ملے تو میں یہ خط سکون کے ساتھ پڑھ سکوں اور ٹینا اور بچوں کے بارے میں جان سکوں کہ کیسے ہیں اور ان کے شب و روز کیسے گزر رہے ہیں۔ ٹانگوز بستی وہ آخری مقام تھی، جہاں ہمیں ڈاک مل سکتی تھی۔ اس کے بعد کم سے کم دو مہینے انتظار کرنا پڑتا، جب تک ہم صحرا کو عبور کر چکے ہوتے۔ رقص کے بعد ہماری دعوت کی گئی، جس میں لہو و لعب کا قریباً سبھی سامان تھا۔ صبح ہوئی تو سب کے چہروں پر رات کی دعوت کے آثار موجود تھے۔

ٹانگوز بستی میں نو اونٹ بدلے گئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ نئے اونٹ لیے

گئے۔ پہلے اونٹوں میں سے ایک اندھا ہو گیا تھا، دوسرے کی ایک آنکھ بند ہو گئی تھی۔ تین بہت چھوٹے تھے اور سفر کے آخری مرحلے میں جتنے سامان کی ضرورت تھی، یہ اسے اٹھانے کے قابل نہیں تھے۔ نئے اونٹ، پہلے اونٹوں کی طرح تندرست اور توانا نہیں تھے۔ بہرحال ہمارے کام آ سکتے تھے۔ اب اونٹوں کی تعداد پھر سے تیس ہو گئی تھی۔ نئے اونٹوں کے ساتھ دو نئے ساربان بھی آئے۔ ایک کا نام سلیمان موسیٰ اور دوسرے کا عبدالدین، سلیمان بڑی عمر کا باریش آدمی تھا۔ وہ اونٹوں کو پالنے اور بیچنے کا کاروبار کرتا تھا۔ عبدل کی عمر 30 کے لگ بھگ تھی۔ اس نے نیم مغربی لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے بال لمبے تھے، اس نے شیو کر رکھی تھی۔ اس کی مونچھیں ہلکی اور باریک تھیں۔ وہ اونٹوں کو سنبھالنے کا ہنر جانتا تھا یا نہیں، اس کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ کریم یونس نے عیسیٰ پولتا کی جگہ لی تھی۔ آخری ایک سو میل کے سفر کے دوران میں پتہ چلا کہ وہ لاری ڈرائیور ہے۔ مہم میں شامل ہونے سے پہلے اس نے اونٹوں کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

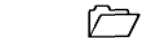

باب 11

ایغیور ساربان

میں امدادی پارٹی سے ایک طرح کا حسد کرنے لگا تھا، وہ شاہراہِ ریشم پر زندگی کے مختلف تجربات سے گزری تھی۔ اس نے اس کے بازاروں کی رنگا رنگی دیکھی تھی اور لوگوں کے متنوّع تقاضوں کا مطالعہ کیا تھا، جن کے اجداد نے علاقے کی تاریخ کو جنم دیا تھا۔ جن ساربانوں (ایغیور) نے ہمارے ساتھ صحرا عبور کیا تھا ان کی حیثیت ساربانوں کی تھی۔ وہ اقلیت میں تھے۔ ایک ہزار سال قبل وہ تُرک خانہ بدوش تھے، جن کی گزر بسر مویشی پالنے پر ہوتی تھی۔ وہ التائی پہاڑوں سے اتر کر اس علاقے میں آ بسے۔ جو اب سنکیانگ کہلاتا ہے۔ انہوں نے ترپان میں اپنا دارالحکومت قائم کیا۔ دسویں صدی تک ایغیور یا مشرقی ترک اس علاقے کے حاکم تھے۔ شاہراہِ ریشم کے شمالی حصے کے ساتھ تجارت پر ان کا کنٹرول تھا۔ اس وقت وسطی ایشیا میں تین مذاہب رائج تھے۔ بدھ مت، من جاؤازم اور نستورین عیسائیت۔ مختلف ادوار میں ایغیور یہ مذاہب اختیار کرتے گئے۔ تیرھویں صدی میں انہوں نے منگول حملہ آوروں سے تعاون کر کے اپنے آپ کو تباہی سے بچا لیا۔ انہوں نے منگولوں سے شادی بیاہ کر کے اور انہیں تہذیب و تجارت کے فوائد سے روشناس کر کے نئے راستے پر ڈالا۔ منگولوں کا اس وقت تک کوئی تحریری رسم الخط اور زبان نہیں تھا۔ انہوں نے ایغیور کا رسم الخط اختیار کر لیا۔ انہوں نے نستورین عیسائیوں سے رسم الخط لیا تھا۔ چودھویں صدی کے اواخر تک ایغیوروں نے اپنے منگول آقاؤں کی طرح اسلام قبول کر لیا۔ تمام بودھ، من جینن اور

نستورین معبد اور خانقاہیں تباہ کر دی گئیں۔ جب تک منگولوں کو قبلائی خان کے عہد تک علاقے میں حاکمیت حاصل رہی، چین پر ایغیور کا غلبہ رہا۔ پندرھویں صدی میں منگ خاندان نے منگولوں اور ایغیور کو نکال باہر کیا۔ جس کے نتیجے میں وسطی ایشیا اور چین کے درمیان تجارت بند ہو گئی، اس سے ایغیور کا زوال ہوا۔ انیسویں صدی میں یعقوب بیگ نے مشرقی ترکستان کا حاکم ہونے کا دعویٰ کیا لیکن 1877ء میں چینی فوج نے اس کی بیخ کنی کر دی۔ 1930ء اور 1940ء تک کے عرصہ کے سوا جب یہ علاقہ سوویت یونین کی تحویل میں تھا اس پر چین کی عمل داری رہی۔ کبھی کبھار بے چینی کے آثار نمایاں ہوتے۔

مسلمانوں کی بے چینی اور ایغیور کے مطالبہ آزادی سے جو باہم مربوط ہیں چینی خائف رہے ہیں۔ اسی بنا پر مرکزی حکومت نے اس علاقے کے بارے میں مصالحانہ رویہ اختیار کیا۔ جن دنوں ہماری مہم چلی، صوبے کا گورنر ایغیور تھا۔ لیکن اصل طاقت چینی پارٹی کے ہاتھ میں رہی اور پارٹی بیجنگ کے مکمل اثر میں تھی۔ صوبہ سنکیانگ میں مقامی حکومت کی ہر سطح پر پارٹی کے نمائندے شامل تھے۔ صوبہ کئی انتظامی حلقوں میں منقسم تھا۔ جن میں سرکاری عمل دخل کئی طرح کی مشکلات پیدا کرنے کا سبب تھا۔ بارنی کی ٹیم کو شاہراہِ ریشم پر سے گزرتے ہوئے ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مزار تاغ اور ٹانگوز بستی کے درمیان تین الگ الگ خطے قائم کر دیے گئے تھے۔ جن میں سے ہر ایک کا سربراہ ایغیور تھا۔ لیکن اہم انتظامی مناصب پر چینی فائز تھے۔ پارٹی پالیسی اور فوج انہی کے زیر اثر تھی۔ ٹانگوز بستی بوتیان کے میئر نے ہماری تواضع کی لیکن ساربانوں کے معاملے میں طرح طرح کی مشکلات کھڑی کیں۔ پارٹی کے دو افسر ہماری سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنے پر مامور تھے۔ تمام اطلاعات ارمچی کو بھجواتے۔ جہاں سے وہ بیجنگ بھیج دی جاتیں۔ ہم پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا۔ ہمارا رویہ ''جو ہو، سو ہو،'' کا تھا لیکن بارنی کی ٹیم کش مکش میں مبتلا تھی۔ ہم غیر ملکی تھے اور ایک بے حد حساس فوجی علاقے سے غیر ملکی فوجی گزر رہے تھے۔ ایسے میں صوبائی اور مقامی حکام کا تشویش میں مبتلا ہونا اور ہماری حرکات وسکنات پر نگاہ رکھنا قابل فہم تھا۔

کریم یونس ہمارا لاری ڈرائیور جو ساربان بن گیا تھا، علاقے کے تضاد کی

ایک اچھی مثال تھا۔ وہ باعمل مسلمان تھا۔ ایغیور تھا۔ وہ نیلی پتلون پہنتا تھا۔ اس کا چہرہ منگولوں جیسا زرد تھا لیکن گال سرخ تھے۔ اس کے خدوخال یورپی یا ترک تھے۔ وہ چینی بولتا تھا لیکن ہماری ٹیم میں شامل چینیوں سے اس نے چینی میں بہت کم گفتگو کی۔ وہ ایغیور تھا۔ جس کا وہ اظہار کرتا رہتا تھا۔ اس نے بتایا کہ جب وہ لاری ڈرائیور تھا تو اس نے پیپلز لبریشن آرمی میں چار سال تک سپاہی کے طور پر کام کیا تھا۔ اب مجھے پتہ چلا کہ جب چینی، خاص طور پر زانگ بولم، ایغیور سے سختی سے پیش آتے تو اس کا رویہ کیوں بدل جاتا اور اس میں تلخی کا عنصر کیوں آ جاتا۔ 37 سالہ کریم چینیوں کے رویہ کے خلاف بغاوت کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتا۔

میں ایغیور کے رویے سے بہت متاثر تھا۔ ان کی ضرورتیں کم اور رویہ شریفانہ تھا۔ وہ راضی بہ رضا رہنے والے تھے۔ صحرا کی مہم شروع ہونے سے ایک مہینہ پہلے انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو مارکیٹ میں چھوڑ دیا۔ انہیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ جس مہم میں شرکت کر رہے ہیں اس میں انہیں کیا حاصل ہوگا۔ وہ کب صحرا کو عبور کر پائیں گے اور صحرا سے بال بچوں سے پیغام رسانی کی کیا صورت ہوگی۔ کم سے کم ہم انگریز اور چینی جانتے تھے کہ ہم نے اپنے سے کہیں زیادہ بڑا کام اپنے سر لے لیا ہے اور یہ کہ دنیا اس میں دلچسپی لے رہی ہے اور ہماری پیش رفت پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ بارنی کی ٹیم لندن اور بیجنگ سے خبریں لینے اور انہیں خبریں بھیجنے کی ذمہ دار تھی۔ کبھی کبھی صحرا کو عبور کرنے والی ٹیم سیٹلائٹ کے ذریعے برطانوی پریس سے رابطہ کرتی چنانچہ ہمارے خاندانوں کا ہم سے تعلق قائم رہتا۔ ایغیور کا معاملہ الگ تھا۔ ان کا اپنے اہل خاندان سے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ مہم ختم ہونے اور ان کے واپس گھروں میں پہنچنے پر ہی وہ ایک دوسرے کے حالات کے بارے میں جان سکتے تھے۔ عیسیٰ پولتا کیوں کہ پہلے واپس چلا گیا تھا، مزار تاغ تک پہنچنے سے قبل ریت کے ٹیلے عبور کرتے وقت جو زہرہ گداز حالات پیش آتے رہے، وہ انہی کے بارے میں بتا سکتا تھا۔ جس سے سننے والے مطمئن ہونے کی بجائے، خوف اور سراسیمگی کا شکار ہو جاتے اور جو لوگ ابھی صحرا میں مہم جوئی میں مصروف تھے ان کے خیر کے ساتھ واپس آنے کی تمنا کرتے۔

ایغیور کے پاس سہولت کی بہت کم چیزیں تھیں۔ ہر ایغیور کے پاس ایک جوڑا

کپڑے جو اس نے پہن رکھے ہوتے اس کے علاوہ ایک لمبا کوٹ اور بس۔ کاشغر میں برطانوی قونصلیٹ کی لیڈی میکارٹنی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے ''کاشغر کے رہنے والے مرد اور عورتیں لمبی آستینیں پہنتے ہیں، جو بالعموم ان کے ہاتھوں سے چھ انچ لمبی ہوتی ہیں۔ انہیں کام کرنے کے لیے آستینیں موڑنا پڑتی ہیں، لمبی آستینوں کے کئی استعمال ہیں۔ سرد موسم میں وہ مفلر کا کام دیتی ہیں۔ ان سے رومال کا، جھاڑن کا، نفرت کے اظہار کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ان سے ناک چھپا لی جاتی ہے۔ ہاتھوں کو ڈھانپ کر رکھنا، احترام کے اظہار کا بھی وسیلہ ہے۔ کسی بڑے آدمی کے ساتھ ہاتھ چھپا کر رکھنا ہی عجز، انکسار کا اظہار ہے۔ کام پڑنے پر البتہ ہاتھ آستین سے نکال لیے جاتے ہیں۔

ایغیور کی ضرورتیں محدود، ان کے سوچنے کا انداز سادہ، ان کی اُمیدیں اور توقعات مختصر اور ان کی زندگی وقت کے دباؤ اور جدید دور کی سہولتوں سے آزاد ہے۔ چند ہفتے صحرا میں گزارنے کے بعد ہم نے غیر ارادی طور پر ان کے طرز زندگی سے سیکھنا شروع کر دیا۔ ہم نے محسوس کیا کہ ہم دوہرائے چلے جانے کے عادی ہونے لگے ہیں۔ عام حالات میں ہم یکسانیت کا کم ہی شکار ہوتے ہیں۔ حادثات اور معمولات میں ہر روز تبدیلی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ لیکن قدرت کے قریب تر آنے سے ہم نے بقا کا راز معلوم کر لیا۔ بہرحال اس سب کچھ سے لطف اندوز ہونے کے لیے ایغیور ہونا ضروری ہے۔ ایغیور ریوپرٹ کی کھانے پینے کی عادت پر ہنسا کرتے۔ شام کے کھانے کے لیے ریوپرٹ اپنا بڑا نیلا تھرماس نکالتا، ہم سب سے دوگنا کھاتا، ایغیور اسے لوٹو یعنی اونٹ کہتے اور اس کی خوش خوراکی پر ہنستے۔ ان کے ہنسنے پر ہمیں بھی ہنسی آ جاتی۔

ٹانگوز بستی سے روانہ ہوتے وقت میں سلیمان اور عبدل کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ ہمارے ساتھ تھے۔ ہمارے چار اونٹوں کے ساربان تھے۔ چینی خاتون فوٹو گرافر پیچھے رہ گئی۔ پال ہمارے ساتھ تھا۔ میں چاہتا تھا کہ موسم کے شدید سرد ہونے سے پہلے وہ جتنے بھی خاکے بنا سکتا ہے، بنائے۔ کیتھ ہمارے ساتھ جانے کا خواہش مند تھا لیکن وہ بادل نخواستہ اگلے پڑاؤ کے بعد واپس جانے پر تیار ہو گیا۔ بارنی اور میں نے یاوائن گرز کے شمال کی جانب چلنے کا فیصلہ کیا۔ ہم ایسے علاقے میں داخل

ہوئے جس کے بارے میں، دوسرے علاقوں کے مقابلے میں بہت کم جانتے تھے۔

اونٹوں پر سامان لاد لیا گیا تو امدادی ٹیم کو الوداع کہنے کا وقت آ گیا۔ میں نے بارنی سے مصافحہ کیا تو میرا جی بھر آیا۔ آگے کیا پیش آئے گا اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ بارنی کے ساتھ مجھے تحفظ کا احساس رہا تھا۔ وہ میری پریشانیوں کو دور کرنے میں اہم کردار ادا کرتا آیا تھا۔ اس سے دوستی اور مفاہمت میرے لیے طاقت کا وسیلہ رہی تھی۔ بارنی کے جذبات بھی مجھ سے مختلف نہیں ہوں گے۔ امدادی ٹیم میں شامل چینیوں سے معاملات طے کرنے اور جنوبی شاہراہِ ریشم پر پارٹی کے ارکان سے نمٹنے میں اس پر جو دباؤ آتے رہے، میں ان سے باخبر تھا۔ پھر جان تھامس بھی اس کے لیے طرح طرح کے مسائل کا موجب رہا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کے روادار نہیں تھے۔ اس کھنچاؤ کے باعث بارنی کی حس مزاح ماند پڑی رہی۔ جان کا اپنا انداز فکر تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ چینیوں سے کام لینا ناممکن ہے۔ وہ سودا بازی کا قائل نہیں تھا وہ اس حقیقت سے نابلد تھا کہ کئی مہمات طویل عرصے تک برداشت اور مفاہمت کے طفیل ہی کامیابی سے ہم کنار ہوا کرتی ہیں۔ اس کے لیے طے شدہ منصوبوں سے انحراف بھی کرنا پڑتا ہے۔ جان کو صحرا میں پیش آنے والی مشکلات کا بھی خیال نہیں تھا۔ اسے کبھی یہ دعویٰ کرتے ہوئے بھی تردّد نہیں ہوتا تھا کہ اس کی گاڑیاں صحرا کو سیدھا عبور کرتی گزر سکتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ صحرا کے بعض حصوں سے گزرنے کا تجربہ رکھتا تھا لیکن اس کا تجربہ، مہارت اور اس کی گاڑیوں کی فنی صلاحیت کا تکلا مکان میں جو امتحان ہونے والا تھا، وہ اس کا قیاس بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس صحرا سے صرف انسان اور سامان سے لدے ہوئے جانور ہی گزر سکتے ہیں۔

بارنی کا کردار میری نسبت زیادہ مشکل تھا۔ اونٹوں پر مشتمل ٹیم کا واحد مقصد صحرا عبور کرنا تھا، اس کے سوا انہیں کسی اور کام سے کوئی علاقہ نہیں تھا۔ ہر دن، ہر گھنٹے، ہر میل اور ہر قدم ہمیں ہماری آخری منزل کے قریب تر کرنے کا وسیلہ تھا۔ منزل کی حیثیت ایک روشن ستارے کی تھی، جس نے ہمارے شب و روز کو روشن کر رکھا تھا۔ بارنی کی ٹیم سامان کی فراہمی کے لیے لمبے عرصے تک انتظار کرنے کی پابند تھی جب کہ چینی

شاہراہِ ریشم کے قصبوں کے ہوٹلوں میں بیٹھے رہنے ہی میں خوش تھے۔ انہیں نئے تجربات سے گزرنے کی چنداں خواہش ہی نہیں تھی۔

ہم نے 16 اکتوبر کو ٹانگوز بستی میں بکریوں کے چرواہوں اور ان کے گھر والوں سے رخصت لی اور بھاری سامان سے لدے ہوئے اونٹ لے کر اگلی منزل کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ ایک صاف شفاف صبح تھی، پانی کی ٹینکیوں میں برف بھری تھی۔ ایک بار پھر سفر پر روانہ ہونا بہت بھلا لگا۔ میرے گھٹنے کا درد بڑی حد تک کم ہو گیا تھا۔ ہم نے تین ہفتوں میں 300 میل سفر کیا تھا۔ اب 500 میل کا طے کرنا باقی رہ گیا تھا۔

پہلے دن پال زیادہ وقت میرے ساتھ رہا، مجھے اس سے باتیں کر کے خوشی ہوئی۔ صحرا کا منظر بھی خوش کن تھا۔ جو چیز میری توجہ کا مرکز رہی، وہ خزاں کی زردی اور پاپولر درختوں کی سرخی تھی۔ ہم دریا کی وادی سے گزر رہے تھے اور ریت کے ٹیلوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ مجھے دو پرندے بھی نظر آئے اور میں نے گھر کے باغوں میں چہچہانے والے پرندوں کا خیال کیا۔ چینی ترکستان کے کونے میں اونٹوں کو لیے، درختوں کے تنوں اور ٹھٹھوں میں سے گزرتے اور نیلے آسمان کا نظارہ کرتے ہوئے مقصدیت کے گہرے احساس کے ساتھ چلتے رہے۔ میں نے پال سے کہا کہ میں مستقبل میں کسی بھی وقت ہمپشائر کے جنگلوں میں چل سکتا ہوں، لیکن ان درختوں میں سے اونٹوں کا کارروان لے کر چل سکوں گا؟ اس نے جواب دیا ''موت کے بدنام صحرا'' کو اس کے حال پر رہنے دو۔ میں نے سوچا کہ یاوا ٹونگوز پہنچنے میں ہمیں پندرہ دن لگیں گے۔ میرا ارادہ تھا کہ راستے میں ''نیا'' کے قدیم آثار ضرور دیکھوں گا، اس کے لیے اپنی ٹیم پر اضافی بوجھ ڈالنا ہوگا۔ ہمارے پاس پندرہ دنوں ہی کے لیے راشن اور پانی تھا اور ابھی کئی ہفتوں کا سفر باقی تھا۔ اس میں پال اور ساربانوں کی ضرورت بھی پوری کرنا تھی۔ اونٹوں پر اب پہلے کی نسبت زیادہ بوجھ لدا ہوا تھا۔ سردیوں کا موسم شروع ہونے والا تھا۔ اس لیے ہمیں گرم کپڑے اور خیمے نکالنے پڑے۔ ناک کی سیدھ چلتے رہنے سے ''نیا'' کے آغاز تک پہنچنے کے امکانات بھی کم تھے۔ ہمیں اس قدیم بستی کے آثار تلاش کرنے میں دو روز لگ سکتے ہیں۔ اس لیے برائے نام غلطی کرنے کی بھی گنجائش باقی

نہیں۔ اس امر کی بھی ضمانت نہیں کہ بارنی رسد کی بہم رسانی کے لیے کوئی موزوں مقام تلاش کر سکے گا۔ ''نیا'' تک پہنچنے کے لیے اونٹوں والی ٹیم کو صحرا میں سیدھا جانے کی بجائے تکون کے دونوں جانب سے چلنے کے لیے کہنا پڑے گا۔ مجھے امید تھی کہ زیادہ فاصلہ طے کرنے سے ممکن ہے کہ ہم ''نیا'' تک پہنچ سکیں۔

17 اکتوبر کو اتوار کے روز ٹانگوز سے نکلے ہوئے دو دن ہونے کو آئے تھے۔ ہم پر ایک تباہ کن انکشاف ہوا، ہم جو پانی گاؤں سے یہ سمجھ کر لائے تھے کہ میٹھا ہے، نمکین نکلا۔ وہ انسانی استعمال کے قابل نہیں تھا۔ اس شام کیرولین اور مارک نے کنٹینر اور خیری کین سے پانی چکھا۔ مزار تاغ سے جو پانی لائے تھے اس میں سے صرف 100 لٹر پینے کے قابل تھا۔ اور اسے چودہ افراد کے لیے پندرہ روز تک استعمال ہونا تھا۔ واپس جانے کا سوال ہی نہیں تھا۔ گاؤں جہاں سے پانی لائے تھے، اس کے کنوئیں نمکین ثابت ہوئے تھے۔ اس لیے کسی بہتری کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ چرواہوں کے خاندان یا تو کڑوا پانی پینے کے عادی تھے یا وہ پینے کے قابل بنانے کا ہنر جانتے تھے۔ خوش قسمتی سے نمکین پانی کھانا تیار کرنے کے لیے موزوں ثابت ہوا۔ ساربان بھی اسے بخوشی پی سکتے تھے۔ ظاہر تھا کہ صاف پانی کی جو مقدار میسر تھی، وہ برطانوی اور چینی ارکان کو باہم تقسیم کرنا ہو گی۔ جن کنٹینروں میں میٹھا پانی تھا ان پر ہم نے نشان لگا دیے۔ میں نے یہ ہدایت کی کہ روزانہ صرف ایک لٹر صاف پانی، پینے کے لیے لیا جا سکے گا۔ باقی کا نمکین پانی حسب ضرورت لیا جا سکے گا۔ اس طرح صاف پانی ہماری نو دن کی ضرورت پوری کر سکتا تھا۔ اس کے بغیر اور کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہنگامی صورت حال میں نمکین پانی لیا جا سکتا ہے۔ اس کا مزہ بدلنے کے لیے اس میں اورنج پاؤڈر ملایا جا سکتا ہے لیکن اس سے پیاس بجھنے کی بجائے تیز ہو جائے گی۔ ریو پرٹ نے کہا کہ میں نمکین پانی پی سکتا ہوں، اس لیے اچھا پانی پینے والوں میں اسے شمار نہ کیا جائے۔ مجھے کچھ زیادہ یقین نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس سے ہماری بقا کے امکانات میں ڈرامائی کمی آئے گی۔ کیرولین نے کہا کہ بچت کی ایک ہی صورت ہے کہ موسم بدل رہا ہے۔ ہم پہلے ہی کم پانی پینے لگے ہیں۔ اب مزید بچت کر سکیں گے۔ کیرولین کو چھوٹی چھوٹی باتیں بھی کبھی مشتعل کر دیتی تھیں اور بات بڑھ بھی جایا کرتی تھی۔ کیرولین

صبح کو عموماً خاموش رہا کرتی۔ اس کے برعکس ریو پرٹ بڑا زندہ دل تھا، ترکی بہ ترکی جواب دینا اس کی عادت تھی، اسے کام کر کے سکون ملتا۔ اس کی طاقت اور توانائی کی کوئی حد نہ تھی۔ ایک صبح وہ ریت سے اٹھا اور اس نے کیرولین کو کمر سے پکڑ لیا اور کہا کہ آؤ، کچھ پیار و محبت کی بات کر لیں۔ ریو پرٹ نے اگر 25 دن ہر صبح یہی بات نہ کہی ہوتی تو اسے مذاق سمجھ کر ٹالا جا سکتا تھا۔ کیرولین نے اس کے سر پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا ''بدمعاش کہیں کا، پرے ہٹ سؤر،'' ریو پرٹ پرے ہٹ گیا، اس نے آئندہ ہفتے کے دوران میں کیرولین کو نظر انداز کیے رکھا۔ ان کے تعلقات خراب ہو گئے۔ میں نے ان میں صلح کرانا چاہی لیکن ریو پرٹ نے فاصلہ برقرار رکھا۔ اس ایک واقعہ نے اسے خول میں بند کر دیا۔ اس نے مارک کے سوا سب سے کلام کرنا چھوڑ دیا۔ جو بات بھی کرنا چاہتا، مارک کر لیتا۔ ریو پرٹ نے ٹیم میں پال کی شمولیت کا خیر مقدم نہیں کیا تھا۔ اس نے اس کا واضح اظہار تو نہیں کیا تھا لیکن اس نے اس کے لیے جو تحفظات قائم کر لیے تھے سب انہیں محسوس کر سکتے تھے۔ روز مرہ کے معمولات بجائے خود ہماری مشکل کا سبب تھے۔ انہیں محسوس ہوتا تھا کہ صحرا کو عبور کرنے کی غرض سے صرف چلتے رہے ہیں۔ کوئی اور کام ہم نے نہیں کیا۔ اونٹ، چینی اور ایغیور ہی ہماری متاع تھے۔ ہم میں سے ہر ایک نے اپنے گرد ایک حفاظتی دیوار کھڑی کر لی تھی۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ہماری اور اونٹوں کی بقا کے بارے میں شکوک و شبہات ختم ہو گئے۔ میں نے کیرولین اور مارک نے پال کی طبیعت کی تازگی محسوس کی۔ اس کے مشاہدات چیزوں کو مختلف انداز سے دیکھنے اور سمجھنے کا وسیلہ بنے۔ لیکن کیوں کہ وہ ریو پرٹ کی فوجی حس مزاح کو پسند نہیں کرتا تھا وہ اپنے گرد و پیش میں فن کارانہ دلچسپی لیتا رہا۔ ریو پرٹ کو اس میں بھی اس سے کوئی اتفاق نہیں تھا۔ میں نے ایک شام اس کی ناراضی کا بین اظہار محسوس کیا۔ ہم شمال مشرقی سمت سے چلنے والی تیز ہوا کے خلاف اونچے ریتلے ٹیلوں میں سے گزرتے تھک کر چور ہو گئے تھے۔ کئی اونٹوں پر سے سامان ڈھلک کر گر گیا تھا۔ اونٹوں کو آپس میں باندھ کر رکھنے والے رسے ٹوٹ گئے تھے۔ اس دن نے ہمیں بدمزاج بنا دیا تھا اور ایک ہی طرح حالات اور مسائل کا سامنا کرتے کرتے ہم بے حال ہو گئے تھے۔ اس روز ہم سات میل کا فاصلہ طے کر سکے۔ اس سست رفتاری نے

ہماری پریشانی بڑھا دی۔ ہم رہا سہا فاصلہ جلدی طے کرنا چاہتے تھے۔ ابتدا سے جن مشکلات اور چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا، وہ تو گزر گئے۔ اب ماحول ہمارے لیے اجنبی نہیں تھا۔ مشکلوں کی شدت بھی ہم دیکھ چکے تھے۔ ٹیم اب بڑی حد تک آسودہ ہو گئی تھی۔ ہر روز ایک سے معمولات، اونٹوں پر سامان لادنا، اتارنا انہیں ٹیلوں پر سے گزارنا، ریت میں رہنا، ریت کھانا، ایغیور اور چینیوں کی بچگانہ حرکات سے نمٹنا، اس کے سوا اور کچھ بھی کرنے کو نہیں رہ گیا تھا۔ شام ہوئی تو مارک اور ریو پرٹ نے ریڈیو پر بارنی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ کیرولین زخمی اونٹوں کی دیکھ بھال میں لگ گئی، پال ریت کے ایک ٹیلے پر بیٹھا منظر کشی میں مصروف رہا۔

ایک اونٹنی سخت بیمار تھی، کیرولین نے اسے صاف کرتے ہوئے کہا کہ ہم اپنی دوائیں بھی اونٹوں کو کھلا رہے ہیں۔ ہمارے اپنے لیے نہ بچیں تو کیا کریں گے؟ اس کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ساربان اپنے اونٹوں سے لاتعلق تھے، ان کا رویہ ہمارے لیے پریشانی کا موجب تھا۔ ریو پرٹ اور میں اونٹوں پر سامان ادلتے بدلتے رہتے، جو مضبوط اونٹ تھے ان پر بھاری سامان لادتے، جو کمزور اور بیمار تھے انہیں سہولت فراہم کرتے تاکہ ان کی طبیعت سنبھل سکے۔ شام کو ہم نے اونٹوں کی حالت کی بنا پر جو کچھ مناسب سمجھا کیا، کیرولین زخمی اونٹوں کو دوا دارو دیتی رہی۔ شام ہوئی تو ایک دوسرا مشکل اور صبر آزما کام، پانی کے لیے کنواں کھودنے کا تھا۔ بیماری، بھوک اور پیاس نے اونٹوں کو لاغر کر دیا تھا۔ ان کے کوہانوں کی چربی پگھل گئی تھی۔ جس کے سبب سے سامان انہیں چبھنے لگا تھا۔

سلیمان نے ساربانوں کو اونٹوں کے لیے گدیوں میں کاہی وغیرہ بھرنے پر لگایا تاکہ ہڈیوں پر براہِ راست بوجھ نہ پڑے، اس سے سامان لادنے میں زیادہ وقت لگے گا۔ لاؤ زہاؤ واحد شخص تھا جس نے اپنے آپ کو تمام معاملات سے الگ تھلگ اور لاتعلق رکھا۔ جن اونٹوں پر سامان نہیں لادا جاتا تھا، لاؤ زہاؤ ان پر سواری کرتا۔ مارک کی لاؤ زہاؤ سے گاڑھی چھنتی تھی، وہ ایک دوسرے کو قصے کہانیاں سناتے رہتے۔ مارک سے باتیں کرنا اور چینی زبان اور عوام سے اس کی محبت میرے لیے خوشی کا موجب ہیں۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھا کہ فوج چھوڑنے کے بعد کیا کرو گے؟ اس کا جواب تھا

کہ چین میں کام کروں گا۔ میں نے کہا کہ تم یہاں اپنی روح کو تباہ کر لو گے۔ اس نے اتفاق کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ نفرت بھی تو کشش کا موجب ہوا کرتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ چینی لوگ اور ان کی زبان مجھے پسند ہے۔

ایک شام کھانے کے بعد ہم ریت پر بیٹھے تھے۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے اور چاند ریت کے ٹیلوں کے پیچھے سے آہستہ آہستہ ابھر رہا تھا۔ مارک نے ہمیں ایک چینی کہانی سنائی۔ یہ ایک معمار سے متعلق تھی۔ وہ ایک پہاڑ کے نیچے ایک پتھر گھڑ رہا تھا۔ کام تھکا دینے والا تھا۔ اس کا معاوضہ بھی نہایت حقیر تھا۔ ایک دن کام کرتے وقت اس نے سر اٹھایا اور دیکھا کہ ایک گھڑ سوار سوداگر شہر کی جانب جا رہا ہے۔ معمار نے دل میں سوچا اور خواہش ظاہر کی کہ کاش وہ سوداگر ہوتا۔ اس کی دعا قبول ہو گئی اور وہ سوداگر بن گیا۔ وہ اس حیثیت میں شہر گیا۔ اس نے ایک خوش پوش افسر کو دیکھا جس کے آگے پیچھے حواریوں کا ایک ٹولہ کھڑا تھا۔ انہوں نے اسے ایک پالکی میں بٹھایا اور اٹھا لے چلے۔ اس نے خواہش کی کہ وہ افسر ہوتا۔ دوسرے لمحے وہ افسر بن گیا۔ اسے ایک لمبے اور تکلیف دہ راستے پر لے جایا جانے لگا۔ سورج نے اسے پالکی میں بھون ڈالا۔ اس نے خواہش کی کہ کاش میں سورج ہوتا، جو خشک سالی اور قحط لاتا اور تمام بڑے بڑے افسروں کو گرم کرتا اور انہیں بے چین اور بے آرام کرتا، وہ سورج بن گیا۔ وہ اپنی گرمی اور تمازت کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا کہ ایک بادل اس کے راستے میں آ گیا۔ اس نے سوچا کہ کاش بادل بن کر وہ سورج کا راستہ روکتا، سیلاب لاتا، وہ بادل بن کر چلا تو راستے میں تیز ہوا چلنے لگی، جس نے بادل کو اڑا دیا۔ اس نے ہوا بننے کی خواہش کی، ہوا بنا اور ہوا نے زور دکھانا چاہا تو پہاڑ نے اس کا راستہ روکا۔ تو اس نے کہا کہ پہاڑ بننا زیادہ بہتر ہے۔ پہاڑ بنا، تو کہنے لگا کہ اب کیا کروں؟ پہاڑ ایک جگہ جم گیا۔ ہوا بند ہو گئی تو پہاڑ سے ایک ہلکی سی آواز آنے لگی، جیسے کوئی پتھر گھڑ رہا ہو۔ ہوا تیز ہوئی تو پتھر گھڑنے کی آواز بھی تیز ہو گئی۔ وہ نیچے دیکھتا ہے تو پہاڑ کے نیچے ایک معمار پتھر گھڑ رہا ہوتا ہے۔

باب 12

پانی کا بحران

ٹانگوز بستی سے نکلنے کے چار روز بعد 19 اکتوبر کو میں ایک ٹیلے پر کھڑا تھکن کے باعث ہانپ رہا تھا۔ ریت بہت نرم تھی اور میرے پاؤں ٹخنوں تک اس میں دھنس گئے تھے۔ ہوا بند تھی اور درجہ حرارت 88 فارن ہائیٹ تھا۔ میں چاہتا تھا کہ دن ختم ہو اور رات ٹھنڈی ہو جائے اور ریتلے ٹیلوں کے سمندر سے گزرتے گزرتے ہم پر جو تھکن طاری ہوگئی ہے، اس سے نجات مل جائے۔ میں پیاسا تھا۔ میری بوتل میں نمکین پانی تھا جس نے میری طبیعت اور زیادہ خراب کر دی تھی۔ وافر مقدار میں صاف میٹھے پانی کی خواہش بڑھ گئی تھی۔ مشکلوں پر قابو پانے سے جو اطمینان اور جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ محرومی کی نفی کر دیتی ہے۔ منہ سے ریت نکالنے کے لیے میں نے تھوکا، لیکن ریت میرے دانتوں پر جم گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ جب ہم اپنی مہم ختم کر لیں گے تو دانتوں کا سارا انیمل اتر گیا ہوگا۔ میں نے دوبارہ تھوکنا چاہا، لیکن منہ میں تھوک ہی نہیں تھا۔ میری زبان تالو سے چمٹ گئی تھی۔

میں اب تک کی کامیابی پر خوش تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ''نیا'' کے قدیم آثار تک پہنچنے میں دو دن بچ جائیں گے۔ صحرا میں ضرورت سے زیادہ دیر رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ہر روز ہمیں زندہ رہنے کے لیے جو جتن کرنے پڑتے ان کے پیش نظر آرام اور آسودگی کی جستجو کرتے رہنے کا پرانا خیال خام نظر آنے لگا۔ یہ تباہی لانے والے نادیدہ ہاتھ کے خلاف جدوجہد کرنے کے مترادف ہوتا اور ہمارا کارواں جو اتنی تگ و دَو کے

بعد یہاں تک پہنچا تھا، اس ہاتھ کی گرفت میں آ جاتا۔

میں نے اپنی چھڑی سے ریت کی دبازت جاننا چاہی۔ چھڑی ایک فٹ اندر چلی گئی۔ مزید دباؤ سے وہ اور آگے جا سکتی تھی، میں نے اپنا ہیٹ اتار کر اس پر رکھ دیا، جس سے مجھے یاد آیا کہ میدان جنگ میں جہاں کوئی سپاہی کھیت رہتا ہے، وہاں اس کے ساتھی اس کی یاد کے طور پر اس طرح کا نشان بناتے ہیں۔ گرم ریت پر بیٹھ کر میں نے اپنے بوٹ اتارے اور چھالوں کو ہوا لگائی۔ پاؤں پسینے اور ریت سے اَٹے ہوئے تھے۔ میں نے کچھ دیر ننگے پاؤں چلنا چاہا، میرے پاؤں سوجے ہوئے تھے۔ ان کی ایڑیاں اور انگلیاں زخمی تھیں اور ان پر ریت کی تہہ جم گئی تھی۔ جس صورت حال سے ہم دوچار تھے، اس میں بے یارومددگار ہونے کا احساس فزوں ہو جایا کرتا ہے۔ ہم ہر روز ریت کے ٹیلوں پر چلتے، ایک ہی طرح کا سپاٹ اور بے رنگ منظر دیکھتے، اونٹوں کو بکھرنے سے روکنے کے معمول میں مصروف رہتے رہتے تنگ آ گئے تھے۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ جو کنواں کھودیں گے اس سے پانی مل جائے گا۔ ہم کیسے بے خطر اور بہادر لوگ تھے؟

نیلے آسمان کے پس منظر میں ریت کے زردی مائل سفید رنگ ٹیلوں کی اطراف کی چوٹیوں تک اٹھتی ہوئی لائنیں اور ان کے درمیان گہرے کھڈ، جن میں سے کسی کو بھی نہیں چھوا گیا تھا، میں ان کے نظارے میں کھو گیا تھا۔ مجھ سے پہلے انہیں کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ دراصل میں ہی ان کا فاتح تھا۔ حد نظر تک پھیلی ہوئی ریت کو سب سے پہلے میرے ہی پاؤں نے چھوا تھا۔ صحرا کی خوبصورتی مجھے لبھاتی رہی ہے۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ میں اپنی ہر طرح کی تشویش بھول گیا۔ کارروان کے آگے ہونے کے حوالے سے میں اپنی دنیا میں چلا جاتا رہا ہوں۔ خاموشی مجھ پر حملہ آور تھی۔ نہ پہلے، نہ اب خالی وسعتوں میں اس قسم کی خاموشی کا مجھے تجربہ ہوا تھا اور نہ کبھی آئندہ ہوگا۔ میں اپنی زندگی میں ایسی تنہائی اور امن کی پھر کبھی امید نہیں کر سکوں گا۔

میں نے ریت سے اوپر دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ مجھے کوئی ہیولا نظر آیا ہے۔ میں نے غور سے دیکھا تو واقعی ایک درخت تھا۔ میں نے آنکھیں جھپکائیں اور سراب کے گزر جانے کا تھوڑی دیر انتظار کیا۔ آنکھیں کھولیں تو بلند و بالا درخت، زرد پتوں کی

عبا پہنے کھڑا تھا۔ جیسے ریت کی پنہائی میں وہ پہرہ دے رہا ہو۔ اس کا گرد و پیش سے کوئی تعلق دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ معجز نما تھا۔ یہ سوچ کر کہ میرے پیچھے آنے والے مجھ سے نہیں آ ملیں گے، میں نے اپنی رفتار بڑھا دی۔ میں اس کے پاس پہنچا اور اس کے نیچے بیٹھنا چاہا، وہ ایک نہیں، دو درخت تھے۔ جو اپنی جڑیں چھوڑ کر، زمین پر گر پڑے تھے۔

میں جیسے ہی ان کے پاس پہنچا، کارروان کا پہلا اونٹ بھی آ گیا۔ میں نے تنہائی کا جو تانا بانا بن رکھا تھا، ٹوٹ گیا۔ درخت میرا نہیں رہا تھا، سب کسی کا تھا، جس کے فوٹو اتارے گئے۔

درخت اس بات کی علامت تھے کہ آس پاس کہیں پانی ضرور ہے۔ پانی کی تلاش کرتے دوسرا دن ہو گیا تھا۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ اونٹ پیاسے تھے۔

100 فٹ اونچے ٹیلوں میں سے گزرتے ہوئے ہم جہاں پہنچے اس کا منظر کسی کے لیے بھی خوش آئند نہیں تھا۔ ہمارے سامنے 800 فٹ بلند پہاڑیوں کا ایک سلسلہ تھا، جسے عبور کرنے کے لیے اونٹوں کو مغربی جانب کے طویل دشوار گزار اور بل کھاتے ہوئے راستے پر ہانکنا پڑا۔ ہم کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں ہم پانی کی تلاش میں کنواں کھود سکیں۔ کرتے کرتے ہم سب سے بلند جگہ پہنچ گئے۔ وہاں سے نیچے کی جانب دیکھا تو دو میل چوڑی، کم اونچے ٹیلوں کی ایک وادی نظر آئی۔ اس کے وسط میں درختوں کی ایک قطار نصف میل تک چلی گئی تھی۔ وہ شمال اور جنوب کے سروں پر قدرے پھیلی ہوئی تھی۔ درمیان میں خاصی گھنی تھی۔

مارک نے کہا کہ لگتا ہے کہ یہ وادی قدیم زمانے میں گھنا جنگل تھی۔ پال بولا، یہ ممکن نہیں۔ بہرحال ایک ایسے صحرا میں جہاں پانی نہیں تھا، درختوں کی موجودگی غیر معمولی اور غیر متوقع بات تھی۔ اسے خفیہ نخلستان بھی کہا جا سکتا تھا۔ میں نے کہا کہ میرے خیال میں یہاں قدیم آثار بھی موجود ہو سکتے ہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ ہم سے پہلے کے سیاح سٹین اور ہیڈن نے ان کا تذکرہ کیوں نہیں کیا۔ لیکن وہ سیدھے راستوں پر چلتے رہے تھے، اس لیے یہ آثار ان کی رسائی سے باہر رہے۔ ہم نے بڑی توقعات کے ساتھ اونٹوں کو مشرق کی جانب کی ڈھلان سے نیچے اتارنا شروع کیا۔ ایک

گھنٹے کے بعد ہم جنگل کے سرے تک پہنچ گئے۔ ساربان اونٹوں کو چمکارتے رہے، لوئیس نے گانا شروع کرایا اور میں منظر کو حافظے میں سمیٹ لینے اور یاد رکھنے کی سعی کرنے لگا۔ اونٹوں کے پھسلنے سے ریت کے بادل اٹھنے لگے۔ کارروان کے سبھی لوگوں کی کوشش تھی کہ کسی اونٹ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، ان پر جو سامان لدا ہے، خاص طور پر پانی کے کنٹینر محفوظ رہیں۔ ہمارے سامنے دور فاصلے پر بھورے، سبز اور ہرے درخت تھے۔ ان کے پس منظر میں چھوٹے ٹیلوں کا ایک سلسلہ تھا، جسے دیکھ کر مصر کے اہرام یاد آتے۔ قدیم زمانے میں اس وادی سے دریا گزرتا ہوگا۔ کبھی یہاں تکلا مکان کے شہر بھی ضرور ہوں گے۔ اونٹوں کے ساربان پکارنے لگے، ''درخت، درخت۔'' ہم سب نے ایک زبان ہو کر کہا، ''الحمدللہ۔'' میں جو منظر دیکھ رہا تھا کیا وہ حقیقی ہے؟ میں نے اپنے آپ کو چٹکی بھری۔ اگر دریا کے کنارے کبھی کوئی بستی تھی، تو وہ ہزار برس پہلے آباد ہوئی ہوگی۔ اس کے آثار کی دریافت ہمارے لیے بہت بڑا اعزاز ہوتی۔ میں نے چاروں اطراف میں آدمی دوڑائے کہ کہیں پانی کے آثار دیکھیں تو بتائیں، لیکن بدقسمتی سے سب ناکام ہوئے۔ پانی کے لیے کنوئیں کھودے گئے، جس سے ریت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہاں کبھی آتش فشانی ہوئی ہوگی۔

گیوجن وائی پکارا، ''ہمیں کچھ لوگ دیکھ رہے ہیں۔''

میں نے پوچھا، ''کیا کہہ رہے ہو؟ کہاں ہیں وہ آدمی جو تمہیں نظر آ رہے ہیں؟''

''ہم چینی لوگ اس طرح کی چیزیں محسوس کر سکتے ہیں۔ یہاں روحیں ہیں جو ہمیں دیکھ رہی ہیں۔''

میں نے اس کا چہرہ غور سے دیکھا، اس پر مزاح کے کوئی آثار نہیں تھے۔ وہ نہایت سنجیدہ تھا۔

''مجھے آوازیں بھی آ رہی ہیں،'' اس نے کہا۔

شام ہو رہی تھی، میں نے گیو سے مشورہ کیا اور اگلی ریتلی چٹان تک سفر جاری رکھنے پر اتفاق کیا۔ ہم پانی کے لیے کنواں کھودنا چاہتے تھے تاکہ دوسری صبح اونٹوں کو پانی پلا سکیں۔ ان کے چہروں کے تاثرات سے عیاں تھا کہ وہ درختوں کے علاقے میں

قیام اور آرام کرنا چاہتے تھے۔ میرا گھٹنا سوج گیا تھا اور درد کرنے لگا تھا۔ مجھے بھی آرام کی ضرورت تھی لیکن میں نے کہا کہ ہمیں چلتے رہنا چاہیے، تاکہ کسی ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں پانی تلاش کیا جا سکتا ہو۔ ساربانوں نے اونٹوں کی مہاریں پکڑ لیں اور انہیں آگے چلنے کے لیے کھینچنے لگے۔ ان میں سے بعض اونٹ بلبلانے لگے۔ وہ بھی ہماری طرح تھکے ہوئے تھے۔ ہم نے درخت کے آخری تنے کو پیچھے چھوڑا اور ریت پر آ گئے، جو ٹھنڈی تھی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پانی نہ ملنے اور جنگل میں مدفون کئی رازوں کو معلوم نہ کر سکنے کا افسوس تو ہوا لیکن پانی کی تلاش میں ہم آگے بڑھنے پر مجبور تھے۔ پانی کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں ایک دن کے لیے وہاں ضرور قیام کرتا۔ پانی کی تلاش نے ہمیں ہر حال میں سفر جاری رکھنے پر مجبور کیا۔ جنگل میں ایک دن گزارتے تو پال جی بھر کر نقشہ کشی کرتا اور ہم وہاں کی نباتات کا تجزیہ کر سکتے۔ کچھ نمونے اکٹھے کر سکتے۔ یہ وہ کام تھا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ اس رات پانی نہیں ملا۔ دوسرے دن بھی نہیں ملا۔ پانی نایاب تھا۔

20 اکتوبر کو میں نے ڈائری میں لکھا ہمیں ایک ہی پریشان کن مسئلہ درپیش ہے۔ ہمارے پاس صرف **375** لٹر پانی رہ گیا ہے۔ اس میں سے صرف **70** لٹر پانی آلودہ نہیں۔ کوئی ایسی جگہ دکھائی نہیں دے رہی جہاں سے پانی ملنے کا امکان ہو۔ دو دن ہو گئے ہیں کہ ریت کے ٹیلوں میں بھٹک رہے ہیں۔ یہاں قدیم جنگل ہے تو دوسری جانب لق و دق صحرا ہے جہاں پانی کی ایک بوند بھی نہیں۔ کیا جنگل محض واہمہ تھا یا حقیقت تھا؟ ہم نے آلودہ پانی میں سے نصف اونٹوں کو پلا دیا۔ جہاں سے چھ سات دن کی مسافت پر بواتون گوز ہے۔ وہاں سے پہلے پانی ملنے کا قطعاً کوئی امکان نہیں۔ جتنا کچھ صاف پانی میسر ہے اس پر اکتفا کرنا پڑے گی۔ ایک دن کے لیے ایک لٹر پانی چاہیے ہو گا۔ اس لیے پانی کی سخت حفاظت کرنا ہو گی تاکہ اس کی معمولی مقدار بھی نہ بہنے پائے اور نہ بخارات بن کر اڑ سکے۔ اس دوران میں ''نیا'' کی تلاش جاری رکھنی چاہیے۔ تاکہ شاید وہاں پانی مل جائے۔ ''نیا'' تک پہنچنے میں ایک دن لگ سکتا ہے۔ اس کے لیے ہمیں جنوب کا رخ کرنا ہو گا۔ کتنی دور جانا پڑے گا؟ یہ واضح نہیں۔

مجھے سٹین کا سفر نامہ یاد آتا تھا، اس نے شاہراہِ ریشم سے اوپر من فنگ سے

صحرا کا سفر اختیار کیا تھا۔ وہ ایک قدیم دریا کے کنارے چل رہا تھا۔ دریا کی گودی کو خشک ہوئے مدتیں گزر گئی تھیں، اب وہاں پانی کے آثار تک نہیں تھے۔ سٹین نے یہ دیکھ کر کہ یہاں پانی ملنا محال ہے، اپنے تمام اونٹ واپس بھیج دیے تھے۔ بارنی کی آواز بھی میرے کانوں میں آتی، ''سٹین کی بات کو نہ بھلانا کہ ''نیا'' میں اسے پانی نہیں ملا تھا۔ تمہیں کہاں سے مل جائے گا؟'' صورتِ حال کی سنگینی کے احساس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ ہمارے سامنے دو ہی راستے تھے، لیکن دونوں پُرخطر یا وا ٹانگوز کی طرف کا راستہ بہت بلند تھا، اس پر جانے سے پانی جلد ختم ہو جاتا۔ دوسرے چھ کمزور اونٹوں کے مر جانے کا بھی خطرہ تھا۔ اس طرح پانی کی تلاش میں جنوب کی طرف جانا بھی آسان نہیں تھا۔ پانی کے ملنے کا امکان بہت کم ہے۔ ''نیا'' کی تلاش میں نکلنا اور اس کا راستہ ڈھونڈنا بے سود تھا۔ لیکن ''نیا'' کو نظر انداز کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ میں ہر ایک کی رائے جاننا چاہتا تھا تاکہ جو قدم بھی اٹھے، اتفاق رائے سے اٹھے۔ پانی کتنا رہ گیا ہے؟ اس کی بنا پر ہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ میں نے کہا کہ مجھ سے دو غلطیاں ہوئیں۔ ایک یہ کہ میں نے خیال کیا کہ ''نیا'' میں پانی موجود ہے۔ اگر میں نے سٹین کی تحقیق کا جائزہ لیا ہوتا جس طرح بارنی نے لیا تھا تو پتہ چل جاتا کہ حقیقت کیا ہے۔ کیرولین نے کہا کہ اس میں حیرت کی کون سی بات ہے۔ ہم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو ہمیں موت کی وادی کا منظر دکھائی دے گا۔ درختوں کے مردہ ٹھنٹھ اور تنے، جیسے قبرستان ہو۔ ہم دن میں جس ٹیلے کے پاس سے گزرے، یہی گمان گزرا کہ یہاں کھودیں تو پانی مل جائے گا۔ لیکن پورا علاقہ اتنا خشک اور بے آب تھا کہ بیان کرنا مشکل ہے۔

پال نے پوچھا، ''تمہاری دوسری غلطی کیا تھی؟''

''تین دن گزرے ہم پانی کے لیے کھدائی کر سکتے تھے، لیکن ہم نے نہیں کی۔ اس کا کوئی جواز نہیں تھا، دراصل اونٹوں کو ٹانگوز بستی میں خوب پانی پلا لیا تھا۔ وہ تازہ دم لگتے تھے، اسی لیے ہم نے پانی کی تلاش میں کوتاہی کی، جو ہم نے نہ کی ہوتی تو اونٹوں کو پینے کے لیے مزید پانی مل جاتا اور بڑی مقدار میں پانی ساتھ لے جا سکتے۔ یہ غلطی معمولی نہیں تھی، اسے جان لیوا کہہ سکتے ہیں۔ ہاں ریو پرٹ نے کہا تھا کہ ہمیں

پانی کے لیے کنواں کھود لینا چاہیے، اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ آگے کیا پیش آئے۔ میں نے اس کا مشورہ نہیں مانا۔''

کیرولین نے کہا ''چارلس! انصاف کی بات یہ ہے کہ ہم اب تک خوش قسمت رہے ہیں۔ اگر ہمیں احساسِ تحفظ ہو جاتا تو تھوتھے پڑ جاتے۔ سہل انگاری ہم سب کی غلطی ہے، ہم سب ایک ہی صف میں کھڑے ہیں۔''

میں نے ہدایت کی کہ ہر فرد دِن میں صرف ایک لٹر پانی لے سکے گا۔ صبح اور شام کو کھانا پکانے کے لیے ایک لٹر پانی استعمال ہوگا۔ اس طرح ہر دن اٹھائیس لٹر پانی ہمارے درمیان تقسیم ہوتا۔ ہمارا باقی ماندہ پانی اونٹوں کو پلایا جا سکتا تھا۔ ریو پرٹ اور زانگ بوکا کو ہر ایک کی بوتلیں بھرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ مقصد یہ کہ کوئی مقررہ مقدار سے زیادہ پانی نہ لے سکے۔ میں نے اکثر دیکھا کہ دباؤ اور بحران میں لوگوں کا رویہ بدل جاتا ہے اور وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر باہم جھگڑنے لگتے ہیں۔

اونٹوں کا اچھی حالت میں رکھنا ضروری تھا۔ مہم کی کامیابی کا انحصار اسی پر تھا کہ اونٹ ضروری سامان اٹھانے کے قابل رہیں۔ انسانوں کا ذمہ داریاں نبھانے کے قابل رہنا بھی ضروری ہے، لیکن اونٹوں کا معاملہ بھی مختلف نہیں۔ اونٹوں کو لمبے وقفوں سے پانی ملے تو ان کی گزر ہو جاتی ہے لیکن یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب انہیں زیادہ کام نہ کرنا پڑے۔ جب ان سے زیادہ کام لیا جائے گا تو اسی نسبت سے انہیں زیادہ پانی بھی پلایا جائے گا۔ جس قسم کے حالات تکلا مکان میں پیش آتے رہے ان میں زیادہ ہوش مندی چاہیے تھی۔ اونٹوں کو ہر روز بھاری سامان اٹھانا پڑتا۔ 90 فارن ہائیٹ کی گرمی میں ٹیلوں کو عبور کرنا پڑتا تو ان پر کیا گزرتی ہوگی؟ اس کا بآسانی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

ایک دن جب گرمی پورے شباب پر تھی، ہر کوئی بوکھلایا ہوا تھا، ہم ریت کے اونچے ٹیلوں میں سے گزر رہے تھے کہ دو اونٹ، جو مختلف قطاروں میں تھے، چوٹی پر سے لڑھکتے ہوئے نیچے جا گرے، وہ زور زور سے بلبلا رہے تھے۔ وہ کمزوری کا شکار تھے، انہیں چمکارنے کا کوئی اثر نہیں تھا۔ لاکھ کوشش کی کہ وہ کسی طرح اٹھ کر کھڑے ہو جائیں لیکن بے سود، وہ بے بسی کے عالم میں ہمیں اپنی نم بھوری آنکھوں سے دیکھتے

تھے۔ مجھے ان کی حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ جب وہ کسی طرح بھی کھڑے ہونے پر تیار نہیں ہوئے تو ان پر لدا ہوا سامان اتارا گیا اور مضبوط اونٹوں پر تقسیم کر دیا گیا۔ کریم نے کہا کہ کل یہ اونٹ مر جائیں گے۔ اس کی آواز میں کسی قسم کی جاذبیت کا اظہار نہیں تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ اونٹ جب ٹیلوں پر چڑھتے تو ان کی پچھلی ٹانگیں بری طرح کانپتی تھیں، وہ انہیں پھیلاتے تو توازن برقرار نہ رکھ سکتے۔ گر پڑتے اور مر جاتے۔

مجھے وار آفس کی 1908 کی مطبوعہ اونٹوں سے متعلق وہ کتاب یاد آئی جس میں لکھا تھا کہ اونٹ بلا کے صابر ہوتے ہیں، وہ تادیر بھوک پیاس برداشت کر سکتے ہیں۔ زخم آنے پر بھی بالعموم خاموش رہتے ہیں۔ مرتے دم تک ہمت نہیں ہارتے، مرنے کے لیے ہی گرتے ہیں۔

صورت حال کا دباؤ، مجھ پر اثر انداز ہونے لگا۔ میں اپنی غلطیوں پر نادم تھا اور ریتلے ٹیلوں میں سے گزرنے کی رفتار کے کم ہونے پر ناراض تھا۔ ٹیلے راستے میں حائل ہونے لگے۔ ہمیں ان کے گرد چکر کاٹ کر آگے بڑھنا پڑتا۔ میں سوچنے لگا کہ قدرت کی طرف سے کھڑی ہونے والی مشکلوں پر قابو پانے کا ہمیں کیا حق ہے؟ صحرا ہم پر کیوں مہربان ہو اور ہر چند روز بعد ہمیں پانی کی تلاش میں آسانی کیوں فراہم کرے؟ صحرا میرے منصوبے کے کمزور ترین پہلو پر حملہ آور ہو رہا تھا۔

میں نے مارک اور ریوپرٹ کو ایک بہت گہرے نشیب کے کناروں پر دیکھا، آدھا کارروان ان کے راستے پر چل رہا تھا۔ آدھا مجھ سے نصف میل پیچھے آ رہا تھا۔ میں نے انہیں زور سے پکارا اور کہا کہ اگر تم دونوں اپنے اپنے راستے پر چلتے رہے تو کارروان بے سمتی کا شکار ہو جائے گا۔ کس کے پیچھے چلے؟ وہ فیصلہ نہیں کر سکے گا۔ ان کی لاتعلقی نے مجھے اور زیادہ پریشان کر دیا۔ میں نے انہیں کہا کہ وہ میری طرف آئیں۔ ان سے تلخ کلامی کا مجھ پر اچھا اثر ہوا، مجھے اطمینان حاصل ہو گیا۔

باب 13

قدیم آثار کا انکشاف

21- اکتوبر کو میں کیمپ سے صبح ہی نکل کھڑا ہوا اور اکیلا چلتا ہوا ایک فاصلے تک پہنچا۔ میں مکمل تنہائی کا لطف اٹھانا چاہتا تھا۔ میں نے سٹین کے نقشے سے اندازہ لگایا تھا کہ ہم ''نیا'' کے کھنڈروں کے شمال مغربی کونے کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ درختوں کے تنوں کے درمیان کسی قدیم عمارت کی باقیات ملنے کا امکان ہے۔ میں پندرہ سے تیس فٹ اونچے ٹیلوں پر سے گزرتا جا رہا تھا۔ میں گئی رات کو کیے جانے والے فیصلے پر غور کر رہا تھا۔ بارنی سے ریڈیو پر رابطہ ہونے پر ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اس نے صحیح پیش بینی نہیں کی تھی کہ ہمیں ایک مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ جانتے ہوئے کہ ہم مشرق کی طرف جائیں یا جنوب کی طرف، ہمیں خطرے کا سامنا کرنا پڑے گا، اس نے اپنی گاڑیوں کو خطرے میں ڈال کر ہم تک پہنچنے کا فیصلہ کیا۔ ضرورت سے زائد تمام چیزیں، گاڑیوں پر سے بوجھ کم کرنے کے لیے اتار دی گئیں۔ 150 لٹر پانی رہنے دیا گیا کیوں اس پر ہماری بقا کا انحصار تھا۔ ہم نے جوا کھیلنے کا فیصلہ کیا۔ اونٹوں والی پارٹی جہاں تک ممکن ہوا، جنوب کی طرف بڑھے گی جب کہ بارنی شمال کی جانب جائے گا۔ اگر کوئی گاڑی ریت میں پھنس گئی اور اسے نکالا نہ جا سکا تو مہم ناکامی سے دوچار ہو جائے گی۔ ہم وقت ضائع کرنے کے متحمل نہ ہو سکتے تھے اور نہ پانی کا ضیاع برداشت کر سکتے تھے۔ میں ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ یہ صبح 7-15 کا وقت تھا۔ میں نے اپنی ڈائری نکالی اور لکھا: ''میں 'نیا' کے آثار کی تلاش میں ہوں۔ میرے سامنے حیران کن منظر ہے۔

مشرق میں دور تک کم بلندی کے ٹیلے ہیں، افق پر اونچے ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔ سورج کی روشنی میں ان کے سائے دراز ہوتے جا رہے ہیں۔ مغرب کی جانب، جہاں ہم نے کیمپ قائم کیا تھا، سورج نے مسخ شدہ درختوں کے تنوں کو زیادہ بدہیئت بنا دیا ہے۔ جنہیں دیکھ کر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ ہزاروں برس پہلے یہاں کا جنگل تباہ ہو گیا تھا۔ میری خواہش تھی کہ ''نیا'' کے آثار مل جائیں لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے چاہا کہ سر ایورل سٹین کی روح پکارے، ''آؤ، مجھے بتاؤ کہ تمہیں آثار کہاں ملے ہیں۔''

ریت کی وسعت میں ''نیا'' کے نوادر پڑے ہیں جنہیں سٹین نے **1907** میں ڈھونڈ نکالا تھا۔ اسے یہاں چوبی مہریں ملی تھیں جن پر کچھ تحریریں کندہ تھیں۔ انہیں پڑھ لیا گیا تھا۔ جس زبان میں یہ تحریریں تھیں وہ شاہراہِ ریشم کے شمال مشرقی علاقے میں بولی جانے لگی ہے۔

سورج بلند ہو چکا تھا، دھوپ میں منظر کے سارے رنگ دھل گئے تھے۔ میں جب واپس کیمپ پہنچا تو اونٹوں پر سامان لادا جا چکا تھا۔ اونٹ سخت تھکے ہوئے، بے کل اور پیاسے تھے۔ وہ اپنے پاؤں بے چینی سے پٹخ رہے تھے۔ ہر اونٹ پر معمولی مقدار میں پانی بھی رکھا ہوا تھا۔ ہم اس امید میں چل پڑے کہ بارنی ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔ میں ڈرتا تھا کہ دونوں ٹیمیں ایک دوسرے کو جا لینے کی بجائے کہیں کھو نہ جائیں۔ گرمی بڑھ گئی تھی، پسینہ روئیں روئیں سے پھوٹ بہہ رہا تھا۔ پیاس سے برا حال تھا لیکن اپنی بوتل سے پانی دوپہر تک نہ پینے کا جو عہد کر رکھا تھا، اس پر قائم رہنا چاہتا تھا۔ پیاس کی شدت ناقابل برداشت ہو گئی تھی، کیرولین نے اسے موت کی وادی کہا تو غلط نہیں کہا، لوکا ہر تھپیڑا جیسے تباہی کا پیامبر ہو۔ لسیئن نے اس صبح گیت نہیں گایا، جب وہ گانا بھول گیا تھا تو کوئی ساربان کیسے گا سکتا تھا؟ ہم تھکن اور غشی کی درمیانی سرحد پر پہنچے ہوئے تھے، نامعلوم رستوں پر چند سو میل اور چلنے کا امکان ختم ہوتا دکھائی دینے لگا تھا۔ ہر ایک کو یہی امید تھی کہ بارنی سے ملنے سے ہنگامی صورت حال سے نکلا جا سکے گا۔

میں سب سے ایک میل آگے ایک طرف ہو کر چل رہا تھا۔ خیال تھا کہ شاید اسی طرح قدیم عمارتوں کے آثار دکھائی دے جائیں۔ ایک جگہ میں ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گیا میں نے دیکھا کہ ریوپرٹ کی سربراہی میں کارروان ٹیلوں کے درمیان سے

گزرتا آ رہا ہے۔ جلے اور سوکھے ہوئے درختوں کے تنے جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے۔ کارروان کے اونٹ اور افراد مجھے بے حد چھوٹے چھوٹے لگے۔ میں نے ریڈیو پر بارنی کی آواز سنی، ہم نے ایک دوسرے کو بتایا کہ ہم کس جگہ پر ہیں، پیغام رسانی کے ذریعے طے پایا کہ وادی کے دونوں اطراف کے پہاڑوں سے اتر کر ہم ایک دوسرے سے کہاں مل سکتے ہیں اور گاڑیوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ کرشن نے ریڈیو پر بتایا کہ ہم نے آپ کو دیکھ لیا ہے۔ کیا آپ بھی ہمیں دیکھ سکتے ہیں؟ کرشن کو بارنی نے دوربین دے کر بھیجا تھا کہ دیکھے کہ ہم کہاں ہیں۔ وادی گرم تھی، ہوا بالکل بند تھی۔ دھوپ میں ریت کی چمک آنکھوں کو چندھیا رہی تھی، کالا چشمہ پہن کر ہی صحیح طرح دیکھا جا سکتا تھا۔ ہم چلتے گئے، خیال تھا دونوں ٹیمیں آپس میں آ ملیں گی۔ ریو پرٹ مارک اور میں، اونٹوں سے بہت آگے چل رہے تھے۔

اچانک وہ نظر آ گئے۔ گاڑیاں چھوٹے کھلونے کی طرح دکھائی دیتی تھیں۔ وہ ہماری طرف آ رہی تھیں۔ ان کے ساتھ اینی تھی، جو ٹوٹی ہوئی بوتلوں کا تحفہ لائی تھی۔ مارک اور ریو پرٹ بیک زبان پکارے۔ ''اس لڑکی کے بارے میں کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔'' ہم ایک گھنٹا امدادی ٹیم کے ساتھ رہے۔ وادی گرمی سے ہمیں بھون رہی تھی۔ میری پہلی چاہت یہ تھی کہ گاڑی کی اوٹ میں بیٹھ کر کچھ دیر سستا سکوں۔ ہم نے ''نیا'' کی تلاش میں شمال مشرقی سمت اختیار کی۔ اونچائی سے بارنی کی ٹیم نظر آئی۔ ایک گاڑی پر یونین جیک لہرا رہا تھا۔ امدادی ٹیم جو صاف پانی جیری کین میں بھر کر لائی تھی، ہم نے بے دھیانی میں اپنے کنستروں میں بھر لیا۔ جو پانی ہمارے پاس تھا، اس کا نصف ہم نے اونٹوں کو پلا دیا۔ خیال تھا کہ وہ اس پر چند روز اور نکال لیں گے۔ میں اور جان نے ''نیا'' کے محل وقوع کے بارے میں خاصا غور وخوض کیا۔ میرا خیال تھا کہ جان سمت کا تعین کرنے کا ماہر ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ ہم شمال مشرق کا رخ اختیار کریں۔ میں نے اس کی بات مان لی۔ تین گھنٹے چلتے رہنے کے بعد ہمیں ریت میں ٹوٹے ہوئے برتن کا ٹکڑا ملا۔ چارلس نے مارک سے پوچھا کہ کیا مل گیا ہے؟ میں نے بتایا کہ برتن ملا ہے۔ ہم ہر قدم نہایت محتاط انداز سے اٹھا رہے تھے۔ چینی ہماری ہر حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ گیوجن وائی کئی بار کہہ چکا تھا کہ ہمیں ''نیا'' کے آثار تک پہنچنے سے قبل چینی حکام

سے منظوری حاصل کرنی چاہیے۔ میں نے کہا کہ گیو کسی کو کیا پتہ کہ ہم کہاں ہیں؟ غالباً سٹین آخری آدمی تھا جس نے ایک سو سال قبل یہاں پرانے آثار کی کھدائی کی تھی۔ ہمیں کون بتائے گا کہ ہم سیدھے چلتے جائیں گے اور راستے میں پڑنے والے آثار کو نظر انداز کر دیں گے؟ گزشتہ دس برس سے ''نیا'' کے آثار چینی اور جاپانی ماہروں کی جستجو اور دریافت کا مرکز رہے تھے۔ تیسری صدی سے پہلے، بودھ آثار کا گہوارہ ہونے کے سبب سے ''نیا'' کا علاقہ بین الاقوامی شہرت کا حامل چلا آ رہا تھا۔ یہاں تک رسائی جنوب کی طرف سے ہوتی رہی۔ من فنگ سے اونٹوں کے ذریعے پانچ دن میں یہاں تک پہنچا جا سکتا تھا۔ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ ہم مغرب کی طرف سے، پورا صحرا عبور کر کے، یہاں تک پہنچے تھے۔ ہم جو کچھ دریافت کریں گے، وہ ہماری شہرت کا موجب ہوگا۔ گیو نے میری بات سنی اور بولا تم ٹھیک کہتے ہو لیکن یہاں کھدائی نہیں کرنی۔ اگر تم نے کی تو واپس ارمچی پہنچ کر میری بڑی باز پرس ہوگی۔

میں نے ریو پرٹ سے کہا کہ وہ کارروان لے کر چلتا جائے، دو گھنٹے کے بعد پڑاؤ کر لے۔ مارک اور میں نے ٹیم سے علیحدگی اختیار کر لی اور علاقے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ایک گھنٹے بعد ہمیں ریت پر برتنوں کے ٹکڑے پھیلے نظر آئے۔ لکڑی کا کوئی ٹکڑا نہیں ملا جس سے اندازہ کیا جا سکتا کہ یہاں اگر کوئی مکان تھا تو کس طرح کا تھا۔ چارلس نے ریڈیو پر اطلاع دی کہ میں ایک گھر میں داخل ہو گیا ہوں، گھر نہیں بلکہ فلیٹس کا ایک بلاک ہے۔ میں نے پوچھا کہ ذرا تفصیل سے بتاؤ۔ اس نے کہا کہ تین مکان ہیں۔ میں نے حیرت سے مارک کی طرف دیکھا۔ مارک کا کہنا تھا کہ ریو پرٹ اگر کسی قدیم گھر کے دروازے میں سے بھی گزر کر، اس میں داخل ہو جائے تو وہ نہیں بتا سکے گا کہ اس نے کیا دیکھا۔ میں نے ریو پرٹ سے پوچھا کہ وہ صحیح صحیح بتائے کہ اس نے کیا دیکھا ہے۔ اس نے کہا کہ میں کیرولین کے ساتھ کارروان کے آگے آگے چل رہا تھا۔ ہم اونچائی پر پہنچے اور شمال کی جانب دیکھا تو پیالہ نما وادی نظر آئی۔ اس کے وسط میں لکڑیاں ابھری ہوئی تھیں۔ صحرا میں اس سے پہلے انہوں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ ریو پرٹ نے سمت بدلی اور وادی تک پہنچنے کا چھوٹا راستہ اختیار کیا۔ اطلاع نہ ملتی تو وہ یہاں سے گزر گیا ہوتا۔

ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ لکڑی کے ستون ہی نہیں تھے بلکہ مکمل دیواریں کھڑی تھیں۔ فرش پر ٹوٹے ہوئے برتنوں کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ چینی ہمارے پیچھے آ رہے تھے۔ اس لیے ہماری کوشش تھی کہ یہاں کے آثار سے متعلق جو کچھ بھی جان سکتے ہیں، اس میں عجلت برتیں۔ گیو نے تو ہمیں یہاں کیمپ کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن وہ ''نیا'' کے بارے میں کچھ زیادہ پرجوش نہیں تھا۔ وہ کہہ چکا تھا کہ ہمیں یہاں کھدائی نہیں کرنی چاہیے۔ بہ صورت دیگر اسے چینی حکام کے سامنے مشکل پیش آ سکتی ہے۔ ریوپرٹ کا کہنا تھا کہ ایک دن یہاں کے آثار، برٹش میوزیم کی زینت ہوں گے اور ہمیں سے موسوم ہوں گے۔

مارک اور میں اونٹوں کے تعاقب میں چل رہے تھے۔ نصف گھنٹے تک تیز تیز چلنے کے بعد ہم نے انہیں جا لیا تھا۔ ریوپرٹ نے جس طرح بتایا تھا کہ پہلے مکان کے آثار ایک سطح مرتفع پر تھے، صدیاں گزر جانے کے باوجود وہ ملیا میٹ نہیں ہوئے تھے۔ چینی کیمپ میں چلے گئے۔ میں اپنے طور پر وہاں کھڑا رہا اور مارک مووی کیمرے سے تصویر بناتا رہا۔ میں برتنوں اور ہڈیوں کو بچاتا ہوا اوپر چڑھ گیا۔

نیچے کمرے تھے، جن کے کونوں پر لکڑیوں کے ستون تھے۔ عمارت 40 فٹ لمبی اور 20 فٹ چوڑی تھی اس میں تین بڑے کمرے تھے، چھت ٹوٹ گئی تھی۔ شمال کی جانب صحن میں درخت کا تنا تھا۔ عمارت کی بنیاد میں بھی لکڑی ڈالی گئی تھی، 7 اور 6 انچ چوڑی، ہر دو فٹ پر اس میں جوڑ ڈالا گیا تھا۔ جوڑ پر عمودی لکڑیاں کھڑی کی گئی تھیں۔ سارا کام حیران کن ہنرمندی سے کیا گیا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جوڑ جدید آلات سے بنائے گئے ہیں۔

ایک قدیم عمارت میں کھڑا ہونے اور وہاں سے نوادر چننے کی جو خوشی حاصل ہوئی اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میں عالم سرور میں ایک عمارت سے دوسری عمارت میں گیا۔ صحرا میں 29 دن گزارنے، 400 میل کا سفر کرنے کے بعد ہم نے تکلا مکان کے قدیم آثار کی باقیات دریافت کر لی تھیں۔ میں نے دو گھنٹے تک، آثار کا مکمل جائزہ لیا اور تین مزید عمارتیں اور ان کے گرد ایک ایک باغ کی باقیات دریافت کیں۔ اس میں اب شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ یہ سارے آثار ''نیا'' کے کنارے زرعی

آبادی کے تھے، جو تیسری صدی عیسوی تک قائم تھی۔ تارم کے طاس پر چینی حاکمیت کے خاتمے سے ہی یہ بستی اجڑی۔ ایک گھر مویشی رکھنے کے کام آتا تھا۔ اس کے ایک جانب برتنوں کے ٹکڑوں، گٹھلیوں، کوئلے، چارے، جانوروں کی ہڈیوں اور گوبر کی کئی تہیں تھیں۔ مارک نے گائے کا گوبر اٹھا کر مجھے دکھایا اور کہا کہ یہ سترہ سو سال پرانا گوبر ہے۔

میں وہاں کے آثار پر تفصیلی مشاہدے اور مطالعے کے لیے کئی روز قیام کرنا چاہتا تھا۔ لیکن پانی کی کم یابی اور صحت کے مسائل کے پیش نظر یہ ممکن نہ تھا۔ یہاں قدم قدم پر نوادر موجود تھے۔ انہیں سمیٹنا اور ساتھ لے جانا ناقابل قیاس تھا۔ ہمیں کھدائی کرنے کا بھی اختیار نہیں تھا۔ ہمارے پاس ایسے تربیت یافتہ افراد بھی نہیں تھے جو مطالعے اور مشاہدے کے تقاضے پورے کر سکتے اور واضح نتائج اخذ کیے جا سکتے۔ ہمیں شیشے کا ایک ساغر ملا۔ وہ وہاں کیسے پہنچا؟ کیوں کہ ایک روز پہلے تو وہ نہیں تھا۔ پتہ چلا کہ اینجیور نے وہاں سے کئی چیزیں نکالی تھیں۔ وہ اپنی قیمتی اشیا گھروں میں کہاں چھپاتے ہیں؟ اسی علم کی بنا پر انہوں نے یہاں ان جگہوں کی کھدائی کی کہ جہاں عام نظر نہیں جا سکتی۔ ہمیں دیواروں میں کئی سوراخ دکھائی دیے۔ وہاں سے یہ اشیا نکالی جا سکتی تھیں۔

صبح کوکوچ کرنے سے قبل، جب بعض افراد ناشتہ کرنے میں مصروف تھے اور بعض اونٹوں پر سامان لاد رہے تھے، میں نے اس جگہ کا ایک بار پھر معائنہ کرنا چاہا۔ میں نے کمروں میں کھڑے ہو کر ان لوگوں کے بارے میں سوچا، جو سترہ سو برس پہلے یہاں رہتے رہے تھے۔ مجھے لگا کہ وہ ملحقہ باغ سے بھیڑوں کو ہانک کر باہر لے جا رہے ہیں۔ عورتیں باورچی خانے میں چولھے جلائے کھانا پکا رہی ہیں۔ بچے ریت میں کھیل رہے ہیں۔ لوگ مویشی چرانے باہر جا رہے ہیں۔ ایک ایسی وادی میں جہاں قدیم زمانے کے گھروں کے کھنڈر بکھرے ہوئے ہیں، کبھی نہر بھی بہتی تھی جو کھیتوں کو سیراب کرتی، پھل دار درخت اگاتی اور وادی میں خوش رنگ پھولوں کے قطعات بچھاتی چلی جاتی ہے۔ لیکن اب نہ وہ نہر تھی، نہ کھیت اور درخت تھے، بس ریت ہی ریت تھی۔

باب14

چینی

چینی ارکان میں آنے والی تبدیلیوں کا مشاہدہ خاصا دلچسپ تھا۔ ایک ماہ بعد گیوجن وائی میں قائدانہ صلاحیت بیدار ہوگئی تھی۔ وہ اونٹوں کے اطوار اور خصائل سے اور ایغیور کے طریق کار سے اچھی طرح واقف ہوگیا تھا۔ کہیں کوئی غلطی ہوتی دیکھتا تو اس کی فوراً اصلاح کر دیتا۔ گیو اور ریوپرٹ کارروان کی تنظیم سے متعلق جو فیصلے کرتے، ان پر نظر ثانی کی کم ہی ضرورت پیش آتی۔ انگریز اور چینی ارکان میں کھنچاؤ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ میں اپنے منصوبے پر عمل درآمد کرانے میں تامل و تذبذب کا شکار نہیں ہوتا تھا۔ گیو سمیت سبھی میری رائے کا احترام کرتے۔ گیو اب کھل کر باتیں کرنے لگا تھا۔ میں نے پوچھا کہ ڈنگ سیاؤ بنگ کے مرنے کے بعد کیا ہوگا، اس کا کہنا تھا کہ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ میں نے کہا کہ کہیں اولڈ گارڈ کے واپس آنے کا امکان تو نہیں۔ اس کا جواب تھا کہ قطعاً نہیں۔ اس لیے کہ اولاً اولڈ گارڈ میں سے چند افراد ہی باقی رہ گئے ہیں۔ قیادت نوجوانوں کے ہاتھ میں رہے گی۔ چینی عوام اپنی کاریں خود چلانا اور کاروبار سے پیسہ بنانا چاہتے ہیں۔ میں نے اپنی کار بیچ دی ہے اور مکان رہن رکھ دیا ہے۔ اس طرح جو پیسہ ملا ہے اسے کاروبار میں لگاؤں گا۔ میں جب صحرا سے واپس جاؤں گا تو سنکیانگ نیچرٹریول سروس کے لیے نہیں، جو سرکاری کمپنی ہے۔ اپنا کاروبار کروں گا۔ میں نے گیو سے پوچھا کہ تم ارمچی میں کب تک رہو گے۔ تم اپنے والدین کے ساتھ منچوریا سے وہاں گئے تھے۔ اس نے کہا کہ کچھ پیسہ ہاتھ آ گیا تو میں موجودہ ملازمت چھوڑ دوں

گا۔ اکثر نوجوان چینی سنکیانگ میں نہیں رہنا چاہتے۔ اس لیے کہ یہ بہت دور ہے۔ دوسرے یہاں کے لوگ بھی نہیں چاہتے کہ ہم یہاں رہیں۔ میں ارمچی، ہوتن اور شاچی گیا ہوں، یہاں کے لوگ آزاد منش ہیں۔ ان کی زبان، ان کی ثقافت اور ان کا مذہب ہم سے الگ ہے۔ چینی عوام پیسہ کما رہے ہیں۔ نوجوان ان کی تقلید میں آزادانہ پیسہ کمانا چاہتے ہیں۔ میرے خاندان کی طرح دوسرے چینی خاندان جو چالیس برس پہلے سنکیانگ میں جبراً آباد کیے گئے تھے، یہاں سے نکل جائیں گے۔ اس طرح چینی اور مقامی اقلیتی لوگوں میں توازن برقرار رہے گا۔ ممکن ہے یہ تبدیلی فوری طور پر نہ ہو لیکن ہوگی ضرور۔ ہم نے اس چینی قانون کے بارے میں پوچھا جس کے تحت بیاہتا جوڑے صرف ایک بچہ پیدا کرنے کے پابند کر دیے گئے ہیں۔ یہ قانون چین کی روایت کے خلاف ہے۔ بڑے خاندان، بڑھاپے میں معمر لوگوں کے لیے تحفظ کا وسیلہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مغربی ملکوں میں ہے، خاندان کے کم عمر ارکان اپنے بوڑھوں کا خیال رکھتے ہیں اور ان کی ہر طرح کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ اس نے کندھے جھٹکے اور کہا کہ یہ قانون ہے۔ لیکن کیا تم زیادہ بچے نہیں چاہتے۔ اس کا جواب تھا، چاہتے تو ہیں مگر ہمارے ملک میں اس کی گنجائش ہی نہیں۔

لاؤ زہاؤ کی عمر 56 برس تھی۔ ثقافتی انقلاب سے قبل اس کے چار بچے ہو چکے تھے۔ ایک انجینئرنگ فیکٹری چلا رہا تھا۔ ایک روس میں شیف تھا۔ تیسرا موٹر گاڑیاں فروخت کرتا تھا۔ چوتھا ابھی پڑھ رہا تھا، اس کے دو پوتے بھی ہیں۔

''کیا تمہارے پوتے اپنے دادا کو دنیا کا لمبا ترین صحرا عبور کرتے دیکھ کر حیران نہیں ہوتے؟''

''بالکل نہیں، میں 36 برس سے صحرا میں آتا جاتا رہا ہوں۔''

لاؤ زہاؤ برطانوی ارکان میں خاصا مقبول ہو گیا تھا۔ وہ تمام چینیوں سے زیادہ جفاکش تھا، وہ کبھی کارروان کے پیچھے چلتا نظر نہیں آیا۔ وہ دل کی بات زبان پر لاتے نہیں ڈرتا تھا۔ جو صحیح سمجھتا، بلاتکلف کہہ دیتا۔ اس کا ایک سبب غالباً یہ تھا کہ وہ ثقافتی انقلاب سے پہلے کی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔

صبح کو جب ہر کوئی جاگ اٹھا تھا اور دن کا آغاز ہو رہا تھا ریوپرٹ نے مجھ

سے کہا کہ وہ سخت جان بوڑھا آدمی ہے۔ اس وقت درجہ حرارت 10 فارن ہائیٹ تھا۔ سخت سردی تھی، ہاتھوں کو پھونک مار مار کر گرم کیا جا رہا تھا اور جسم کو گرم کرنے کے لیے شال لپیٹ رکھی تھی۔ لاؤزہاؤ منہ میں سگریٹ دابے، صبح کے ناشتے کی بچی کھچی چیزیں سمیٹ رہا تھا۔ اس نے حسب معمول ڈھیلی ڈھالی سیاہ پتلون، کالر کے بغیر کی گندی قمیص اور بھورے رنگ کا سویٹر پہن رکھا تھا۔ ریو پرٹ نے صحرا میں آنے کے بعد سے چینیوں پر کبھی اعتماد نہیں کیا۔ معاملات میں ان کی دخل اندازی پر برا منایا۔ پہلے ہفتے کے دوران میں امدادی ٹیم سے ریڈیو پر رابطہ کرنے میں اسے مشکل پیش آتی رہی۔ ان دنوں وہ شدید بیمار تھا، اس کے جسم میں پانی ختم ہو گیا تھا۔ رہی سہی کسر پیچش نے پوری کر دی تھی۔ ایسے میں اس کی فکری صلاحیت متاثر ہوئی تھی۔ لاؤزہاؤ اس کی افتادِ طبع سے ناواقف تھا۔ اس نے تجویز کیا کہ ریو پرٹ نے ریڈیو کے لیے جو تار لگا رکھا ہے، اس کا رخ غلط جانب ہے۔ اس نے اپنے بازو کو پھیلا کر شاہراہِ ریشم پر شاچی کی طرف اشارہ کیا کہ تار اس طرف ہو گا تو پیغام رسانی میں آسانی ہو گی۔

ریو پرٹ پھٹ پڑا، ''یہ احمق بوڑھا چینی، ریڈیو کے بارے میں کیا جانتا ہے؟''

میں نے کہا ''نہیں، وہ نہیں جانتا، لیکن غالباً اتنا جانتا ہے کہ شاچی کس جانب ہے۔''

''یہ سارے فضول لوگ ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم نے انہیں ساتھ کیوں لگا رکھا ہے۔ بتاؤ وہ کیا کر سکتے ہیں؟ کیا وہ راستہ دکھا سکتے ہیں؟''

''نہیں۔''

''کیا وہ ریڈیو چلا سکتے ہیں؟''

''نہیں۔''

''کیا وہ سیٹلائٹ سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں؟''

''نہیں۔''

''بی بی سی کے پیغامات ریکارڈ کر سکتے ہیں؟''

''نہیں۔''

''کیا ان میں سے کوئی تربیت یافتہ ڈاکٹر ہے؟''

''نہیں۔''

''تو وہ پھر کیا کر سکتے ہیں؟''

خوش قسمتی سے خاصا وقت گزر گیا تھا۔ گیو جن وائی اور لاؤ زہاؤ دونوں نے ہم سب کا اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ ان کے کردار پر کسی نے حرف زنی نہیں کی تھی۔ لیکن دوسرے دو کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ صحرا میں اترنے کے تیس دن بعد بھی زہانگ اور بوہا نے ٹیم کے دوسرے ارکان سے الجھنا ترک نہیں کیا تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ گزشتہ دو ہفتوں سے چیولائی کے رویے میں خاصی بہتری ہوئی تھی۔ وہ مل کر کام کرنے کی ضرورت کو سمجھ گیا تھا۔ کم سے کم سب کی بقا کے لیے اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ جہاں پانی کے لیے کنواں کھودنا ہوتا تو وہ پیش پیش ہوتا۔ دن بھر کی مشقت کے بعد، جو صحرا میں سفر کرنے کے سلسلے میں کرنا پڑتی، کنواں کھودنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ہم نے عرصے سے سوچنا ترک کر دیا تھا کہ اس کے بھاری سامان میں ریڈیو کے آلات ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے کنٹرولروں کو اطلاعات پہنچایا کرتا ہے۔ اس نے تصویریں ضرور اتاریں لیکن ان میں سے بیشتر طفلانہ نوعیت کی تھیں۔ گزشتہ مہینے کی مشکلات کے باوجود اس نے حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ وہ دوسروں پر دباؤ ڈالنے کا بھی قائل نہیں تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ جسمانی طور پر ہم سب سے بہتر تھا۔

میں نے اسے صحرا عبور کرنے والی ٹیم میں شامل رکھا۔ اس کی موجودگی، ہماری مہم کے جاری رہنے کی ضمانت تھی، مجھے ڈر تھا کہ حکام کسی وقت بھی ہماری مہم کو منسوخ کر سکتے ہیں۔ زانگ بوہا کا دعویٰ تھا کہ اس نے آکسیجن کے بغیر کے۔ٹو سر کی تھی۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں شدید سردی اور برف کے باعث جم گئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ ہماری مہم میں کارگر ثابت ہوگا۔ سبھی چینی ارکان، جن کے بارے میں میرا رویہ تلخ اور درشت تھا، صحرا کو عبور کرنے کی مہم میں سرگرم عمل رہے۔ ہماری مجموعی کامیابی میں ان کا حصہ تھا، جس کا اعتراف کیا جانا چاہیے۔

باب15

ستارہ شناسی ختم

''نیا'' سے توجہ جلد ہی ہٹ گئی، اب چلنا، چلنا، مدام چلنا کی کیفیت طاری تھی۔ اس کے بغیر اور کچھ سوجھتا بھی نہیں تھا۔ تکلا مکان کی مشرق کی جانب لیو بز ہوانگ تک پہنچنے کے لیے چار چھ ہفتے صحرا میں مزید چلنا تھا۔ چاہنے کے باوجود ہم اپنی رفتار تیز نہیں کر سکتے تھے۔ ٹیلے ہماری راہ میں رکاوٹ تھے، اونٹ بھی کمزور ہو گئے تھے۔ ٹانگوز بستی سے نکلنے کے بعد اونٹوں نے سات آٹھ دن صرف دو بالٹی پانی پر ہی گزر کی تھی۔ ساربانوں کا کہنا تھا کہ پانی نہ ملا تو اونٹ چار پانچ دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ لیکن وہ زندہ رہے، سوال تھا کہ ساربان اونٹوں کے بارے میں کیا کچھ جانتے ہیں؟ اونٹ کو باقاعدگی سے پانی نہ ملے تو وہ پوری خوراک بھی نہیں کھاتا۔ مجھے تشویش تھی کہ اونٹ ایک بار گر جائے اور اس کی زندہ رہنے کی خواہش ختم ہو جائے تو وہ زندہ نہیں رہتا۔ مشرق وسطیٰ میں لارنس آف عربیا کی مہم کی پیروی کے دوران میں مجھے اس کا تجربہ ہوا تھا۔

پانی کی عدم دستیابی نے ہمارا اعتماد ختم کر دیا تھا۔ اگر بارنی نے پانی کی فراہمی کا بندوبست نہ کر لیا ہوتا تو کم سے کم چھ بلکہ زیادہ اونٹوں کی پیاس اور بھوک سے ہلاکت یقینی تھی۔ میں نے شکر ادا کیا کہ ہم نے یہ علاقہ پہلے عبور نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس وقت یہاں بلا کی گرمی پڑ رہی تھی اور ہماری کامیابی کا امکان ختم ہو جاتا۔ اصل مصیبت پرانے دریا کی خشک گودی نے ڈھائی۔ نقشے پر ٹانگوز بستی سے یاوا ٹانگوز تک کے راستے

پر نیلے نشان لگائے گئے تھے جو اس بات کی نشاندہی کرتے تھے کہ یہاں پانی موجود ہے۔ کنواں کھودا جائے تو پانی ضرور مل جائے گا، لیکن نہیں ملا، چھ فٹ کی کھدائی کے بعد بھی سوکھی ریت ہی نکلتی رہی۔ کسی ایک جگہ سے بھی پانی کے آثار دریافت نہیں ہوئے۔ کیرولین نے بجا طور پر اسے موت کی وادی کہا۔ بہت بعد میں انکشاف ہوا کہ مارکیٹ سے مزار تاغ تک ہمیں پانی ملتا رہا۔ لاؤزہاؤ سے بات چیت میں اس نتیجے پر پہنچے کہ مزار تاغ پہاڑ کا مشرقی غربی سلسلہ برفانی پانی کے ڈیم کا کام دیتا ہے۔ پہاڑ سے برف پگھلتی ہے تو پانی شمال کا رُخ اختیار کر لیتا ہے اور تارم کے طاس میں داخل ہو جاتا ہے۔ مزار تاغ اور ٹانگوز بستی کے درمیان دو دریا ہوتن اور کریا بہتے تھے۔ جب تک ان میں ریت نہیں بھر گئی ان میں پانی آتا رہا۔ خشک ہو جانے کے باوجود سال میں ایک آدھ باران میں خاصی مقدار میں پانی آ جاتا اور شاہراہِ ریشم کے قریب کے نشیبی علاقے زیرِ آب آ جاتے۔ ٹانگوز بستی کے مشرق میں ہم نے جو راستہ اختیار کیا اس سے پہلے کسی نے اختیار نہیں کیا تھا۔ آگے کیا ہوگا؟ ہم نہیں جانتے تھے۔ کسی جگہ بھی پانی کی تلاش میں کامیابی نہ ہوئی۔ سات روز تک ہم پانی سے محروم رہے۔ ہمیں زیادہ تشویش اونٹوں کے بارے میں تھی، وہ کئی روز سے پیاسے تھے، ہم اس خیال میں رہے کہ انہیں کوہان سے ضروری غذا ملتی رہے گی۔ اسی دوران میں چند اونٹ بیمار ہو گئے اور ہمارے سامنے یہ سوال ابھرا کہ مہم کامیابی سے ہم کنار ہو سکے گی یا ناکام ہو جائے گی۔ جو اونٹ تندرست تھے انہوں نے اتنا سامان اٹھا رکھا تھا جو ہمارے سفر جاری رکھنے کے لیے ضروری تھا۔

ہمارے تیس اونٹوں میں سے آٹھ کی جسمانی حالت کمزور تھی، چھ زخمی تھے کیرولین ان کی مرہم پٹی کرتی رہی۔ کمزور اونٹ بھاری بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں تھے۔ ایک اونٹنی ''نیا'' پہنچنے سے ایک رات پہلے گر گئی۔ چینی آٹھ کے عدد کو خوش قسمتی کی علامت سمجھتے ہیں۔ لیکن اونٹوں سے متعلق یہ عدد خوش قسمتی کا موجب ثابت نہ ہوا۔ ایک روز گیو کے ساتھ چلتے ہوئے میں نے اسے ایک اونٹ کے بارے میں عربوں کی کہانی سنائی، میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اونٹ تمہیں حقیر جانتے ہوئے کیوں دیکھتے ہیں؟ اس نے نفی میں جواب دیا تو اس سے کہا کہ عرب بدوؤں کا کہنا تھا

کہ اللہ تعالیٰ کے سو نام ہیں۔ ہم 99 نام جانتے ہیں، جو ایک نہیں جانتے، وہ اونٹ جانتے ہیں۔'' کیا واقعی!'' گیو نے کہا اور پوری کہانی، دوسرے ساربانوں کو کہہ سنائی، کسی نے حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ ولفرڈ تھیسی گر نے عرب میں بدوؤں کے ساتھ ہزاروں میل سفر کیا تھا۔ اس دوران میں اس نے کسی کو اونٹ سے بدسلوکی کرتے نہیں دیکھا۔ اس کے برعکس اونٹوں کی ضرورت پہلے پوری کی جاتی۔ تکلا مکان صحرا میں معاملہ مختلف تھا۔ ساربان اونٹوں کو مارنے سے ہچکچاتے نہیں تھے۔ دو دن بعد 24 اکتوبر کو یواٹانگور کے شمال میں پہنچے، یہاں ہمارا دو دن قیام رہا۔ ہم جسمانی اور ذہنی طور پر بہت کمزور ہو گئے تھے۔ آگے دو منزلیں تھیں۔ ایک 150 میل پر تاترنگ اور دوسری اس سے 190 میل پر لیوبز ہوانگ، ان تک رسائی، ہماری قوت برداشت کے لیے امتحان کا درجہ رکھتی تھی۔ روز بروز چلنے کی مشقت اور خوراک کی کمی نے ہمیں بے حال کر دیا تھا، اور یہ سوال پوچھا جانے لگا تھا کہ کیا باقی ماندہ سفر جاری رکھ سکیں گے؟ ہم نے اب تک جتنا سفر کیا تھا، اس سے دوگنا درپیش تھا، ریو پرٹ نے کہا ''تمہیں یاد ہوگا کہ فوج میں روز روز کے کام کے چارٹ بنتے ہیں۔ جو ایک طرف اخلاقی حوصلہ مندی کے طالب ہوتے ہیں اور دوسری جانب کچھ کر کے دکھانے کے جذبے کے محرک ہوتے ہیں۔'' اس موقع پر کیتھ دوبارہ ہم سے آ ملا۔ اس نے ہمارا حوصلہ بڑھایا اور ہم یبوست کی گرفت سے آزاد ہو گئے۔ مزار تاغ کے بعد سے اس میں خاصی تبدیلی آ گئی تھی۔ وہ دنیا داری کے آداب سیکھ گیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ایک مہینے تک مایوس ٹولے میں رہنے کا کچھ اثر نہ ہونا تھا۔

26 اکتوبر کو ہم نے نئی منزل کی طرف کوچ کیا۔ کیتھ کی رفاقت اور گفتگو کی تازگی نے مارک اور ریو پرٹ کے گرے ہوئے انداز گفت گو کا اثر زائل کر دیا۔ میں نے دونوں کو کارواں کے آگے اکٹھے چلنے سے منع کر دیا۔ وہ جان بوجھ کر مایوس کن باتیں نہیں کرتے تھے۔ بہرحال میں نے سوچا کہ ان کے بعد دوسرے بھی اسی طرح سوچنے لگیں گے اور ٹیم میں کئی دراڑیں پڑ جائیں گی۔

دن ختم ہوا تو میں نے کہا کہ ہمیں ہر وقت ساتھ چلنا چھوڑ دینا چاہیے۔ میں جانتا ہوں کہ چینی آخر میں رہتے ہیں لیکن میں نہیں چاہتا کہ ''ہم'' اور ''ان'' میں تقسیم کی

صورت پیدا ہو۔ ہمیں اکٹھا اور اتفاق سے رہنا ہے۔ ایک دوسرے کو سہارا دینا اور ایک دوسرے کو برداشت کرنا ہے۔ اگلی صبح کو اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں بی بی سی کی نشریات کی ریکارڈنگ کرتا رہا۔ مارک نے بے دھیانی میں کہا کہ صحرا میں کوئی ڈراما نہیں ہو رہا۔ کسی کو آپ کے فرمودات سننے میں دلچسپی نہیں۔ میں نے اسے واسطہ دیتے ہوئے کہا کہ تم مایوسی پھیلانے کا کاروبار کرنا چھوڑو۔ وہ پیچھے ہٹا اور اس نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھا۔ میں اس کی طنزیہ باتوں پر خفگی کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے چار ہفتے چین اور ہانگ کانگ میں اور اس سے قبل چند مہینے اکٹھے گزارے تھے، جن کے دوران میں ہمارے درمیان یگانگت پیدا ہو گئی تھی۔ مزار تاغ پہنچ کر اسے اپنی ٹیم میں شامل کر کے خوشی ہوئی تھی۔ اس نے بھی اسی احساس کے تحت بعد میں معذرت کر لی۔ مجھ پر کتنا دباؤ ہے، وہ اس سے بے خبر تھا۔ میں اس سے موانست محسوس کرتا تھا اور اس سے ذاتی نوعیت کی باتیں کر لیتا تھا۔ ہم گھنٹوں ایک ساتھ چلتے رہتے تھے۔ اس نے مجھے اپنے بچپن کے بارے میں بتایا تھا، اپنے معذور باپ کا ذکر کیا تھا، جو نارخوک میں میری ماں کے قریب ہی رہتا تھا۔ دونوں تنہا تھے اور دونوں کو اپنے اپنے بیٹے میں دلچسپی تھی، جو تکلا مکان صحرا کو عبور کر رہے تھے۔ میں مارک کی باتیں دلچسپی سے سنتا تھا۔ اس کی ماضی کی مشکلات اور مستقبل کے اندیشوں سے آگاہ تھا۔ کئی اعتبار سے وہ میرا آئینہ تھا۔

موسم اچانک تبدیل ہو گیا۔ راتیں ٹھنڈی ہو گئیں اور کنٹینروں میں پانی برف بننے لگا۔ اس کے باوجود ہم کھلے آسمان تلے سوتے۔ صبح جاگتے تو ہمارے سلیپنگ بیگ پر سفید کہر جمی ہوتی۔ ہم بیڑیوں کو گرم رکھنے کے لیے اپنے بستروں میں رکھ لیتے لیکن اس کے لیے جتنی گنجائش ہوتی، اسی سے کام لے سکتے تھے۔

اب تارے دیکھنا موقوف ہوا۔ رات کو بستروں میں گھسنے اور گرمی پیدا کرنے میں عجلت برتی جانے لگی۔ ایغیور اونٹوں کے کچاووں پر اکٹھے مل کر سوتے۔ وہ جو چیز بھی ہاتھ آتی اپنے بستروں پر ڈال لیتے۔ سرد صبحوں کو جاگنا اور تیاری کرنا خاصا مشکل ہوتا۔ ہاتھ سردی سے سن ہوتے، انہیں گرم کرنا اونٹوں پر سامان لادنا، اب پہلے کی طرح آسان نہیں رہا تھا۔ ہر کوئی سُست رو ہو گیا تھا۔ موسم گرم تھا تو ایک قمیص اور نیکر میں

بھی چل پھر لیتے تھے۔ اب پتلونیں اور جیکٹ پہننے پڑ گئے تھے، دوپہر تک دن گرم ہو جاتا، اکتوبر کے آخری دنوں تک پانی کی بوتلوں میں برف کے ٹکڑے تیرتے نظر آ جاتے۔ موسم کی یہ تبدیلی ہمارے لیے ایک نئی مشکل کا موجب ثابت ہوئی۔

30 اکتوبر ہفتے کے روز میں نے اپنی ڈائری میں لکھا ''صبح کو اپنے گرم سلیپنگ بیگ سے نکلنا اور سردی کا سامنا کرنا ایک امتحان سے کم نہیں۔ یخ بستہ صبح کو کپڑے پہننے تک کا مرحلہ بھی مشکل سے طے ہوتا ہے۔ مارک سب سے آخر میں اپنے گرم بیگ سے نکلتا ہے۔ میرے پاؤں زخمی ہیں اور درد کرتے ہیں۔ سردی کے باعث تکلیف بڑھ جاتی ہے۔ ایسے میں بوٹ پہننا دشوار ہو جاتا ہے۔ کیرولین ابھی تک جرابیں نہیں پہنتی۔ ہم نے کیون لیون پہاڑ کی پرچھائیں سی دیکھی ہے۔ سورج چڑھا تو پورا منظر ہی بدل گیا۔ صبح کے رنگ نرم اور پیلے ہیں۔ صبح کے ناشتے میں ایک مگ چائے، تھوڑا سا دلیہ اور ڈبل روٹی کا ایک آدھ توس ملا ہے۔ تھرما میٹر پر 12 درجے فارن ہائیٹ ریکارڈ ہوا ہے۔''

دوسرا دن ایک اور سبب سے یادگار ثابت ہوا۔ میں سفر کی طوالت کے باعث بے ہمتی کا شکار تھا اور ابھی 300 میل کا سفر باقی ہے۔ ایک مہینہ ہو گیا ہے اور ہم نے قریباً 500 میل کا سفر کر لیا ہے۔ میرا کچھ کر گزرنے کا جذبہ قدرے ماند پڑ گیا ہے۔ ریتلے ٹیلوں کے سلسلے اب میرے خیال میں نہیں اور نہ ایک مہینہ اور صحرا میں گزارنے کے بارے میں سوچتا ہوں، میرا جسم تھک گیا ہے اور جذبات میں بھی پہلی سی شدت اور توانائی باقی نہیں۔ لیکن اس کا کوئی مداوا نہیں۔ نہ یہاں سے نکل بھاگنے کی کوئی صورت ہے۔ سہ پہر کو کارروان سے آگے چلتے ہوئے میں 300 فٹ اونچے ٹیلے پر چڑھا، میرے پاؤں ریت میں دھنس گئے اور مجھے نیچے گرنے سے بچنے کے لیے اپنی چھڑی کا سہارا لینا پڑا۔ سامنے کا منظر ویسا ہی تھا جیسا روز دیکھنے میں آ رہا تھا۔ میں سخت بددل ہو گیا تھا اور ہمت ہارنے لگا تھا۔ مجھے ساری مہم بے فائدہ دکھائی دینے لگی۔ میں مکمل ہمت ہار بیٹھا۔

اسی لمحے مجھے سُر سنائی دی، جیسے میرے ساتھ بینڈ بج رہا ہو۔ یہ میرے والد کا پسندیدہ گیت تھا۔ میں نے برسوں سے یہ گیت نہیں سنا تھا، نہ والد کے حوالے سے کبھی

یہ گیت یاد آیا ہے۔ اچانک میرے والد کی تصویریں چاروں طرف نمایاں ہونے لگیں، سُر بجتی رہی اور والد کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلتی رہی۔ ایک تصویر میں وہ ہانگ کانگ کے گھر میں جھولنے والی کرسی میں بیٹھے پائپ پی رہے ہیں اور سُر سے ہم آہنگ اپنا پاؤں ہلا رہے ہیں۔ ان کا چہرہ میرے چاروں طرف ایک بلبلے کی صورت میں تیر رہا تھا۔ میں چلتا گیا، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا کچھ دور گیا تو میں نے اپنے آپ کو گیت کے بول، اپنی سیٹی میں ڈھلتے محسوس کیے۔ میری آنکھوں سے آنسو، میرے ریت سے بھرے گالوں اور داڑھی پر بہنے لگے۔ میں رونے لگا، اونچی آواز میں رونے میں مجھے کوئی شرم محسوس نہیں ہوئی۔ میں نے اپنے والد کو اپنے ساتھ اور اپنے اندر محسوس کیا۔ ان کی موجودگی کے غیر معمولی احساس نے میرے دل کی دھڑکن کو تیز کر دیا تھا۔ میں مغلوب الجذبات ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے آنسو نہیں پونچھے، انہیں بہنے دیا اور اپنے ہونٹوں اور زبان پر ان کی نمکینی محسوس کرتا رہا۔ اس سے مجھے نئی توانائی ملی۔ جب اس کیفیت سے نکلا، گیت کے سُر کو سیٹی میں سموتا ہوا آگے بڑھا تو میرا دل خوشی سے بھر گیا۔ مجھے ایسے میں جو آسودگی ملی، وہ میری یادوں میں محفوظ رہے گی۔

اکتوبر کے آخری دن گزرتے گئے۔ میں نے فوج چھوڑنے کے فیصلے پر قائم رہنے کا عزم کر لیا۔ یکم نومبر کو مجھے سرکاری طور پر تنخواہ کی ادائیگی بند ہو جانی تھی۔ چودہ برس کی ملازمت ختم کرنے کا یہ طُرفہ طریقہ تھا۔ میں نے بارنی سے مذاق میں کہا تھا کہ میں نے مہم کا آغاز ایک میجر کی حیثیت میں کیا اور خاتمہ ایک سویلین کے طور پر کیا۔ صحرا میں گزرنے والا وقت میری دونوں حیثیتوں کے درمیان ایک گدے کا کام دے گا اور مجھے دشت نوردی کی خواہش پوری کرنے کا مزید موقع میسر آئے گا۔ میں نے مہم کے دوران میں کبھی اپنے آپ کو سول ملازمت میں تصور نہیں کیا تھا۔ میں نے فوجی ملازمت چھوڑنے کے فیصلے کو بھی سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ فوجی ملازمت چھوڑنے کا کوئی سبب بھی نہیں تھا۔ مہم شروع کرنے سے قبل میں وزارت دفاع میں سٹاف افسر تھا۔ اس حیثیت میں سینئر فوجی افسروں اور سول حکام کو فوج کی تنظیم نو کے بارے میں مشورے دیتا تھا۔ ترقی ہونے کے قریب تھی اور ایک روز مجھے گرین جیکٹ بٹالین کی کمان ملنے والی تھی۔ فوج میں رہنا مجھے پسند تھا۔ لیکن میرے باطن میں کچھ تبدیلی آ گئی تھی، میں مختلف انداز

میں سوچنے لگا تھا میں اسٹیبلشمنٹ سے پیچھا چھڑانے اور باہر کی دنیا میں وہ کچھ کرنے کا خواہش مند تھا جس کا میں اہل تھا۔ یہ فیصلہ مآل اندیشی کے زمرے میں آتا تھا۔ اسے آزادہ روی کا مظہر کہا جا سکتا تھا۔ اس لیے کہ میرے تین بیٹے ہیں، ان کی پرورش کرنا اور انہیں پروان چڑھانا کوئی آسان کام نہیں۔ میں جانتا تھا کہ فوجی زندگی کے کئی پہلو ہیں۔ جن سے محرومی اختیار کرنا آسان نہیں۔ فوج میں جن لوگوں کے ساتھ رہا، وہ یاد آئیں گے۔ فوجی زندگی کا تنوع، ہر دو تین برس بعد کام میں تبدیلی، اتنی ذمہ داری، وردی اور وابستگی ان پہلوؤں کو کیسے بھلایا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کی بنا پر ٹھہرے رہنے کا بھی کوئی جواز نہیں۔ میں ایسے وقت فوج چھوڑ رہا ہوں یا ریٹائر ہو رہا ہوں۔ زُود یا بہ دیر اس مرحلے سے گزرنا ہی ہے تو پھر تاخیر کیوں کی جائے۔ ایک چیز جو میرے لیے تسکین کا موجب تھی، کہ جنوری میں مجھے رابرٹ فلیمنگ کے مرچنٹ بنک کے گروپ چیف

رہا تھا۔ کارروان کی رہنمائی کرتے ہوئے، دائیں اور بائیں دیکھتے جانا اور کسی ٹیلے پر چڑھنے کے لیے مناسب طرف کا اندازہ کرنا، اطمینان کا موجب تھا۔ ریت صاف تھی،

صاف کرتا رہا۔ میں نے ٹینا اور بیٹوں کے چہروں کو دیکھا اور محسوس کیا کہ وہ میرے ساتھ ہیں۔ میں ریت پر نہیں بلکہ ساحل سمندر پر لیٹا نیلے آسمان کو دیکھ رہا ہوں۔ میں نے سوچا ایک لمحے بعد اولیور اور جیک، دونوں نرم ریت پر سے لڑھکتے ہوئے آ کر میرے پاس لیٹ جائیں گے۔ میں نے خیال ہی میں دیکھا کہ سمندری پرندے اڑتے اور چیختے گزر رہے ہیں۔

''او خدا میں یہاں کیا کر رہا ہوں،'' میں زور سے چیخا۔

جواب میں خاموش سناٹا تھا۔ میں آہستہ آہستہ ریت پر سے اٹھا۔ میں نے اپنی پیٹی میں بندھی ہوئی چیزیں دیکھیں۔ سب پر ریت کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ میں نے بوتل سے دو گھونٹ پانی پیا اور آہستہ آہستہ نشیب سے باہر نکلا اور حقائق کی دنیا میں آ گیا۔

ہنٹرنگ کی طرف جاتے ہوئے ہم نے ''نیا'' کے گرد و پیش کے مختلف منظر دیکھے۔ یہاں وہاں درختوں کے چند تنے پڑے تھے۔ دوسرے قدیم زمانے میں آنے والے سیلاب میں آنے والی مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ ٹیلوں کے درمیان گرد کے آثار بھی تھے۔ مارک سب سے آگے چل رہا تھا۔ کبھی کبھار جھک کر وہ کوئی سیاہ ٹکڑا اٹھاتا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ ہم ان کا کیا کریں گے۔ یہ زمانہ قبل از تاریخ کی نشانیاں ہیں۔ مارک آگے نکل کر انہیں تلاش کرنے لگا۔ کیرولین بھی آ ملی۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ یہ جگہ ٹھہرنے اور دوپہر کے کھانے کے لیے موزوں ہے۔ مارک نے کیرولین کو پتھر کا ایک ٹکڑا دکھاتے ہوئے کہا کہ چارلس تو اسے فلنٹ کہتا ہے۔ تمہارے خیال میں کیا ہے؟ میں جلدی سے آگے بڑھا، مارک نے جو فلنٹ پکڑا ہوا تھا، وہ کسی بڑے فلنٹ کا ٹکڑا تھا۔ اس کے پاس ہی ایک گول سا کیک کی طرح کا مرمریں ٹکڑا تھا۔

میں نے کہا کہ یہ مجھے ہتھوڑا لگتا ہے۔ مارک نے پوچھا کہ ہتھوڑے سے تمہارا کیا مطلب ہے۔ میرا جواب تھا کہ جب اوزار ایجاد نہیں ہوئے تھے، انسان ایسے سخت پتھروں کو چاقو، کلہاڑے، تیر اور ہر طرح کے اوزاروں کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ انہیں ضرورت کے مطابق شکل دے لی جاتی تھی۔ پتھر کے زمانے کا انسان یہی ہتھیار استعمال کرتا تھا۔

ہم کارروان کے پچھلے حصے تک پہنچے تو دیکھا کہ اونٹوں کو ایک دائرے میں بٹھایا گیا ہے اور ان کے کجاووں سے کھانے کی اشیا نکالی جا رہی ہیں۔ لاؤ زہاؤ آیا اور اس نے مارک کی دریافت کردہ فلنٹ کا معائنہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ دونوں باتیں کرتے رہے۔ مارک نے بتایا کہ لاؤ زہاؤ کا کہنا ہے کہ یہ فلنٹ کیون لیون سلسلہ کوہ سے آتے ہیں۔ یہ کوئی دس ہزار سال پرانے ہیں۔ تارم کا طاس، ایک سرسبز و شاداب وادی تھا، یہاں زمانہ قبل از تاریخ کا انسان بستا تھا۔ وہ شکاری تھا اور گوشت کی تلاش میں جنگلوں میں پھرتا رہتا تھا۔

''گرینائٹ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ بھی کیون لیون پہاڑ سے آیا ہے۔ اس طرح کے نمونے اس نے پہلے بھی دیکھے ہیں۔''

کیرولین نے پوچھا کہ فلنٹ کے ٹکڑے ایک جگہ میں ہی کیوں پھیلے ہوئے ہیں۔

اس کا کہنا تھا کہ شکاری یہاں ٹھہرتے اور پتھر کے نئے اوزار تراشتے، اس لیے فلنٹ اس جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔

یہ علاقہ جب ندی نالوں اور جنگلوں سے پٹا ہوا تھا تو خانہ بدوشوں کے لیے اپنے اندر بڑی کشش رکھتا تھا۔ سب سے بڑی ضرورت کھانے کی تھی۔ جو یہاں بآسانی پوری ہو جاتی۔ تہذیبیں آتی اور جاتی رہیں۔ زمین کی صورت بدلتی رہی۔ تکلا مکان ریت سے بھر گیا۔ یہاں بسنے والے انسان مٹ گئے۔ ہمارا صحراؤں پر کوئی دعویٰ نہیں۔ دس ہزار برس میں ان جگہوں پر جہاں تہذیب و تمدن موجود ہے، نئے صحرا بنیں گے، کچھ لوگ ان کو عبور کرنے نکلیں گے۔ صحراؤں کی موجودگی ان کے لیے چیلنج رہے گی۔

باب 16

سلیمان سے نمٹنے کا مرحلہ

3 نومبر کی صبح کو میں نے ساربانوں کو اونٹوں کے قریب دائرہ باندھے دیکھا، وہ سب غم زَدہ تھے۔ تاترنگ کی طرف سفر کرتے آٹھ روز ہو گئے تھے۔ ہمیں ابھی ستر میل سفر کرنا تھا۔ میں نے جو منصوبہ بنا رکھا تھا، کیا اس کے مطابق امدادی ٹیم آ ملے گی؟ اس ضمن میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ کریم نے گیو سے سلسلہ کلام منقطع کیا۔ میں فوراً ان کے پاس پہنچا اور پوچھا کیا معاملہ ہے؟

''وہ کہتا ہے کہ گئی رات 31 اونٹ تھے۔''

میں کچھ نہ سمجھا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔

''میں کچھ نہیں سمجھا گیو!''

''گزشتہ رات 31 اونٹ تھے، صبح صرف 30 تھے۔''

''رات آٹھ نمبر اونٹنی نے بچہ جنا۔''

''ہاں تو پھر؟'' میں نے کہا

''لیکن صبح کو اونٹ کا بچہ مردہ تھا۔ ساربان اسے دفن کرنے جا رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ مہم کے لیے کوئی اچھا شگون نہیں، وہ توہّم پرست ہیں۔''

میں ساربانوں کے پاس گیا۔ وہ مردہ بچے کے گرد بیٹھے تھے۔ اس کی پیٹھ پر بالوں میں خون لگا ہوا تھا۔ اونٹنی نے اسے چاٹ کر صاف نہیں کیا تھا۔ قدرت کی یہی منشا تھی۔ اب سوائے افسوس کے اور کیا بھی کیا جا سکتا تھا۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ اونٹنی

حاملہ ہے تو نانگوز بستی سے روانگی کے وقت اسے ہم لیتے ہی نہیں۔ ساربان حلقہ باندھے کھڑے تھے۔ سبھی افسردہ تھے لیکن سلیمان پر کچھ زیادہ ہی اثر تھا۔

مارک نے کہا کہ سلیمان اس لیے افسردہ ہے کہ مہم ختم ہونے کے بعد یہ اس کا نفع ہوتا۔

ریوپرٹ بولا ''اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اونٹنی کا کیا حال تھا۔ وہ بھاری بوجھ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ آہستہ چلتی، جھولتی ہوئی چلتی۔ کیرولین کو ڈاکٹر ہونے کے ناتے اس کا علاج کرنا چاہیے۔''

اونٹنی اچھی بھلی دکھائی دے رہی تھی، اس کا خاصا خون بہہ گیا تھا۔ لیکن اب لہو رنگ پانی، بوند بوند کر کے ٹپک رہا تھا، اس نے پچھلی ٹانگیں کھولی ہوئی تھیں۔ لگتا تھا کہ وہ آرام کر رہی ہے۔ اس کا کوئی علاج نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ چند روز تک اس پر کوئی بوجھ نہ لادا جائے۔ وہ چل سکتی تھی، قدرے لڑکھڑا کر، لیکن دوسرے اونٹوں کا ساتھ دے سکتی تھی۔ اگر وہ چلنے کے قابل نہ ہوتی تو اسے پیچھے چھوڑا جا سکتا تھا۔

کارروان کی رفتار بہت مدھم تھی۔ ہر روز جتنے میل بھی چل سکتے تھے، چلتے تھے۔ کوشش یہی ہوتی تھی کہ کم سے کم تاخیر ہو۔ ٹیلے رکاوٹ نہ بنتے اور اونٹوں کی رفتار تیز رہتی تو ہم اس کے مقامات تک رسائی میں مقررہ اوقات سے پیچھے نہ رہتے۔ ترکستانی سرما کے شروع ہونے اور سردی کے اچانک بڑھ جانے کے پیش نظر اور بھی ضروری تھا کہ سفر میں ہم کسی قسم کی تاخیر نہ ہونے دیتے۔

ہمارا ہر قدم ہمیں لوبز ہوانگ کے قریب تر کرتا اور ہمارے اس علم کی توثیق کا موجب ہوتا کہ ہم نے تکلا مکان صحرا کو عبور کر لیا ہے۔ مزار تاغ سے پہلے کے ریتلے پہاڑوں کو سر کر لینے کے بعد میں نے کبھی سنجیدگی سے سوچا تھا کہ ہم جس مہم پر نکلے ہیں، وہ کامیابی سے ہم کنار ہونے کے قریب ہے۔ ہم نے ہر طرح کی مشکلات کا مقابلہ کیا اور ہر امتحان سے سُرخ رُو نکلے۔ ہمیں کوئی شک نہیں تھا کہ ہم میں سے کوئی کامیابی اور کامرانی سے ہم کنار نہیں ہو سکے گا۔ اونٹوں کا عمومی رویہ صحیح تھا۔ وہ بوجھ اٹھاتے قطار میں چلتے، کہیں کوئی مشکل کھڑی نہ کرتے۔ کوئی رکاوٹ کبھی پیدا ہوتی تو فوراً دور کر لی جاتی، کوئی اونٹ ہم سے کسی کو گرا دیتا اور زخمی کر دیتا۔ اسے معمولی سمجھ لیا

جاتا اور کارروان کے چلتے رہنے میں کوئی رخنہ نہ پڑتا۔

سلیمان نے گانے کی عادت اپنا لی تھی۔ وہ بے سُرا تھا، اس لیے اس کا گانا کانوں کو بھلا نہیں لگتا تھا۔ وہ بار بار ایک ہی گیت، ایک ہی بے سُرے انداز میں گانے پر مُصِر رہتا جو ہمارے لیے نا قابل برداشت تھا۔

ایک سہ پہر کو جب سلیمان اپنی بے ڈھنگی آواز میں گا رہا تھا، ریوپرٹ نے اسے گرم گرم شکر قندی کھلا دی۔ سلیمان کے منہ میں ایک بھی دانت نہیں تھا۔ شکر قندی اس کے تالو اور جبڑوں سے چپک گئی، وہ گانا بھول گیا اور ہم اس کی بھدی اور کرخت آواز سننے کے عذاب سے دس منٹ تک بچے رہے۔

سلیمان کی عمر 51 برس تھی۔ لیکن وہ 70 برس کا لگتا تھا۔ اس نے ساربانوں کی سربراہی حاصل کر لی تھی۔ جیسے جیسے اس کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا گیا، اس نے اونٹوں پر بوجھ لادنے اور اتارنے سے خود ہی فراغت حاصل کر لی۔ ہم جب اونٹوں پر بوجھ لاد رہے ہوتے وہ اپنے اونٹ کو سہلاتا، اس پر کچاوہ درست کرتا، اس کے کہانوں کے درمیان کمبل اور اپنا پرانا کوٹ رکھتا، پھر اس پر بیٹھ کر اونچی آواز میں گالیاں بکتا، اسے ریت کے ٹیلوں پر سے گزارتا چل دیتا۔

چند روز بعد میں نے گیو سے کہا

''سلیمان، سب سے آگے چلنے والے اونٹ پر سواری نہیں کر سکتا۔ اس کے باعث پورا کارروان سست ہو جاتا ہے۔ دوسرے اس کی سمت بھی صحیح نہیں رہتی، آئندہ اگلے اونٹ کے ساتھ وہی آدمی رہے گا، جو پیادہ چل رہا ہو، سلیمان اگر اونٹ پر بیٹھنا چاہتا ہے تو ضرور بیٹھے لیکن وہ کارروان کے آگے نہیں آ سکتا۔''

گیو نے زہانگ سے بات کی، اس نے آگے سلیمان اور کریم سے کہا، اس نے کیا کیا، البتہ نتیجہ ڈرامائی تھا۔ سلیمان نے کارروان کے آگے چلنا شروع کر دیا۔ لیکن اس طرح کہ اگلے اونٹ کی گردن سے سر جوڑے چلتا۔ اونٹ گردن لمبی کرتا تو سلیمان اس کا ساتھ نہ دے سکتا۔ دن ختم ہوا تو سلیمان نے پس پائی اختیار کر لی۔

اونٹ ڈھلوان پر جس مہارت سے اترتے، وہ حیرت ناک تھی، ہم چڑھائی چڑھتے اور اترتے بڑی احتیاط برتتے، پھونک پھونک کر قدم دھرتے، اونٹ فطری طور

پر آزادانہ چلتے، بہت کم ہوتا کہ وہ لڑکھڑاتے، معمولی جھجک کے بعد وہ جو قدم بھی اٹھاتے، اعتماد کے ساتھ اٹھاتے۔ ٹیلے سے گزرتے ہوئے ریت کا ایک ریلا ان کی ٹانگوں کو جکڑ لیتا لیکن وہ پروا کیے بغیر قدم بڑھاتے چلے جاتے۔ دن گزر رہے تھے۔ ایک سی یکسانیت اور ایک سی بے رنگی کے ساتھ۔ ہماری رفتار بے حد مدھم ہوگئی تھی۔ جہاں زمین سخت ہوتی اس پر قدم تیزی سے اٹھنے لگتے۔ لیکن ریت پر آ کر رک رک جاتے۔ پیچھے بھی ٹیلے، آگے بھی ٹیلے۔ اسی عالم میں ہم نے مارک کی 27 ویں سالگرہ منائی۔

کیرولین نے سب سے پہلے جاگنا، دوسروں کو جگانا اور ناشتہ تیار کرنا شروع کر دیا۔ وہ مارک کو اس کے بستر میں ہی چائے کا مگ لا دیتی۔ وہ لیٹے لیٹے چائے پیتا، سگریٹ کے کش لگاتا اور اپنی ملگجی داڑھی کھجاتا، ہم سب نے داڑھیاں بڑھا لی تھیں۔ میری داڑھی کیتھ اور مارک کی داڑھی سے لمبی تھی۔ ہم سب نے مارک کو اس کی سالگرہ پر ایک ایک تحفہ دیا۔ کسی نے کھانے کے لیے بسکٹ دیے، کسی نے پینے کے لیے سگریٹ دیے۔ خوب رونق رہی۔

مارک کی سالگرہ ہم سب کے لیے خوش قسمتی کا موجب ثابت ہوئی۔ اس دن ہم نے سب سے طویل مسافت طے کی، یعنی 13 میل۔ شام کو ہمیں نمک دکھائی دیا، جو اس بات کی نشانی تھی کہ یہاں زیر زمین پانی موجود ہے، تین دن پہلے تک نمک کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ اونٹ پانی نہ ملنے کے باعث بے کلی کا شکار تھے۔ درجۂ حرارت 20 فارن ہائیٹ تھا۔ سردی کا مداوا، جسمانی مشقت میں تھا، پانی کے لیے کنواں کھودا جانے لگا۔ میرا جسم تھکن کے باعث درد سے بھر گیا تھا۔ اور پیٹ میں بھوک کے مارے درد ہونے لگا تھا۔ میرا وزن بہت زیادہ کم ہو گیا تھا۔

مٹی کے تیل کا لیمپ روشن کیا گیا۔ کنوئیں سے پانی نکل آیا تھا۔ لیکن کوئی اپنے بوٹوں سمیت اس میں اترنے کے لیے تیار نہیں تھا، بوٹ بھیگ جاتے تو صبح انہیں پہنا نہیں جا سکتا تھا۔ اونٹ، کنوئیں کے گرد جمع کر دیے گئے تھے۔ تین دن بعد انہیں پینے کے لیے پانی مل رہا تھا۔ کنوئیں کی ایک دیوار اونٹ کے بوجھ تلے گر گئی، ساتھ ہی اونٹ بھی، اگر عبدالرشید تیزی سے آ کر صورت حال کو نہ سنبھالتا تو کریم اور ریوپرٹ

دونوں کچلے گئے تھے۔ جتنی ریت ہٹائی جا سکتی تھی، ہٹا لی گئی۔ ساربان کھانے کے بعد آئے اور انہوں نے رسے سے بندھی ہوئی بالٹی کے ساتھ پانی نکالنا شروع کیا۔ یہ عمل سست ضرور تھا لیکن تمام اونٹوں کو پانی پلا لیا گیا۔ اگلے کنوئیں کے لیے مناسب جگہ ملے گی یا نہیں، اس کا انحصار زیادہ تر قسمت پر تھا۔

چینی سونے کے لیے چلے گئے۔ ہم آگ کے گرد بیٹھ کر گپ شپ کرنے لگے۔ باہمی ناراضی اور کشیدگی، جو عموماً پیدا ہو جایا کرتی ہے، ختم ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد کریم ہمارے پاس آیا، اس کے بعد دوسرے ساربان بھی ایک ایک کر کے آنے لگے۔ اس نے مارک کو لکڑی کا ایک ٹکڑا دیا۔ جس پر گوشت کا قیمہ رکھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ ساربانوں کی طرف سے یہ اس کی سال گرہ کا تحفہ ہے۔ یہ کیسے گوشت کا قیمہ تھا اور کہاں سے آیا تھا۔ مارک نے کھانا شروع کر دیا۔ ریوپرٹ نے مارک کو ستانے کے لیے کہا کہ اسے مردہ اونٹ کا گوشت نہ سمجھنا۔ مارک اگر ریوپرٹ کی شرارت کو نہ سمجھتا تو وہ منہ میں رکھا ہوا لقمہ تھوک دیتا۔ ساربان اس کے برادرانہ رویے کو دیکھ کر جی ہی جی میں خوش ہو رہے تھے۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ گوشت بارنی نے بھجوایا تھا۔

مارک نے کہا کہ کریم کا کہنا ہے کہ انگریز، چینی اور ایغیور نے مل کر بہت اچھی ٹیم بنائی ہے۔ شروع میں تو وہ ہمیں ایک بلی بھی دینے کو روادار نہیں تھے اور سوچتے تھے کہ مہم بہت پہلے ناکام ہو جائے گی۔ میں نے ساربانوں کے چہرے کی طرف دیکھا، وہ مسکرائے، میں انہیں دیر تک دیکھتا رہا، لوسیئن گھٹنوں کے بل جھکا ہوا تھا۔ عبدالرشید نے فوجی اوورکوٹ اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ رکھا تھا، اس کی ٹوپی اور عینک نظر آ رہی تھی، اس کا جسم کوٹ سے ڈھکا ہوا تھا۔

مارک نے کیرولین کے ذریعے کریم سے ایک سوال یہ کیا کہ ساربانوں نے اس سے پہلے مغربیوں کے ساتھ کام نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے کاشغر میں پاکستانیوں کو دیکھا تھا۔ امیر، کمیونسٹ پارٹی کا رکن تھا لیکن مارکیٹ میں اپنے گھر اسے بہت سی بھیڑوں کی دیکھ بھال کرنا پڑتی۔ اس لیے اس کے پاس پارٹی کے کام کرنے کا وقت نہیں بچتا تھا۔ امیر خاموش بیٹھا تھا، وہ ایک چھوٹی سی کاپی پر لکھا کرتا، ہم اسے شاعر کہتے۔ وہ مفکر دکھائی دیتا، ساربانوں میں وہ اکیلا تھا جسے میں نے کبھی کسی اونٹ کو

مارتے نہیں دیکھا، ہمارے سازوسامان کے بارے میں باتیں ہونے لگیں۔ ہم مہم کے آخری مراحل میں تھے۔ ساربان اس سوچ میں تھے کہ ان کے حصے میں کیا آئے گا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ جب پہلی مرتبہ ہوائی جہاز پر ارچی سے کاشغر کا سفر کریں گے تو جشن منائیں گے۔ باہمی بات چیت بڑی خوش کن تھی۔ ایسے لمحات کم ہی آتے ہیں جب تمام لوگ ایک جگہ بیٹھ کر آپس میں تبادلۂ خیالات کرتے ہیں۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ رات پڑتے ہی ہر کوئی اپنے اپنے حال میں کھو جاتا ہے۔

بعدازاں میں اور مارک، اپنے اپنے سلیپنگ بیگ میں لیٹے اور مارک کی سال گرہ کے سگریٹ پیتے باتیں کرتے رہے۔ اگر ساربان سوچیں کہ صحرا ہمیں شکست دے دے گا تو ان کا کیا بنے گا؟ میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ انہوں نے جب مارکیٹ میں اپنے بال بچوں کو الوداع کہا تو وہ سوچتے ہوں کہ وہ مرنے کے لیے جا رہے ہیں۔

میں نے مارک سے پوچھا کہ اگر تمہیں بھی یہ خیال آتا کہ صحرا کو عبور کرنے میں موت آ سکتی ہے تو کیا تم اس سفر کے لیے تیار ہو جاتے؟

''میں نہیں جانتا، میں نے کبھی اس کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ موت کا صحرا لکھا ہوا تو پڑھا تھا لیکن اس نے مجھے متاثر نہیں کیا تھا۔''

''اگر تمہارا گاؤں، صحرا کے کنارے ہوتا اور تمہارے باپ دادا نے صحرا سے اتنا قریب ہوتے ہوئے سیون ہیڈن کو موت کے سفر پر نکلتے دیکھا ہوتا، کیا ساربانوں کو ہمارے ساتھ صحرا میں جانے کی اجازت دی ہوتی؟''

مارک نے کہا کہ انہیں خود فیصلہ کرنے دیا جاتا تو صورت مختلف ہوتی۔ میں نے کریم کو کسی اور سے باتیں کرتے سنا ہے کہ مارکیٹ سے کمیونسٹ میئر نے انہیں جانے کا حکم دیا تھا۔ مجھے نہیں لگتا کہ ایسا ہوا ہو، ان سب کی آپس میں رشتہ داریاں ہیں۔ وہ کسی کے کہنے میں آنے والے نہیں، میرے خیال میں عیسیٰ پولتا نے آنا منظور کیا تو دوسروں نے بھی اس کی پیروی کی۔

ہم خاموش لیٹے رہے، ہمارے سگریٹ اندھیرے میں جلتے رہے، آسمان پر چاند نہیں تھا، آگ کے گرد بیٹھے جو باتیں ہوئیں، میں انہیں اور ساربانوں کے چہروں کو

رد کرتا رہا۔ یہ یادیں میرے ساتھ جائیں گی اور زندگی سے متعلق ان کا سادہ رویہ اور ان کی خوش مزاجی طویل عرصے تک میری یادداشت کا حصہ رہے گی۔ میں نے کروٹ بدلی اور سونے لگا۔

مارک نے تھوڑی دیر بعد کہا، تم اپنے آپ کو ان کے مقابلے میں چھوٹا محسوس نہیں کرتے؟ انہوں نے ہم چند غیر ملکیوں پر اعتماد کیا، ہم سے تعاون کیا اور ہماری بقا کے بارے میں یقین کا اظہار کیا؟

''ہاں، اب میں سوچتا ہوں تو اپنے آپ کو بہت چھوٹا محسوس کرتا ہوں۔''

باب 17

ایک فاش غلطی

ہم 6 نومبر کو تاترنگ کے قریب رسد کی وصولی کے لیے پہنچے۔ یہ ہمارا صحرا میں اترے ہوئے 45 واں دن تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ لوبز ہوانگ تک کا 190 میل کا سفر کرنے میں تیرہ دن لگیں گے۔ لیکن رسد کی وصولی کے لیے سولہ دن کی گنجائش رکھی۔ کیتھ نے تاترنگ میں اونٹوں کی پارٹی چھوڑ دی اور ریوپرٹ، کیرولین، مارک اور میں بنیادی ٹیم میں چلے آئے۔

نقشہ پھیلا کر آخری مرحلے کا جائزہ لیا۔ ٹیم کا کوئی رکن بھی ایسا نہیں تھا جو تھکن سے چور نہ ہو گیا ہو، یا جس کو کوئی نہ کوئی جسمانی بیماری یا عارضہ نہ ہو۔ ہمارے دبلے پتلے بدن اور جھریوں سے بھرے ہوئے چہرے گواہی دے رہے تھے کہ ہم نے کتنی صعوبتیں سہی ہیں اور کن مشکلات سے دوچار ہوتے رہے ہیں۔ میں نے نقشے پر پنسل سے بنی ہوئی لکیریں اور پڑاؤ کرنے کے مقامات کے نشان دیکھے۔ اس راستے کا تعین کیا جس پر چل کر ہم آخری مرحلے تک پہنچے۔ بہت کم لوگ رہ جائیں گے جن سے ہم اپنے تجربات کے بارے میں تبادلۂ خیال کر سکیں گے۔ اس طویل، صبر آزما اور مشکل سفر کے راز ہمارے سینوں میں دفن ہو جائیں گے، شاید ہی کوئی انہیں کھولنے اور پڑھنے کے قابل ہو سکے۔ کیا زندگی میں ایسا عظیم تجربہ پھر سے ہو سکتا ہے؟ لوگ دور دراز کے سفر سے واپس آتے ہیں تو پوچھنے والے کہتے ہیں ''اچھا تو آپ واپس آ گئے؟'' وہ اِدھر اُدھر کے سوال کرتے ہیں اور ویسے ہی جواب پاتے ہیں۔ باتیں روزمرہ

کے مسائل کے بارے میں ہونے لگتی ہیں، میرا نہیں خیال کہ ساربانوں سے واپسی پر لاتعلقی کا اظہار ہو یا ان سے بار بار گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں نہ پوچھا جاتا ہو۔ ان کی کہانیوں کی ایک ایک تفصیل، پوچھنے والوں کے ذہن میں محفوظ ہو جائے گی اور وہ لوک داستانوں اور لوک گیتوں کا موضوع بن جائے گی۔

امدادی ٹیم اپنی ذمہ داری پوری کر چکی، اس کا کردار بہ ظاہر اتنا پُرشکوہ نہ ہو لیکن انہوں نے مہم کی کامیابی میں جو حصہ بٹایا، احساس ذمہ داری اور خوش دلی سے بٹایا۔ ان کے بغیر صحرا کو عبور کرنا ممکن نہ تھا۔ یہ بھی نہیں کہ انہوں نے کوئی کارنمایاں انجام نہ دیا ہو۔ ان کی ایک بڑی کامیابی یا واٹونگ گوز کے مشرق میں دریائے انڈیر کے کنارے انڈری کے قدیم آثار تک رسائی تھی۔ دریا خشک تھا، اس کی گودی میں گاڑیوں کو لے جانا قدرے آسان تھا۔ ایک مقامی گائیڈ کے ذریعے وہ متذکرہ آثار تک پہنچ گئے تھے۔

سٹین نے 1901 کے موسم سرما میں انڈری میں کھدائی کی تھی۔ دوسری مرتبہ نومبر 1906 میں یہاں آیا، اس نے ایک سٹوپا کے قریب ایک قلعہ دریافت کیا۔ اسے دو تین صدی پہلے آٹھویں صدی کے آثار قرار دیا گیا۔ 1901 میں اسے قلعے میں شطرنج کے کچھ حصے ملے، جو اب برٹش میوزیم میں رکھے ہوئے ہیں۔ اس نے اس تاسف کا اظہار کیا کہ اسے پوری بساط نہیں ملی۔ بارنی کی ٹیم کے ایک رکن کو ریت میں پڑی مختلف اشیا کے ساتھ شطرنج کی بساط کے دو حصے مل گئے، جو مہم کے آخر میں چینی امدادی ٹیم کے سپرد کر دیے گئے۔ یہ حصے اب کہاں ہیں؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ سٹین نے اپنی ملنے والی اشیا کا کہیں تفصیل سے ذکر نہیں کیا۔ نوے برس بعد بارنی کی ٹیم نے کچھ چیزیں دریافت کر لیں۔

تاترنگ میں رسد کے مرکز تک پہنچنے کے لیے ہمیں اپنا اصل راستہ چھوڑنا اور جنوب مشرق کی طرف جانا پڑا۔ دوبارہ اصل راستے کی طرف آنے کے لیے ہمیں شمال کے رخ میں دو روز چلنا پڑتا۔ اس منصوبے پر عمل درآمد کے بارے میں کن ارکان نے مخالفت کی۔

گیو نے کہا کہ ''یہ پاگل پن ہے، یہ ممکن ہی نہیں، یہ صحرا کا بدترین حصہ

ہے۔''

لاؤزہاؤ کا کہنا تھا کہ ''اس راستے میں ٹیلے بہت اونچے ہیں۔ پانی کے لیے کنواں کھودنے کا کہیں کوئی امکان نہیں۔

''دو برس پہلے ایک جاپانی ٹیم نے جس کے پاس تمام ضروری ساز وسامان تھا اور اسے کئی ملین پونڈ کا سرمایہ بھی حاصل تھا، ریوکیانگ کی جانب سے یودا ٹانگوز جانے کے لیے صحرا عبور کرنا چاہا لیکن ایک ہفتے بعد ہی انہیں یہ مہم ادھوری چھوڑنا پڑی۔''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ ریت کے ٹیلے بہت بڑے اور بہت نرم تھے، اونٹ ان میں چل نہیں سکے۔ اس لیے وہ جنوب کی جانب سے شاہراہِ ریشم پر چلے گئے۔ بعد میں اس نے ایک فلم بنائی اور دعویٰ کیا کہ انہوں نے صحرا کو کامیابی سے عبور کر لیا ہے۔''

بارنی نے علیحدگی میں کہا کہ ہمیں حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اونٹ موجود ہیں، ہم نے فاضل چربی سے نجات حاصل کر لی ہے۔ اب ہمارے جسم میں ہڈیاں ہیں اور ان پر مڑھا ہوا چمڑہ ہے۔ پھر تم لیوبز ہوانگ کا رخ کرنے میں کیوں ہچکچاتے ہو؟ صحرا تو تمہیں بہرحال عبور کرنا ہے۔ ہم جہاں ہیں، وہاں سے شاہراہِ ریشم اَسّی میل دور ہے، اس لیے نقشے کے مطابق ہماری چال جاری رہی تو اسے صحیح سمجھا جائے گا۔ میں نے ایک بار تو فیصلہ بدل دینا چاہا لیکن دوسری بار اس پر قائم رہنے کا عزم کر لیا۔ ریوپرٹ نے میری مکمل حمایت کی۔ اس نے صاف لفظوں میں کہا کہ فیصلہ کر لیا ہے تو اس پر ثابت قدم رہو۔

گزشتہ ایک ہفتے سے میں ریوپرٹ کی آواز اور مشوروں کو اہمیت دینے اور اس پر انحصار کرنے لگا تھا۔ وہ اونٹوں والی پارٹی میں میرا غیر سرکاری معاون بن گیا تھا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو وہ انتظام سنبھال لے گا اور آخر تک جائے گا۔ میرے اس پر بھروسے اور اس کی اہلیت نے مل کر ایک خیال کو جنم دیا اور تاترنگ سے نکلنے کے دو دن بعد ایک ساتھ چلتے ہوئے ہم نے اس پر تبادلہ خیال کیا۔

میں نے پوچھا ''کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ تم واپس آؤ گے اور اکیلے صحرا کو عبور کرو گے؟''

اس کا فوری جواب تھا ''تم یقیناً پاگل ہو۔''

''نہیں ریو پرٹ! سنجیدگی سے سوچو کہ اکیلے صحرا کو عبور کرنا کیسا رہے گا؟ تم اپنے تجربات کی بنا پر کامیاب ہو سکتے ہو تمہیں پتہ چل گیا ہے کہ اونٹوں سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے، اور پانی کہاں دست یاب ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں عناصر، کسی کی بھی کامیابی کا وسیلہ بن سکتے ہیں۔ انگلستان میں تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں اور سنکیانگ میں ہم نے واقفیتیں کی ہیں۔ ان کے پیش نظر تمہیں ضروری اجازت نامے حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔

''کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ ممکن ہو گا؟''

''صحیح منصوبہ اور صحیح ساز و سامان کے ساتھ، یقیناً ممکن ہو سکتا ہے''

ہم تھوڑی دور تک خاموش چلتے رہے، ہم نے ہموار زمین پر بہترین راستہ اختیار کیا تھا۔ دور فاصلے پر ریت کے ٹیلے حرکت میں تھے اور بلند پہاڑیاں بنا رہے تھے۔ ہمارے پاؤں کے نیچے کی ریت جمی ہوئی تھی اور ہم اس پر نپے تلے قدم اٹھا کر چل رہے تھے۔ تھکاوٹ کے باوجود ہم جسمانی لحاظ سے مضبوط تھے۔ موسم مناسب گرم تھا اور چلنے کے لیے موزوں۔ آسمان نیلا اور ہوا تیز تھی۔ ریت کا رنگ زرد تھا جس کے سبب سے دور کے ٹیلے خوب صورت دکھائی دے رہے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں یہ خواہش جاگی کہ ہمارا سفر جلد ختم نہ ہو، ہم نے ایک دلیرانہ اور بظاہر ناممکن العمل کام اپنا لیا تھا، جو آہستہ آہستہ تکمیل کے مراحل طے کرتا جا رہا تھا۔ پہلے چند سو میل کے دوران میں جو خدشات اور پریشانیاں پیدا ہوئیں عرصہ ہوا ختم ہو چکی تھیں۔ سفر کے دوران میں رسد کی بہم رسانی جاری رہی۔ ہم نے ثابت کر دیا تھا کہ صحرا میں طرح طرح کی مشکلات میں گھر کر بھی زندہ رہا جا سکتا ہے۔ صحرا، جس کا نام ہی ڈرانے اور خوف زَدہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ ہم نے اپنے آپ کو نامساعد حالات سے عہدہ برآ ہونے کا ڈھنگ سیکھ لیا تھا اور اس ناقابل تسخیر قرار دیے جانے والے خوف ناک صحرا کو ہمیشہ کے لیے فتح کر لیا تھا۔

اعتماد نے جو میرے شعور میں خطرے کی نشان دہی کرنے کا موجب تھا، مجھ میں آرام طلبی کا میلان پیدا کر دیا۔ میں کسی خطرناک صورت حال سے نمٹنے کے لیے نیم

دلی سے ہی تیار ہوسکتا تھا۔صحرا نے ہم پر جو آفت بھی ڈھائی، ہم نے اس کا جرات سے مقابلہ کیا۔ ریت کے پہاڑ، بلا کی گرمی، پیچش، بخار، کئی کئی دن اونٹوں کی پیاس کے اثرات، افق تک پھیلے ہوئے صحرا، اونٹوں کی بیماریاں، ان کا اندھا پن، ہمیں کیا کیا مصیبت نہیں دیکھنا پڑی۔ لیکن ہم نے ہر مصیبت خوشی سے جھیلی اور ہر مشکل کا دلیری سے مقابلہ کیا۔ یہ کہنا تو شاید حماقت ہو کہ صحرا نے اپنے دامن میں چھپے سارے حربے آزما لیے۔

بارنی نے کہا کہ تمہاری اب تک کی رفتار کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ لیوبز ہوانگ کے آخری پڑاؤ تک پہنچنے میں تمہیں نو دِن لگ سکتے ہیں۔ تاترنگ میں بارنی کو الوداع کرنے کے موقع پر اس نے مجھے نصیحت کی کہ اب پہاڑی سے اترنے کا وقت آ گیا ہے۔تمہاری کارکردگی اب تک نہایت عمدہ اور اچھی رہی ہے۔

ہم نے امدادی ٹیم کو پیچھے چھوڑا تو ہر ایک میں واپس گھر پہنچنے کی خواہش پوری شدت سے بیدار ہو گئی۔ چینی ترکستان کا انوکھا پن اور صحرا عبور کرنے میں رومانیت کا جو عنصر تھا، ختم ہو گیا۔ سب رکاوٹیں دور ہو گئیں۔ اب ہر ایک کو آخر میں جشن منانے کی پڑی ہوئی تھی۔ وزن اور غذا میں کمی کے باوجود ہم اچھی حالت میں تھے۔ ہماری ٹانگوں کے پٹھے، ٹیلوں پر چڑھتے اترتے رہنے کی وجہ سے لوہے کے سپرنگوں کی طرح مضبوط ہو گئے تھے۔ البتہ ہم میں توانائی کی سطح نہایت گری ہوئی تھی۔ ابھی ہمارے سامنے صحرا موجود تھا، جس کے ٹیلوں کو عبور کرنے کے لیے ہمت اور توانائی درکار تھی۔

کیرولین نے کہا کہ میں سانپ کی طرح ہموار زمین پر رینگ رہی ہوں۔ ذہنی تھکاوٹ پر قابو پانا اور زیادہ مشکل تھا۔ ہم اپنی بقا کی یکسانیت، کم خوراکی، ہر روز میلوں کے سفر، اونٹوں پر سامان لادنے اور اتارنے، انہیں کھلانے اور پانی کے لیے کنواں کھودنے کے باعث تھک گئے تھے۔ اس یکسانیت سے نجات کا کم ہی موقع ملتا تھا۔ کسی بات پر ہنسی آ جانا بھی غنیمت سمجھی جاتی۔ ہر بات معمول بن گئی تھی۔ حتیٰ کہ گفت گو بھی دو چار مطلب کے فقروں تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

میری اپنی ذہنی تھکن، آئندہ کا منصوبہ بنانے کی ضرورت کے سبب سے بڑھ

گئی تھی۔ چینیوں کے ساتھ مذاکرات میں رخنے پڑنے لگے تھے۔ صحرا عبور کر چکنے کے بعد یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ چین سے اپنا سامان کیسے نکالا جائے۔ مالی معاملات میری پریشانیوں میں سرفہرست تھے۔ میں جب تک صحرا میں رہا، مجھ سے کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ میں ہر ایک کی رسائی سے باہر تھا، ایسے میں اگر ہزاروں پونڈ بھی صرف ہو جاتے تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ لیکن میرا حقیقت سے یہ فرار وقتی تھا، مجھے علم تھا کہ میری باز پرس ہوسکتی ہے، بلکہ ہوگی۔ انتظام اور منصوبہ بندی کا سارا کام بارنی کے سپرد تھا۔ لیکن صحرا سے نکلتے ہی یہ میری ذمہ داری بن جائے گی۔ میری علیحدگی ختم ہوتے ہی مجھے مسائل کا انبار سمیٹنا ہوگا۔ یہ سوچ کر میں چاہنے لگا کہ سفر جلد ختم نہ ہو۔

ریوپرٹ نے کہا کہ ''میرا بس چلے تو سامان لادنے کا ایک مختلف طریقہ اختیار کروں۔'' اکٹھا چلنے کا ایک عجیب پہلو یہ ہے کہ بات چیت میں طویل وقفہ آ جایا کرتا ہے اور اتنی دیر خاموش رہنے کے بعد پھر سے گفت گو اسی فقرے سے شروع کی جاتی ہے جس پر پہلے ختم کی گئی ہوتی ہے۔

ریوپرٹ نے کہا کہ پانی کے کنٹینر ایک آدمی کی ضرورت سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے کتنے اونٹوں کی ضرورت ہوگی؟

''اس کا انحصار رسد کے مقامات کی تعداد اور محل وقوع پر ہے۔ لوبز ہوانگ سے ٹونگوز بستی تک کا راستہ 400 میل لمبا ہے۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ منصوبہ بندی کرتے ہوئے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا۔ مغرب سے مشرق یا بائیں سے سیدھے ہاتھ صحرا کو عبور کرنا بہت بڑی غلطی تھی۔ ہمیں پورے راستے میں شمال سے مشرق کی طرف چلنے والی ہوا کا سامنا رہا۔ ہوا کے رخ کی مخالفت سے کئی مشکلات پیش آئیں، ہمارا سفر آسان ہوسکتا تھا۔ لیکن بنیادی غلطی کے باعث ہمیں بے شمار مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم نے لیوبز ہوانگ سے سفر کا آغاز کیا ہوتا اور مغرب کی طرف بڑھتے تو ان مشکلات سے بچ سکتے تھے، جو اب تک ہمارے پلے پڑی رہیں اور آخر میں ریتلے پہاڑوں کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے کبھی نہیں پوچھا کہ تم نے مغرب سے مشرق کی طرف کا راستہ کیوں اختیار کیا، دوسری جانب کے راستہ کو کیوں نظر انداز کر دیا؟''

میں نے اپنی غلطی تسلیم کی ہے اور یہ بھی ہے کہ جو منصوبہ میں نے بنایا اس میں کوئی منطق نہیں تھی۔ سیون ہیڈن نے مارکیٹ سے مزار تاغ کا جو راستہ اپنایا اور اس کی جو روداد لکھی میں اس سے متاثر ہوا اور سوچا کہ اگرچہ ہیڈن نے اس راستے صحرا عبور نہیں کیا تھا، تاہم یہ صحیح دکھائی دیتا ہے۔

صحرا کو اکیلے عبور کرنے کے ضمن میں سب بڑی مشکل ایک تو احساس تنہائی سے نجات پانے کی ہوتی، دوسرے سخت جسمانی مشقت کرنا پڑتی۔ ایک آدمی چھ فٹ گہرا اور چھ فٹ چوڑا کنواں کھود کر اکیلے پانی نکال سکتا ہے؟ دن بھر کے سفر اور اونٹوں کو اونچے نیچے ٹیلوں پر گزارنے کے بعد کنواں کھودنے کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ ہم دوسرے متعلقہ مسائل پر بھی تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ کیرولین نے ایک بار کہا تھا کہ ذہنی مشقت، جسمانی مشقت سے زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ ذہن کو مرتکز کرنا اس کی طاقت کو، جسمانی حالت سے یا جو کچھ تم کر رہے ہو، اُس سے ہٹانا بے حد مشکل ہے۔ مسافت کے طویل دنوں کے دوران میں ذہن کو مصروف رکھنا، چیلنج کا درجہ رکھتا تھا۔ ریو پرٹ اور میرے لیے یہ قدرے آسان تھا اس لیے کہ ہم کارواں کی رہبری کر رہے تھے۔ تاہم ایسے میں بھی مجھ پر گہرے ذہنی دباؤ کی کیفیت طاری ہو جاتی، ذہنی انتشار پیدا ہوتا۔ دن بھر کی بوریت اور یکسانیت کے سبب سے میری طبیعت گر جاتی، اس کیفیت میں جسمانی اور ذہنی کمزوری توجہ کا مرکز بن جاتی۔ ٹخنوں اور پیروں کے زخم اور گھٹنوں کے درد سے کیسے نجات ملے، ساری توجہ اس پر مرکوز ہو جاتی اور دوا دارو کی تلاش شروع ہو جاتی۔ میرے ذہن، میرے کردار کی کمزوری تمام دوسرے خیالات پر حاوی ہو جاتی۔ ایسے میں ٹیم کے کسی رکن کے ساتھ گفتگو ہی سے اس کا ازالہ ہو پاتا۔ اگر کارروان کی رہبری کے وقت کوئی دوسرا ساتھ نہ ہوتا تو میں آئندہ کی منصوبہ کرنے لگتا یا کوئی ایسا طریقہ ڈھونڈ نکالتا جس سے انتشارِ فکر دُور ہو جاتا۔ اس طویل تنہائی سے پیدا ہونے والے خلجان سے نجات پانے میں آسانی ہو جاتی۔ میں نے ایسے لوگوں کے بارے میں پڑھا ہوا تھا جنہوں نے دل ہی دل میں اپنے گھروں اور باغوں کے نقشے بنائے، ان کی جزیات تک طے کیں۔ حتیٰ کہ یہ تک فیصلہ کیا کہ بجلی کے سوئچ کہاں لگیں گے اور گھر سے پانی کے نکاس کا کیا انتظام ہو گا۔ میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے

ماضی میں ہی پناہ ڈھونڈنے میں عافیت سمجھی۔ میں ایسے لوگوں کو قابل رشک سمجھتا ہوں جو اپنے گرد و پیش سے لاتعلق ہو کر آگے کی فکر کرتے ہیں۔ جیمز ڈوڈن میرا پرانا دوست اور میری رجمنٹ کا افسر تھا۔ اسے میں نے دیکھا کہ وہ حال کے سارے بکھیڑوں کو بھلا کر مستقبل کے منصوبے بنانے کی مہارت رکھتا تھا۔

میں نے لارنس آف عربیا کے راستوں کی تلاش کے دوران میں اسے شدید سردی میں آگ کے پاس بیٹھے سگریٹ سلگاتے اور کش لگاتے ہوئے خلا میں گھورتے دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ اسے کیا مسئلہ درپیش ہے۔

''نہیں، کوئی نہیں، دراصل میں نپولین کی بواسیر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔''

''کیا کہا، نپولین کی بواسیر!''

''ہاں، کیا تم جانتے ہو کہ واٹرلو کی جنگ کے دوران میں اُسے بواسیر کا عارضہ لاحق تھا۔ مورّخوں نے لکھا ہے کہ اس مرض نے اس کی قوت فیصلہ کو متاثر کیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر نپولین نے اس جنگ میں شکست نہ کھائی ہوتی تو یورپ کی تاریخ کیسی مختلف ہوتی۔

بدقسمتی سے میرے لیے تکلا مکان میں اس طرح کے منفرد خیالات ذہن میں لانا ممکن نہیں تھا۔ بہرحال ہم نے ذہنی سکون کے لیے ایک اور طریقہ دریافت کر لیا۔ جس سے وقت کٹی میں آسانی ہو گئی۔ ہم نے کہانیاں کہنی شروع کر دیں جو اپنے ہمراہیوں کو سناتے یا دن گزرنے کے بعد ان کا تذکرہ کرتے۔ لو بز ہوانگ سے روانگی کے وقت جب درجہ حرارت منفی 10 فارن ہائیٹ تھا، تیز ہوا چل رہی تھی، ریت اڑ اڑ کر ہمارے چہروں پر پڑ رہی تھی۔ ہم نے آگے جھک کر چلنا اور کہانیاں کہنا شروع کیا۔ سب سے اچھی کہانی کہنے کا مقابلہ ہونے لگا۔

مارک شعر اور گیت کہنے میں ملکہ رکھتا تھا۔ اس نے اپنی اس صلاحیت کی بنا پر مجھے گھنٹوں خوش رکھا اور گھٹنے کے درد کے باعث میں جو بے کلی محسوس کرتا تھا، اسے بھول جانے کا حوصلہ دیتا رہا۔ مارک نے اویغوروں کے سروں کی حجامت کے بارے میں ایک نظم لکھی، جو ان حالات میں ہمیں ایک معرکتہ الآرا تخلیق لگی۔

سفر کے آخری سو میل کے دوران میں کہانیاں کہنے کو خصوصی اہمیت حاصل رہی، کھانے کے بعد ہم، سردی سے بچنے کے لیے کپڑوں میں لپٹ کر بیٹھ جاتے تو ہر ایک سے کہانی سنتے۔ ہر ایک کا جداگانہ انداز اور طرز ہوتی۔ ستاروں بھرے آسمان کے نیچے، سرد صحرا میں بیٹھ کر ہم انتظار کرتے کہ آج کون پہلی کہانی سناتا ہے۔ کہانی کے سننے سے ہم میں یگانگت بڑھی اور ہم ایک دوسرے کا قرب محسوس کرنے لگے۔

ہمارا سفر اگرچہ ختم ہونے کے قریب تھا لیکن ریت کی پہاڑیوں کے اونچا ہوتے چلے جانے سے ہماری رفتار بہت کم ہو گئی۔ بعض جگہوں پر یہ پہاڑیاں 800 فٹ تک بلند تھیں، یہ پہلا موقع تھا کہ کیرولین بیمار پڑ گئی، اسے قے اور اسہال کی شکایت تھی، جس کے باعث اس کے جسم سے پانی نچڑ گیا۔

میں نے اسے کہا کہ اس حالت میں تم زیادہ دیر نہیں چل سکو گی۔ کسی اونٹ پر سوار ہو جاؤ اس نے کہا کہ ''نہیں، میں اب تک چلتی آئی ہوں، اب اونٹ پر سوار نہیں ہوں گی۔'' میں نے اسے اپنا بستر اونٹ پر رکھنے کا کہا۔ اس نے یہ بھی نہ مانا اور کہا کہ ''اس میں میری دوائیں ہیں۔ اگر یہ کسی اونٹ پر رکھ دی گئیں تو ضرورت کے وقت انہیں کیسے نکالا جائے گا۔ اس لیے یہ میرے پاس ہی رہیں تو اچھا ہے۔'' میں کیرولین کی ہمت اور برداشت سے بہت متاثر ہوا۔

میرے اپنے پاؤں زخمی تھے۔ بوٹ پہننا مشکل تھا، ان کے سبب سے تکلیف بڑھ جاتی۔ میں نے جرابوں سے گزارا کرنا چاہا لیکن دو دن بعد وہ پھٹ گئیں۔ ٹھنڈی ریت پر، ننگے پاؤں چلنا مشکل تھا۔ میں نے بوٹوں کا ایک جوڑا جو مجھے تنگ تھا، اندر سے کاٹ پیٹ کر پہن لیا۔ پہلے تو آرام ملا لیکن جلد ہی ان کی تنگی کاٹنے لگی۔

کیرولین کی حالت خاصی بگڑ گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی کیسے مدد کی جائے۔ صحرا کا سفر ختم ہوا تو میرے پاؤں چند دنوں یا ہفتوں کے بعد ٹھیک ہو جائیں گے۔ لیکن کیرولین کا کیا ہوگا؟ وہ مسلسل قے کر رہی تھی، اس میں توانائی ختم ہو گئی تھی۔ میں بھی سخت لاغر ہو گیا تھا۔ میری یہ حالت تھی کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رہی تھی۔ صحرا میں پہلے میری حالت اتنی پتلی اور بری نہیں ہوئی تھی، بُرے بُرے خیال آنے لگے۔ اس مرحلے پر مرنا مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ میں ٹینا کا سوچتا، جس نے

میرے تین بیٹوں کو میری عدم موجودگی میں سنبھالے رکھا۔ کارروان آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ کریم کی قطار کے ایک اونٹ نے اپنا سارا سامان ایک اونچے ٹیلے پر گرا دیا۔ لیکن اس طرح کہ جس رسے سے بندھا ہوا تھا، وہ نہیں کھلا۔ اونٹ بہت زور لگا کر اس میں سے نکلا لیکن ٹیلے کے ایک طرف لڑھک گیا۔ دوپہر کے کھانے کے لیے بیٹھے تو مجھے کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ میں لیٹ جانا اور سو جانا چاہتا تھا۔ سہ پہر کو کارروان کی رہبری میرے ذمے تھی۔ ریو پرٹ اور مارک نے کہا کہ وہ میری جگہ لینے کو تیار ہیں لیکن میں نے سوچا کہ اپنے ذمہ کا کام خود ہی کرنا چاہیے۔ اس کا طبیعت پر اچھا اثر ہو گا۔ ٹیلے پر سے اترتے ہوئے مجھے سانس لینے میں دشواری محسوس ہوئی۔ مجھے کیا ہو گیا تھا۔ یہ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ میرے نقشے پر دکھایا گیا تھا کہ جس راستے پر ہم جا رہے ہیں، آگے چل کر وہ ہمیں ہموار زمین پر پہنچا دے گا۔ ہم ریت کے ٹیلوں میں اس طرح گھرے ہوئے تھے جس طرح سفر کے آغاز میں گھر گئے تھے۔ ریت اتنی باریک تھی کہ اونٹ اس میں گر کر اٹھ نہیں سکتے تھے۔ وہ جتنا زور لگاتے، دھنستے چلے جاتے۔ گیو کا کہنا تھا کہ ہمارا نقشہ سراسر غلط تھا۔ اگر ہمیں پتہ ہوتا تو کبھی یہ راستہ اختیار نہ کرتے اور پورے کارروان کی زندگی داؤ پر نہ لگاتے۔ ابھی ہمیں 118 سے لے کر 160 میل کا سفر طے کرنا تھا۔ ہمارے پاس صرف بارہ دن کی رسد رہ گئی تھی۔ اس اعتبار سے ہم کو 11.3 میل یومیہ کے حساب سے چلنا ہو گا، جبھی ہم یہ فاصلہ طے کر سکیں گے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ کیا ہم ایسا کر سکیں گے؟

باب 18

موت کا کیمپ

11 نومبر تک آسودہ خاطری کے تمام احساسات مکمل طور پر ختم ہو گئے۔ سامنے حد نظر تک بلند ٹیلوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تھا۔ مزار تاغ جاتے ہوئے جو ٹیلے عبور کرنے پڑے تھے، یہ ان سے کہیں زیادہ برے تھے۔ پہلے جن ٹیلوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، اونچے ضرور تھے لیکن ان کی چوٹیاں، ڈھلان میں ڈھل گئی تھیں۔ لیکن اب جو ٹیلے درپیش تھے ان کی ریتلی دیواریں عمودی تھیں، ان میں سے ہو کر گزرنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ تاترنگ سے مہم کو شمال کی طرف لانے کو جو خطرہ پیش آ رہا تھا اس کے لیے میں اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتا تھا۔ اونٹ مضبوط نہیں تھے، انہوں نے 1,000 لٹر پانی، تیرہ دن کے لیے اونٹوں کی اپنی خوراک اور ہماری اشیا اٹھا کر چلنا تھا۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ سیٹلائٹ سے پیغام رسانی کا سلسلہ ختم ہو گیا، دوسرا ساز و سامان بھی کچھ زیادہ کارآمد نہیں تھا۔ اس میں سے بیشتر ٹوٹ پھوٹ گیا تھا اور کسی کام کا نہیں رہ گیا تھا۔

ہم بہت تھک گئے تھے۔ میری غلطیاں اور بے محل جرات مندی، میرے لیے سخت پشیمانی کا موجب تھی۔ میں چاہتا تھا کہ سارا سامان ایک جگہ ڈال کر، ٹیلوں میں سے جو ہمیں گھیرے ہوئے تھے، کسی صورت نکل بھاگوں۔ میرے اعصاب پر بہت بوجھ تھا۔ کارروان بہت سُست روی سے مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ راستے میں ریت کے ٹیلے تھے، جن کو عبور کرنا سخت مشکل تھا، اس بنا پر چینیوں نے اختلاف کا برملا

اظہار کرنا شروع کر دیا۔

اونٹ کمزور ہو گئے تھے، ان کے لیے چلنا دوبھر ہو گیا تھا۔ نرم ٹیلوں پر چڑھنے میں انہیں بہت زور لگانا پڑ رہا تھا۔ ان کی ٹانگیں بری طرح کانپ رہی تھیں۔ ساربان انہیں مجبور کرنے کے تمام حربے آزما رہے تھے۔ اونٹوں کے درمیان جو رسے بندھے تھے، ٹوٹ گئے، سامان نیچے لٹک گیا اور اونٹوں کی ٹانگوں سے ٹکرانے لگا۔ اونٹوں کی آنکھیں خوف کے مارے پھٹ سی گئی تھیں اور منہ کھل گئے تھے۔ وہ درد اور سراسیمگی کے سبب سے زور زور سے کراہنے لگے تھے۔ جو سامان ریت پر گر گیا تھا، اسے سمیٹنے اور اونٹوں پر لادنے میں خاصا وقت لگ گیا۔ سفر میں رکاوٹ پڑ گئی تھی، شام ہونے لگی تھی، کہاں پڑاؤ کیا جائے؟ اس کے لیے کوئی مناسب جگہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اونٹوں کے لیے پانی نہیں تھا اور آگ جلانے کے لیے لکڑیاں بھی نہیں تھیں۔ ہم نے ناچار ایک جگہ ڈیرہ ڈال دیا۔ اس شام کوئی گفت گو نہیں ہوئی۔ گیو کو دانت کا شدید درد تھا، کیرولین نے دوا تو دی لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ کیرولین کی اپنی حالت قدرے سنبھلی اور وہ اونٹوں کے زخموں پر مرہم لگانے کے قابل ہو گئی۔ میری ہڈیاں تک تھک گئی تھیں، میں سردی سے بری طرح کانپ رہا تھا۔ اپنے سلیپنگ بیگ میں پڑ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اس رات ایک اونٹ آوارہ ہو گیا، وہ ایک ٹیلے پر سے گر گیا۔ ہم نے اسے کھڑا کرنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔ دو گھنٹے کی تگ و دو کے بعد بھی کامیاب نہ ہوئے۔ اونٹ کی گردن ٹوٹ گئی تھی۔ میں نے سونے کی بہت کوشش کی مگر نیند نہیں آئی۔ بے آب ٹیلوں اور میلوں کی مسافت کے خیال نے مضطرب رکھا۔

دوسری صبح کیمپ پر اُداسی کا پہرہ رہا۔ ہم نے اونٹوں پر سامان لادا، سلیمان نے زخمی اونٹ کو ذبح کیا۔ اس کے بعد اس نے اور امیر نے اس کی کھال اتاری، گوشت کو مناسب ٹکڑوں میں کاٹ کر، راستے کے لیے رکھ لیا گیا۔ اونٹ کو پیش آنے والے حادثے، اس کے ذبح ہونے اور ٹکڑوں میں بٹ جانے کو دوسرے اونٹوں کی نظروں سے بچانے کی بہت کوشش کی، تاہم انہوں نے اپنے ایک ساتھی پر گزرنے والی واردات کسی حد تک دیکھ لی تھی۔ اس کا ان پر یہ اثر ا ہوا کہ ان کی حرکات ماند پڑ گئیں۔

چینی میرے ساتھ نظریں ملانے سے گریز کرنے لگے۔ شاید وہ اونٹ کو پیش آنے والے حادثے کے لیے مجھے ذمہ دار سمجھتے تھے۔ گیو نے مجھ سے کہا کہ اگر ہم اس طرح چلتے رہے تو مزید اونٹ کھو دیں گے، انسانی جانیں ضائع ہونے کا بھی امکان ہے۔ میں نے کہا کہ ہمیں پتہ تھا کہ سفر کے دوران میں ہمیں کچھ اونٹ کھونے پڑیں گے۔ یہ خطرہ بہرحال موجود تھا۔ رات کو جو کچھ ہوا وہ محض حادثہ تھا۔ حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ البتہ یہ حادثہ ایسے وقت ہوا جب ہم سفر مکمل کرنے کے قریب ہیں۔ گیو بولا کہ ہمیں مزید اونٹ نہیں کھونے چاہئیں۔ دو دن سے پانی بھی نہیں ملا۔ آگے ملنے کا بھی امکان نہیں۔ میں نے گیو کو سمجھانے کی کوشش کی کہ کامیابی کے لیے ہمیں مزید اونٹوں کی قربانی دینا پڑ سکتی ہے۔ ہماری مہم کوئی جاپانی مہم نہیں، یہ عظیم ''برٹش چائنیز'' مہم ہے، اس میں پس پائی اختیار نہیں کی جا سکتی۔ تم حوصلہ نہ ہارو، سب اچھا ہو جائے گا۔

وہ بہت ڈر گیا تھا۔ میں نے اسے اس معاہدے کے بارے میں نہیں بتایا تھا، جو میں نے مارکیٹ سے صحرا میں داخل ہوتے وقت بارنی سے کیا تھا۔ یہ اس نے پوچھا تھا کہ کتنی جانیں ضائع ہونے پر تم مہم کو ختم کر دو گے۔ میں نے اس سوال پر بہت غور کیا تھا۔ بیجنگ میں برطانوی سفارت خانے کے افسروں سے اس مسئلے پر بات ہوئی تھی کہ مہم کے دوران میں جو جانیں ضائع ہونی تھیں ان کی میتیں لانے کا کیا بندوبست ہوگا۔ میرا موقف تھا کہ ایک فرد کی ہلاکت کے بعد ہم مہم جاری رکھیں گے، دوسرے رکن کی موت کے بعد صورت حال کا جائزہ لیں گے۔ اگر اموات کسی حادثے کے سبب سے ہوئیں تو صحرا عبور کرنے کی مہم کو ختم کرنے کا کوئی جواز نہیں ہوگا۔ اگر ایک یا دو موتیں بھوک اور پیاس کے باعث ہوئیں تو پھر ہم جنوب کا رخ کریں گے اور رسد کی رسائی کے پہلے مقام سے مہم ترک کر دیں گے۔ ایک سوال یہ تھا کہ مرنے والوں کی میتوں کا کیا کیا جائے گا، دو سو میل کے فاصلے پر ہیلی کاپٹر تو موجود ہوگا لیکن کیا وہ ہم تک پہنچ پائے گا۔ ہم کہاں ہیں؟ اس کا تعین کر سکے گا؟ اسے ناممکن دیکھ کر یہی طے کیا کہ میت کو اونٹ پر رکھ لیں گے اور جب تک وہ اچھی حالت میں رہی اسے لیے چلتے رہیں گے۔ ورنہ اسے دفن کر دیں گے اور وہاں نشان لگا دیں گے۔ ہم نے یہ باتیں مہم کے آغاز پر ہی طے کر لی تھیں۔ البتہ چینیوں اور ساربانوں سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔

میں نے 12 نومبر کی صبح تک ریت کے ٹیلے پر چڑھائی کے دوران میں مڑ کر دیکھا، اونٹ کی نعش ریت پر پڑی تھی، اس کے گرد خون پھیلا ہوا تھا۔ اگر صحرا میں گدھ ہوتے تو اونٹ کی نعش پر ضرور جھپٹتے لیکن وہاں کوئی گدھ نہیں تھا۔ نعش کے پاس پانی کے دو خالی کنٹینر پڑے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگلے 130 میل کی مسافت میں ہمیں اور کتنے مردہ اونٹ دیکھنا پڑیں گے۔ ہمیں جو چیلنج درپیش تھا اس کے پیش نظر قیاس کیا جا سکتا تھا کہ مستقبل اپنے بطن میں ہمارے لیے کیا لا رہا ہے۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ خدا نہ کرے کہ میں یہ سب کچھ دیکھنے کے لیے زندہ رہوں۔

سیون ہیڈن کو جو کچھ پیش آیا، اس کا خیال بے حد روح فرسا تھا۔ اس نے گھبراہٹ کے عالم میں زندہ اونٹوں کو پیچھے چھوڑا اور خود آگے نکل گیا۔ لیکن ہم نے زخمی اونٹوں کو ہلاک کرنا مناسب سمجھا، انہیں حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنا ایک ظالمانہ فعل تھا۔ ہم نے اسے عمداً ترک کیا۔ اگر راستے میں بلند ٹیلے ہی پھیلے ہوئے اور ہمیں کہیں پانی میسر نہ آیا تو صورت حال سخت تکلیف دہ ہو گی۔ ہم طویل سفر میں مشکلات کے پہاڑ اور گھاٹیاں عبور کرتے یہاں تک آ پہنچے تھے۔ میں نے ڈائری میں لکھا ''اس سارے عرصے میں ہمیں کوئی بہت بڑا حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔ ہم اس روز 5 یا 7 میل کا فاصلہ طے کر سکے۔ سب ایک دوسرے سے زیادہ تھکے ہوئے تھے۔ کیرولین کمزور ہو گئی تھی لیکن چل رہی تھی اور اس نے اپنا بیگ اٹھایا ہوا تھا۔ اونٹ دو تین بار گرے اور کمزوری کے باعث پھر نہ اٹھ سکے۔ زہانگ دیکھتا رہا لیکن اس نے انہیں اٹھانے میں کوئی مدد نہیں کی۔ وہ فضول اور بڑبولا شخص ہے۔ کسی کام کا نہیں، ساربان گرے ہوئے اونٹوں کو اٹھانے والوں میں پیش پیش رہتے۔''

چینی جنوب کی طرف دریائے قرقان کی وادی کی طرف جانا چاہتے تھے۔ ان کے خیال میں اگر ہم موجودہ راستے پر ہی چلتے رہے تو سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اونٹوں کو آج تیسرے دن بھی پانی نہیں ملا۔ پرانی لکڑیاں بھی کہیں نظر نہیں آ رہیں۔ ''نیا'' کے قریب موت کی وادی اور ابتدا میں پیش آنے والے ریتلے ٹیلوں سے بھی یہ زیادہ ویران قطعہ ہے۔ جسمانی لحاظ سے بہتر اور توانا محسوس کرنے کے باوجود رفتار نہیں بڑھائی جا سکی۔ ڈھلوان ٹیلوں پر چڑھنے کے لیے پورا زور لگانا پڑتا۔ اونٹوں کو کھینچنا،

اضافی مشقت تھی۔ سب سے اونچے ٹیلے پر پڑاؤ کیا، اس کی اونچائی 2,000 فٹ کے قریب ہوگی۔ میرا سلیپنگ بیگ گزشتہ رات کی کہر میں گیلا ہوگیا تھا۔ وہ اب تک ویسا ہی ہے۔ اس میں سونا اور آرام کرنا ممکن نہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ہم اس طرح کب تک مشکلات کا سامنا کرتے رہیں گے۔ دو دنوں میں اونٹ اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ ریت کے ٹیلوں میں کمی ہونے کے کوئی آثار نہیں۔ مجھے بالآخر ماننا پڑے گا اور جنوب مشرق کی طرف بڑھنا ہوگا۔ اس جانب ٹیلے قدرے ہموار ہیں اور کنواں کھودنے کا بھی امکان ہے۔ مجھے اپنی رفتار اور اونٹوں کی کمزوری کے بارے میں تشویش ہے۔ ہم پچھڑ رہے تھے۔ اس کمی کو پورا کرنے کی ہم میں قوتِ ارادی بھی نہیں تھی۔ برطانوی ٹیم کے سبھی ارکان جان مار کر محنت کر رہے تھے۔ یہ ٹیلے مارکیٹ اور مزار تاغ کے درمیانی عرصے میں پیش آنے والے ٹیلوں سے کہیں زیادہ بڑے تھے، لیکن ہم میں کچھ کر دکھانے کا جذبہ موجود تھا۔ ہر میل، تین میل کے برابر لگ رہا تھا۔ ہم بڑھ رہے تھے لیکن ہم جتنے بڑھتے، منزل ہم سے اتنی ہی دور ہوتی محسوس ہوئی۔ اونچے ٹیلے، ان کے رنگ، اشکال، ان کے سائے، سبھی کچھ پُر شکوہ دکھائی دیتا۔ صحرا کی وسعت میں ہمارا چھوٹا سا کارروان راستہ بناتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ ایک اونٹ کے پیچھے چلتے ہوئے، اس کے کجاوے سے خون رستا دیکھا تو خیال آیا کہ یہ اس اونٹ کا خون ہے جس کا گوشت ہم نے زادِ سفر کے طور پر سنبھال رکھا ہے۔

اس رات میں نے ریو پرٹ سے کہا کہ وہ زہانگ بوہا سے مل کر تمام اونٹوں کے کجاووں کا معائنہ کرے، جو سامان فالتو یا جو خوراک اب استعمال کے قابل نہیں، اسے الگ کر دے۔ دن میں پیش آنے والے تجربات سے ثابت ہوگیا تھا کہ اونٹ بھاری بوجھ اٹھا کر، ٹیلوں میں سے نہیں گزر سکتے۔ ان کا بوجھ ہلکا کرنا پڑے گا۔ میں نے دیکھا کہ سامان میں اضافہ چینیوں کے حوصلے کو پست کرنے کا موجب ہوتا تھا۔ ریت کے پہاڑوں پر ہماری حالت بہت پتلی ہوگئی تھی۔ چھوٹے سے چھوٹا کام بھی بہت مشکل لگتا، اسے کرنے کے لیے خاصا زور لگانا پڑتا۔ بات بات پر غصہ آنے لگتا اور نوبت تُو تکار تک پہنچتی۔ وہ ضبط جو لوگوں کو باہم ملائے رکھتا ہے، ختم ہونے لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ ہر کوئی خاص طور پر، چینی آفت ڈھانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ایغیور

فاصلہ برقرار رکھتے آئے لیکن بعد میں فاضل اشیا کی لوٹ مچی تو انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے فساد بپا ہو گیا ہو۔

دریں اثنا مارک نے بڑی مشکل کے بعد ریڈیو پر فرانسس سے رابطہ کر لیا۔ وہ 170 میل جنوب مشرق میں، ریوکیانگ کے قریب تھا۔ بارنی کی عدم موجودگی میں فرانسس ہی امدادی ٹیم کا سربراہ تھا۔ بارنی ارمچی گیا تھا تاکہ چینی حکام سے بات چیت کر کے، ہمارے چین سے نکلنے کا بندوبست کر سکے۔ چینی نہیں چاہتے تھے کہ ہم اپنی دو گاڑیوں کو ہانگ کانگ لے جائیں اور وہاں جہاز کے ذریعے واپس انگلستان پہنچا دیں۔ ہمیں اس مسئلے پر چینی حکام نے کوئی چار مہینے تک الجھائے رکھا۔ سرایڈورڈ ہیتھ کے چینی حکام کے نام خط کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ بارنی نے ذاتی کوشش سے مسئلہ سلجھانا چاہا۔ گاڑیوں کو چین سے لے جانے کے جو متبادل راستے تھے، ان میں سے ایک یہ تھا کہ گاڑیوں کو خنجراب لے جایا جائے اور شاہراہِ ریشم سے پاکستان پہنچا دیا جائے۔ لیکن خنجراب کا درّہ سرما میں برف باری کے باعث بند ہو جاتا ہے۔ برفانی تودے گرنے کا بھی خطرہ رہتا ہے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ سارا ساز وسامان اگلی بہار تک خنجراب میں رکھ دیا جائے۔ اس صورت میں ڈر تھا کہ چینی گاڑیوں کو یرغمال بنا کر رکھ لیں گے اور ہم سے زیادہ پیسے بٹوریں گے۔ وہ ایسا کرنے کے اہل تھے۔ میں صورت حال سے مایوس تھا اور جانتا کہ آگے ہمیں کیا پیش آنے والا ہے۔ مارک نے کہا کہ جو کچھ بھی ہونا ہے، ہونے دو۔ تم 23 نومبر تک لیوبز ہوانگ پہنچو کیونکہ ارمچی اور ریوکیانگ کی تقریبات وہیں طے پائیں گی۔ مجھے یہ ماننے میں تامل ہوا۔ میں نے مارک سے پوچھا کہ امدادی ٹیم کو اس سلسلے میں کچھ پتہ ہے؟

نہیں، انہیں پتہ نہیں ہے۔ ہم اپنی سی کوشش ضرور کریں گے۔ لیکن آئندہ بارنی سے تمہاری بات ہو تو اسے ہماری مشکلوں کے بارے میں ضرور بتانا اور اسے کہنا کہ اگر ضرورت پڑ جائے تو وہ چینیوں سے مل کر ہماری ہنگامی مدد کا کوئی بندوبست کر لے۔ میں بہ مشکل آخری فقرہ پورا کر سکا تھا کہ ریڈیو کی بیٹری جواب دے گئی۔

کریم دو گھنٹے سے لاپتہ تھا۔ ایک چینی نے اسے جنوب کی سمت جاتے دیکھا تھا۔ اندھیرے میں وہ ہم تک پہنچ پائے گا؟ شام کو کھانے تک اس کا کچھ پتہ نہیں تھا۔

میں نے کہا کہ آگ جلا کر دیکھیں شاید کریم کو نظر آ جائے۔ ہم نے اس کا نام بھی پکارا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ آدھ گھنٹے بعد آگ کے شعلے بلند کیے۔ ہم نے دیکھا کہ کریم ہماری طرف آ رہا تھا۔ اس نے اپنی پیٹھ پر بوجھ اٹھا رکھا تھا جب ہمارے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہ لکڑی کا گٹھا اٹھا لایا ہے۔ کیرولین نے کہا کہ کریم کو داد دینا پڑتی ہے وہ آگ جلانے کی خاطر، لکڑی تلاش کرنے چلا گیا تھا۔ کریم نے کہا کہ ہم جہاں ہیں یہاں سے دو گھنٹے جنوب کی طرف چلیں تو کنواں کھودنے کے لیے مناسب جگہ مل سکتی ہے۔

کریم کی لائی ہوئی لکڑی سے ہم نے آگ جلائی اور تمام لوگ اس کے گرد دائرہ بنا کر بیٹھ گئے۔ امیر اور سلیمان نے اونٹ کے گوشت کے پارچے لکڑی کے ٹکڑوں میں پرو کر آگ پر پکانے شروع کیے۔ مارک نے کہا کہ ''یہ اونٹ کے کباب ہیں۔'' سو یہ اس اونٹ کا انجام تھا جو 48 دنوں تک ہمارے لیے پانی اٹھائے لاتا رہا۔ یہ تازہ گوشت پہلی بار میسر آ رہا تھا۔ آئندہ کب ملے گا؟ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ چینیوں کو اونٹ کباب پسند نہیں آئے، ریو پرٹ اور مارک ہنسی مذاق میں مصروف ہو گئے۔

دوسری صبح کو سات بجے کے قریب ستارے ابھی تک چمک رہے تھے۔ تھرمامیٹر پر فارن ہائیٹ منفی 20 درجے تھا۔ کنٹینروں میں پانی جم گیا تھا۔ سلیپنگ بیگ کہر کے باعث بوجھل ہو گئے تھے۔ اونٹوں کے لیے پانی نہیں تھا اور آگ تاپنے کے لیے لکڑی نہیں تھی۔ 120 میل کا فاصلہ طے کرنا باقی تھا۔ لاؤزہاؤ پٹرول کا چولھا جلانے میں مصروف تھا۔ بڑی کوشش کے بعد وہ ایک کیتلی میں پانی گرم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے اپنے لیے ایک پیالی کافی تیار کی۔ صبح کا نظارہ کرنے کے لیے سب سے اونچی چوٹی پر چلا گیا۔ مارک پہلے سے ہی وہاں موجود تھا۔ وہ ایک ٹین میں دلیہ کھا رہا تھا۔ اس تک پہنچتے پہنچتے کافی ٹھنڈی ہو گئی۔ میں نے کہا کہ میں تمہاری تنہائی میں مداخلت تو نہیں کر رہا؟ اس نے جواب میں اپنا سر نفی میں ہلایا اور کہا تمہارا آنا اچھا لگا۔

منظر کتنا جاذب نظر ہے۔ یہ کبھی نہیں بھلایا جا سکے گا۔ کیون لیون پہاڑ پورے افق پر پھیلا ہوا ہے۔ ہمارے اور پہاڑ کے درمیان ریت کے ٹیلے ہیں۔ اونچے اور چھوٹے، مختلف رنگوں میں رنگے ہوئے۔ میرے عقب میں اور نیچے کیمپ میں زندگی

کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ ایغیور ایک صف میں کھڑے نماز ادا کر رہے تھے۔ جس سمت میں ہمیں اگلی منزل کے لیے کوچ کرنا ہے، اس کے راستے میں قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی دکھائی دے رہی ہیں جو ہماری رفتار کو سُست کرنے کا موجب ہوں گی۔ پانی کے لیے کنواں کھودنے کا امکان بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ مارک نے میرے خدشات کا اندازہ کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا سوچ رہے ہو، میں نے کہا کہ ہمیں دو دن مزید چلنا ہو گا۔ اس کے بعد ہی صحیح اندازہ کیا جا سکے گا کہ آئندہ کیا کرنا ہے۔ اس نے کہا کہ سنجیدگی سے غور کریں تو پتہ چلے گا کہ ہمیں ابھی کٹھن جدوجہد کرنا ہو گی۔ اونٹوں کی حالت دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ منزل تک رسائی آسان نہیں۔ دو دن مزید پانی نہ ملا تو مزید اونٹ پیاسے مر جائیں گے۔ اصل ڈر اس بات کا ہے کہ ہم ایک دن میں مشکل سے چھ میل فاصلہ طے کر سکیں گے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہم سے کوئی بھی موجودہ حالات کو مزید ایک دن کے لیے برداشت کرنے پر آمادہ ہو۔

مارک خاموش تھا۔ میں نے جنوب مشرق کی طرف دیکھا، ٹیلوں کے درمیانی نشیب و فراز نظر نہیں آ رہے تھے لیکن بہت پرے کی سطح قدرے ہموار تھی۔ میں نے شمال مشرق اور مشرق کی طرف دوبارہ دیکھا اور اسی نتیجے پر پہنچا کہ جنوب مشرق کی طرف جانا زیادہ بہتر ہے۔ اس پر چلتے رہنے میں آسانی رہے گی۔ مارک نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا کہ میں ایک بات کہے دیتا ہوں، تم اس پر غور کر لینا۔ یہ کہ ایورسٹ کو پہلی بار سر کرنے والوں نے سب سے مشکل راستہ نہیں چنا تھا، ہم بھی ایک مشکل ترین صحرا کو عبور کرنے کا تاریخ ساز کارنامہ سرانجام دے رہے ہیں اور جنوب مشرق کی جانب کا راستہ صرف اس لیے اختیار کر رہے ہیں کہ پانی مل جائے گا اور کچھ کم فاصلہ طے کرنا پڑے گا۔ لیکن آخری نتیجہ پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟ میں نے مارک سے کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہم جنوب مشرق کا راستہ اختیار کریں گے۔ تم ابھی اس ضمن میں کسی سے بات نہ کرنا۔

کیمپ میں واپس پہنچے تو رپورٹ نے بتایا کہ چینیوں کو فاضل سامان پھینک دینے پر آمادہ کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہے۔ ان کے مقابلے میں برطانوی ارکان نے خوش دلی سے بہت سا سامان جس میں خوراک شامل تھی، چھوڑ دیا تھا۔ میں نے

ریو پرٹ سے کہا کہ وہ ٹیم کے سبھی ارکان کو صرف دس دن کا راشن لے جانے پر آمادہ کریں۔ ریو پرٹ کی رائے تھی کہ اس کے لیے گیو سے بات کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس کا کہنا شاید موثر ہو۔ میں نے گیو سے بات کی، اس پر خاصی تکرار ہوئی۔ گیو غصے میں پاؤں پٹختا چلا گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو جمع کیا اور ان سے کچھ کہنے لگا۔ میں نے مارک سے پوچھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ مارک کا جواب تھا کہ اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہتا ہے۔

اس نے کیا کہا، اس سے قطع نظر ہم نے دیکھا کہ چینیوں نے ڈبہ بند خوراک، سبزیاں، چاول پھینکنا شروع کر دیے۔ گیو نے ان چیزوں کے انبار پر پٹرول چھڑکا اور آگ لگا دی۔ ایغیوروں کا ردعمل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ برطانوی اور چینی ارکان کے اختلاف پر خوش تھے۔ لیکن دوسرے معاملات پر خاصے پریشان تھے۔ انہیں بادلِ نخواستہ ہمارا فیصلہ ماننا پڑا۔ گیو نے اونٹوں کے کچاوے دیکھے اور کہا کہ برطانوی ٹیم اپنے ساتھ بسکٹوں کے اتنے زیادہ باکس کیوں لیے جا رہی ہے۔ میں نے بسکٹ کھول کر ڈھیر کر دیے جنہیں دیکھتے ہی اونٹ لپکے اور انہیں ہڑپ کر گئے۔ گیو اور اس کے ساتھیوں پر کھل گیا کہ بسکٹ اونٹوں کے لیے تھے۔ بچا کھچا سامان سنبھالنے اور اونٹوں پر لادنے میں تین گھنٹے لگ گئے، اب ریتلے ٹیلوں میں مزید ایک دن کا سفر درپیش تھا۔ اس کے دُشوار ہونے کے احساس نے ہر ایک کو مرجھا دیا تھا۔ جنوب مشرق کی طرف کا راستہ آسان نہ تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ آگے کے ایک سو میل سے تکلا مکان اپنے کون سے راز ہم پر منکشف کرے گا۔

باب 19

بدشگونی

ہماری مہم کے راستے کے بارے میں چینی حکام خاص طور پر حساس تھے کیونکہ یہ تکلا مکان کے مشرق میں لوپ نو صحرا میں سے گزرتا تھا، جہاں چین کے ایٹمی تجربات ہوتے ہیں۔ روسی اور مغربی ممالک اس سے باخبر تھے۔ گزشتہ صدی میں روس اور برطانیہ نے وسطی ایشیا میں اثر و رسوخ حاصل کرنے کی تگ و دو کا آغاز کیا۔ اس کے ساتھ ہی قومی سرحدوں کے تحفظ کے لیے ایٹمی صلاحیت کو بروئے کار لانے کی دھمکیاں بھی دی جانے لگیں۔ جن کے سبب سے وسطی ایشیا کے گرد قومی مفادات کا توازن بگڑ گیا۔ سنکیانگ کی سرحدیں پاکستان، انڈیا اور سابق سوویت جمہوریتوں سے ملتی ہیں، جو ایٹمی صلاحیت حاصل کر چکی ہیں یا حاصل کرنے کے قریب ہیں۔ ہم جانتے تھے کہ چین کا ایٹمی تجربات کا علاقہ ہمارے مشرق میں تھا۔ ہمارے سفر کے آغاز پر وزارت دفاع نے ہمیں اس کے بارے میں عمومی طور پر بتا دیا تھا۔ چینی محکمہ سراغ رسانی کو علم تھا کہ ہماری مہم کے تین ارکان کا تعلق برطانوی فوج سے ہے اور وہ سابق فوجی بھی ہیں۔ وہ ایک ایسے صوبے میں مہم جوئی میں مصروف رہے ہیں، جہاں حال تک کسی غیر ملکی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ہماری مہم کی چینی ٹیم میں کیو لائی کو جاسوسی کی غرض سے ہی شامل کیا گیا تھا۔ ستمبر کے پہلے ہفتے جب ہم مزار تاغ سے گزر رہے تھے تو سنا کہ لوپ نو صحرا میں ایٹمی دھماکہ کیا گیا ہے۔ بارنی نے ہمیں اس کی اطلاع ریڈیو پر دی تھی۔ چینیوں نے بعد میں کہہ دیا کہ انہوں نے کوئی دھماکہ نہیں کیا۔ پریس کو بتایا گیا کہ ایغیور

ری پبلک میں زلزلہ آیا ہے۔ میرا کہنا تھا کہ لوپ نو میں جہاں ایٹمی دھماکہ ہوا، ہم اس سے ایک ہزار میل دور تھے اور جہاں ہوا شمال مشرق کے رخ پر چل رہی تھی۔

ہمیں مستقلاً بتایا جاتا رہا کہ عالمی برادری کو اس علاقے میں گہری دلچسپی ہے، رات کو آسمان پر جو سیٹلائٹ (مصنوعی سیارے) اڑتے نظر آتے ہیں، وہ اس کی واضح دلیل ہیں۔ بارنی کی ٹیم، صحرا سے فاتحانہ انخلا کی تیاری اور مقامی تقاریب کے انعقاد کے لیے ریوکیانگ کے قصبے میں چلی گئی، جو 80 میل جنوب مشرق میں، جنوبی شاہراہِ ریشم کے مشرقی سرے پر اور تکلا مکان کے پہلو میں واقع ہے اور اس علاقے کا آخری نخلستان ہے۔ یہاں سے سڑک جس کی حیثیت محض پگڈنڈی کی سی ہے، لیو بز ہوانگ کی شمال کی طرف نکل جاتی ہے اور تکلا مکان اور لوپ نو صحرا کو جانے والی سڑک میں بٹ جاتی ہے۔ نقشہ پر لیو بز ہوانگ قصبے کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ لیکن جب بارنی اپنی گاڑیاں لے کر پہنچا تو وہاں چند عمارتوں کی باقیات کے سوا کچھ نہیں تھا۔ کسی دور میں یہاں فوج نے قبضہ کیا تھا اور یہ عمارتیں اس کے تصرف میں رہی تھیں۔ یہاں زلزلہ پیمائی کے آلات اور کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ اس سے یہی اندازہ کیا گیا کہ یہ انجام ایٹمی دھماکے سے پیدا ہونے والے ارتعاش کو ماپنے کے لیے کیا گیا ہوگا۔ یہاں صحرا، چپٹا اور ہموار تھا۔ ریت کے ٹیلے بھی نہیں تھے۔ بارنی اور اس کے ساتھی کیتھ نے یہاں پہنچ کر عجیب قسم کی بے چینی اور بے کلی کی اطلاع دی۔ فرانسس کا کہنا تھا کہ اگر ہمارے پاس ریڈیائی اثرات جانچنے کا آلہ ہوتا تو ان کا جائزہ لینے کے لیے یہاں کچھ وقت گزارا جا سکتا تھا۔ ہم نے واپسی پر ایٹمی تجربات کا ذکر نہیں کیا۔ صرف اپنی مہم کے تذکرے پر ہی اکتفا کیا۔ ایٹمی تجربے کا ذکر آتا تو سمجھا جاتا کہ صحرا کو عبور کرنا تو بہانہ تھا اصل میں ایٹمی تجربات کا پتہ چلانا اور ان کے بارے میں تصدیق کرنا تھی۔ اونٹ جس رات ذبح کیا گیا چینی ٹیم نے سرتابی کا اظہار شروع کیا۔ ان کے ساتھ ہمارے تعلقات مزید کشیدہ ہو گئے۔ ہم 680 میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے اور ابھی ایک سو میل کا فاصلہ طے کیا جانا تھا۔ کشیدگی اس سارے عرصے میں موجود تو تھی لیکن اس کا واضح اظہار نہیں ہوا تھا۔ البتہ وہ جس انداز اور شدت سے بڑھتی آ رہی تھی، اس کے پیش نظر کہا جا سکتا تھا کہ مختلف قومی ٹیموں میں، جو اپنے اپنے راستے سے منزل تک پہنچنے کے

لیے کوشاں تھیں، اختلاف انتہا کو پہنچ سکتا ہے۔

جس روز ہم نے جنوب مشرق کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کیا، اس پر اختلاف میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ریت کے ٹیلے دشوار گزار ہوتے گئے۔ ریت نرم اور گہری تھی، اونٹ چلتے ہوئے اس میں دھنس جاتے۔ ان کی ٹانگیں کپکپانے لگتیں، وہ رک جاتے تو پھر مشکل سے ہی پاؤں اٹھا سکتے۔ چمکارنے اور برداشت سے کام لینے کے بعد ہی انہیں چلنے پر آمادہ کیا جا سکتا۔ پہلے چھ اونٹوں کو لیوسن نے بڑی جدوجہد سے اس جگہ تک پہنچایا جہاں مارک اور کیرولین ان کے منتظر تھے۔ ریو پرٹ اور میں آگے نکل گئے تھے۔ ہم نے سیدھا راستہ اختیار کیا تھا۔ ہم نے راستے کی سختی برداشت کی۔ لیکن سیدھے چلتے گئے۔ راستہ تبدیل کرتے تو وقت ضائع ہوتا۔ چینیوں نے غلطی کی اور راستہ تبدیل کر لیا۔ وہ کارروان کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ انہوں نے ہمیں عمودی ریتلی دیوار پر چڑھتے دیکھ کر ساربانوں سے کہا کہ وہ جنوب کا رخ کریں۔ مارک اور کیرولین نے انہیں راستہ تبدیل کرتے دیکھا لیکن وہ گھٹنوں تک گہری ریت میں مشکل سے قدم اٹھانے میں مصروف تھے، اس لیے انہیں کچھ نہ کہہ سکے۔ ہم نے اونٹوں کو دس منٹ تک سانس لینے دیا اور پھر انہیں 60 فٹ اونچے ٹیلوں کی طرف ہنکایا، چھ اونٹوں کو یہاں کچھ دیر ٹھہرائے رکھا اور باقی ماندہ اونٹوں کے پہنچنے کا انتظار کیا۔ ایک گھنٹا پہلے میں نے دیکھا کہ اونٹ قطاروں میں آگے بڑھتے آ رہے ہیں۔ ان میں سے بعض نے جنوب کی طرف رخ کیا تھا۔ سلیمان اور امیر نے شمال کی جانب بڑھنا شروع کر دیا۔ مجھے اس پر غصہ تو بہت آیا، اس لیے بھی کہ کارروان دو حصے میں بٹ گیا تھا۔ دوسرے صحرا کو عبور کرنے کے لیے جو وقت مقرر کیا گیا تھا، وہ پورا نہیں ہو رہا تھا۔ ہماری کامیابی کا دارومدار اس پر تھا کہ وقت پر منزل تک پہنچتے۔

ریو پرٹ نے مجھ سے کہا کہ حالات کو بگڑنے سے بچانے کی تدبیر کرو۔ یہ جو بے قاعدگی اور بے ضابطگی کے مرتکب ہو رہے ہیں انہیں سختی سے ضابطے میں لانا ہوگا۔ میں نے پورے تحمل سے اس کی بات سنی اور کوشش کی کہ اس مرحلے پر کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے کہ کوئی خرابی پیدا ہو جائے۔ میں نے گیو سے کہا کہ سارا الزام ساربانوں کے سر دھرنا مناسب نہیں۔ ساربانوں ہی پر پابندی ہے کہ وہ اونٹوں کو سیدھے انداز

سے چلاتے رہیں۔ اس نے اتفاق نہیں کیا اور کہا کہ یہی صورت حال رہی تو سارے اونٹ مارے جائیں گے اور کئی انسان بھی موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ میرا کہنا تھا کہ اس طرح کی صورت حال سے ہم کئی بار پہلے بھی دوچار ہو چکے ہیں اور اس سے بہ حفاظت گزر چکے ہیں۔ راستہ میں نے چنا ہے، اب اس میں تبدیلی کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ اس نے کہا کہ تم چاہے کچھ کہو، یہ راستہ تمہیں کہیں نہیں لے جائے گا، اونٹ آگے جانے کے قابل نہیں رہ گئے۔ میں نے اس کا چہرہ دیکھا اونٹوں کی رہنمائی کرنا آسان نہیں تھا۔ چینی اور ساربان سخت غصے کے عالم میں تھے۔ ریوپرٹ نے یہ بھانپ کر کہ ٹکراؤ نہ ہو جائے گیو سے کہا کہ چارلس مہم کی رہنمائی کرتا آیا ہے۔ اگر تمہیں اس کی قیادت پسند نہیں تو تم پہلے روز ہی علیحدگی اختیار کر لیتے۔ مہم کی رہنمائی، ریڈیو، طبی امداد، اخراجات، برطانوی ٹیم ہی کے ذمے رہے ہیں۔ تم نے کیا کیا ہے؟ میں نے کہا، گیو! تمام ذمہ داری برطانوی ٹیم نبھا رہی ہے۔ اونٹ ان کے ہیں، ساز وسامان ان کا ہے، ساربانوں، حتیٰ کہ تمہیں بھی وہی معاوضہ دیتے آئے ہیں۔ گیو چپ ہو گیا، جیسے اس نے ہار مان لی ہو۔ اس کی آنکھوں سے صاف عیاں تھا کہ اس کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔ تکلا مکان کو عبور کرنے کی مہم کا آغاز برطانوی ٹیم نے کیا تھا۔ اس نے اسے جاری رکھا اور انجام تک پہنچایا۔ ہزاروں میل دور کے ایک جزیرے سے تعلق رکھنے والی ٹیم نے اس مہم کا آغاز کیا۔ اس کی تعظیم کی، اس کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے تمام اسباب کیے۔ مشکل اور ابتر حالات میں بھی مہم کو جاری رکھنے کے سارے تقاضے پورے کیے۔ چیولائی نے چند منٹ خاموش رہنے کے بعد کہا کہ اونٹ آگے نہیں جا سکتے۔ میں چیخ پڑا، تم کیا جانتے ہو، تمہیں تو یہ بھی پتہ نہیں کہ اونٹ پر بوجھ لدا ہو تو وہ کیسا ہے اور بوجھ کے بغیر کیسا؟ اس لیے تم زبان بند رکھو۔

مارک نے سرگوشی میں کہا کہ چارلس ہوش سے کام لو، یہ نہیں چاہیں گے کہ کسی کو چہرہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو تم رات کو سوئے ہوئے ہو اور یہ آ کر تمہارا گلا کاٹ دیں۔ یہ ایک عرصے سے غصے میں ہیں۔ میں نے دیکھا کہ چینیوں، ساربانوں اور انگریزوں کے درمیان تعاون ختم ہو رہا ہے۔ میں نے آگے بڑھ کر گیو کے کندھے پر ہاتھ رکھا، جس نے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔ میں نے دوبارہ کوشش کی اور کہا،

گیو، آؤ اس بک جھک سے نکل کر سگریٹ پیتے ہیں۔ ہم مہم کی قیادت کرتے آئے ہیں۔ ٹیموں کو ایک ساتھ رکھنے کی ذمہ داری بھی ہمیں کو پوری کرنی ہے۔ اس نے ایک چھوٹے، خوف زدہ بچے کی طرح مجھے دیکھا، میں نے سگریٹ سلگایا اور اسے پکڑایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مجھے افسوس ہوا کہ میں نے اس سے سخت کلامی کی۔ گیو صحیح تھا میں اسے دوست سمجھتا اور پسند کرتا تھا۔

مہم نے آخری سو میل کے دوران میں سردی بدترین دشمن تھی۔ شمال مشرق کی طرف سے سرد ہوا، ریت کے ٹیلوں پر چلتے ہوئے، ہم پر ریت کی بوچھاڑ کر رہی تھی، یوں لگتا ہے جیسے جسموں کو ڈنک مار رہی ہو۔ بعض دنوں میں صحرا اور آسمان آپس میں اس طرح مل جاتے کہ ان کے درمیان تفریق کرنا ممکن نہ رہتا۔ ریت اور غبار ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لیتا۔ ہمارے جسم اس قابل نہ رہ گئے تھے کہ سفر جاری رکھ سکتے۔ اب ایک ہی خواہش تھی کہ صحیح و سالم صحرا سے نکل آئیں اور فتح یابی کا انعام حاصل کر سکیں۔ اب دس دن رہ گئے تھے، صرف دس دن۔

چلتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ جب ہم واپس پہنچیں گے تو ہمارا شان دار استقبال ہو گا۔ وقت گزارنا مشکل ہو گیا تھا۔ ہر گھنٹے کے بعد میں حساب لگاتا کہ ہم منزل سے کتنی دور رہ گئے ہیں۔ کتنے میل کا فاصلہ طے کیا ہے اور کتنے میل مزید طے کرنے ہیں؟ صحرا کی زندگی اور معمولات کی چھاپ اتنی گہری تھی کہ ان کے بغیر کوئی اور بات سوچی سمجھی ہی نہیں جا سکتی تھی۔ میں نے ایک ٹیلے کے سائے میں کھڑے ہو کر ریت پر ہوا کے جھونکوں کے زور سے بنی ہوئی لہروں کو دیکھا اور قدرت کی فن کاری کو سراہا۔ میں نے اپنی جیکٹ سے پلاسٹک کے تین ساشے نکالے اور ان میں ریت بھر لی۔ ان میں سے ایک پر لکھا: ''تمہارے لیے اولیور،'' دوسرے پر ''تمہارے لیے جیک،'' اور تیسرے پر ''تمہارے لیے ٹوبائی۔'' میں نے تینوں ساشے سنبھال کر رکھ لیے۔ اپنے تینوں بیٹوں کے لیے یہ میرے تحفے تھے۔

اگلے روز مارک نے کارروان کے آگے چلتے ہوئے ایک صحرائی لومڑ دیکھا۔ یہ پہلا اور آخری جانور تھا جو ہمیں صحرا میں اپنے طویل سفر کے دوران میں نظر آیا تھا۔ مارک بے حد خوش تھا، اس نے اس کی شکل، شباہت، رنگ غرض ہر تفصیل کا ذکر بڑے

پُر جوش انداز میں کیا۔ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ میں لومڑ کو دیکھ کر حیران ہوا یا لومڑ مجھے دیکھ کر۔ وہ عام کتے سے جسامت میں بڑا تھا۔ اس کی دم بھاری، کان چھوٹے، بال سفید اور پیلے تھے۔ وہ چھ فٹ پرے کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔ بعد میں وہ آرام سے چل دیا۔ اس کی آنکھیں مجھ پر گڑی ہوئی تھیں۔

چھوٹی موٹی بیماریاں تو سب کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔ عبدل اور گیو کو دانت کی تکلیف تھی۔ کیرولین نے دونوں کو دوا دی لیکن کوئی اثر نہیں ہوا۔ سلیمان کو اسہال کا عارضہ تھا۔ میرا گھٹنے کا درد بڑھ گیا تھا۔ لاؤ زہاؤ پر گرمی کا کوئی اثر نہیں تھا۔ میں نے اس کی پختہ جان کی تعریف کی۔ اس نے پرانا لباس پہن رکھا تھا، پتلا اور سوتی۔ سردی سے بچاؤ کے لیے اس نے اپنے سلیپنگ بیگ پر غلاف چڑھا لیا تھا۔ اپنی وضع قطع کے لحاظ سے وہ ایک بڑھیا دکھائی دیتا تھا۔ اس کی اکھڑی اکھڑی باتیں ہم سب کے لیے ہنسی مذاق کا موجب تھیں۔

اونٹوں کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ کچھ زخم مندمل ہو گئے تھے لیکن بعض بدستور موجود تھے۔ سلیمان ایک شام ایک اونٹ کی زبان کو چھیلنے لگ پڑا، ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ کیوں کر رہا ہے۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ زبان کی مردہ کھال کو اتار رہا ہے۔ میرے لیے اپنی ڈائری لکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ چند لفظ لکھتا تو انگلیاں سردی کے باعث جم جاتیں اور ان کے جوڑ درد کرنے لگتے۔ پنسل کو درمیان میں رکھ کر انہیں آہستہ آہستہ دبایا جاتا تو وہ قدرے کھل جاتی تھیں۔ میرے دستانے امدادی ٹیم کے پاس رہ گئے تھے۔ ان کی عدم موجودگی نے مجھے عذاب میں ڈال دیا تھا۔ 16 نومبر کو میں نے اپنی ڈائری میں لکھا: صبح ناشتہ کیا، موسم کے اعتبار سے دن بہت برا گزرا۔ یخ بستہ ہوا چلتی رہی، جس کی رفتار 40 سے 50 میل فی گھنٹا تک پہنچ جاتی۔ درجۂ حرارت منفی 10 فارن ہائیٹ تک تھا۔ پانی کے کنٹینر جم گئے تھے۔ اونٹوں کے پپوٹوں اور منہ کے گرد برف کے ذرات صاف نظر آتے تھے۔ برفیلی پہاڑیوں کے علاقے میں داخل ہوئے تو چند سو گز سے دور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہوا شور مچاتی چلتی تھی اور ہم ریت کے تھپیڑے کھاتے جھک کر چل رہے تھے۔ سورج ریت کے غبار میں سفید ہالہ سا نظر آتا تھا۔ کچھ ریت ہوا اڑاتی تھی، کچھ اونٹوں کے چلنے سے اڑتی تھی۔

ساربان اپنی چھڑیاں لہراتے، ہاتھ ملتے، بازوؤں کو تھپتھپاتے اور سردی کا اثر کم کرنے کی کوشش کرتے نظر آتے۔ اونٹ اور انسان، عناصر قدرت کے خلاف لڑتے، اپنی منزل کی طرف رواں تھے۔ وہ موت کے صحرا کو عبور کر رہے تھے۔ ہم سر جھکائے، راستے کی رکاوٹیں عبور کرتے جا رہے تھے۔

شام کو گیو سے باتیں کیں، میں نے پوچھا کہ اس مہم سے اسے کیا حاصل ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے اپنے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوا ہے۔ شروع میں وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ جسمانی لحاظ سے صحرا عبور کرنے کے قابل ہے۔ لیکن اب میں زیادہ پُراعتماد ہوں۔ میں گیو کا ممنونِ احسان ہوں، اس کے بغیر چین میں بہت سے معاملات طے نہ ہوتے۔ اس نے منصوبہ بندی کے ضمن میں بہت کچھ کیا۔ کیرولین نے اپنے آپ کو حقیقی معنوں میں انگریز ثابت کیا ہے۔ وہ کبھی کبھی اپنی ذات میں گم ہو جاتی ہے۔ آج اس نے مجھے ناراض کر دیا۔ میں نے عبدل اور لوسیئن کو بسکٹ پیش کیے۔ اس پر اس نے پھبتی کسی جو مجھے کھا گئی۔ اس کا کہنا تھا کہ ان کے پاس اپنے بسکٹ ہیں، انہیں مزید کیوں دیے گئے ہیں؟ میں نے کہا کہ مجھے علم تھا لیکن خوش خلقی بھی تو کوئی شے ہے۔ پھر یہ تفریق کا معاملہ بھی نہیں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ کوئی کہے کہ یہ میرا اور وہ ان کا معاملہ ہے۔ صحرا میں اشتراک کرنا پڑتا ہے۔ کیرولین ویسے بہت ہمدرد تھی۔ سب کی ضرورت کا خیال رکھتی، انہیں دوا دیتی، خیال رکھتی کہ انہوں نے گولیاں کھا لی ہیں یا نہیں۔ اونٹوں کے زخموں کو صاف کرتی ان پر دوا لگاتی۔

شدید سردی کے باوجود ریوپرٹ ریت کے نمونے لیتا رہا۔ اس نے سارے سفر میں ماپ تول کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ اعداد و شمار آکسفرڈ یونیورسٹی کے کام آتے تھے۔ مہم کے شروع ہونے سے لے کر اختتام کو پہنچنے تک ریوپرٹ نے تمام ضروری معلومات جمع کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ ہم نے قدیم آثار دریافت کیے۔ زمانے کی سختیوں سے اجڑتے ہوئے جنگلوں سے متعلق معلومات فراہم کیں۔ اسی طرح کئی اور دریافتیں بھی تھیں لیکن میں محسوس کرتا رہا کہ ہم بہت کچھ کر سکتے تھے اور سائنس اور جغرافیہ کو بہت کچھ دے سکتے تھے۔ صحرا کو پھر کون عبور کرے گا؟ ہمیں پانی اور دوسری ضروری اشیا میسر ہوتیں تو شاید ہم زیادہ بہتر کام کر سکتے اور علمی اضافے کے محرک

ثابت ہوتے۔ اصل میں زندہ رہنا بھی ایک معرکہ تھا۔ اس لیے جو کچھ بھی بن پڑا ہم نے کیا۔ ایک ٹیلے کے پاس سے گزرتے ہوئے میں نے ایک مردہ پرندہ دیکھا، وہ کب مرا، یہ اندازہ کرنا مشکل تھا، البتہ وہ اچھی حالت میں تھا۔ اس کے پر سفید تھے۔ ان پر زرد رنگ چھڑکا نظر آتا تھا۔ وہ جس حالت میں پڑا تھا، اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ جب مرا ریت پر بیٹھا ہوا تھا یا اس نے اپنی چونچ اپنے پروں میں دے رکھی تھی۔ شاید گرمی اور تحفظ کے لیے۔ میں تصور کر سکتا تھا کہ کس طرح پرندے جنوب کی جانب گرم علاقے کی طرف نقل مکانی کرتے ہوئے صحرا پر سے گزرتے ہیں، یہ پرندہ یا تو بیمار تھا یا تھک گیا تھا۔ اس لیے اڑ کر آگے نہیں جا سکا اور یہاں اتر گیا۔ پھر اس میں اڑنے کی سکت نہ رہی۔ بھوک اور موسم کی شدت کے باعث مر گیا۔ ہم صحرا میں کسی جہاز کے گرنے اور بکھرنے کی جگہ کے متلاشی رہے لیکن ہمیں کچھ نہیں ملا۔

باب 20

صحرا فتح ہو گیا

جب مہم انجام کو پہنچی تو صحرا میں گزرے ہوئے صبح و شام اور ان کے دوران میں پیش آنے والے احوال نگاہوں میں پھرنے لگے۔ صحرا بدل گیا۔ ریت کے ٹیلوں کی جگہ ہموار زمین نے لے لی۔ جس پر چھوٹے چھوٹے گول پتھر بچھے اور پھیلے ہوئے تھے۔ صحرا سے نکلنے کے آخری لمحات کو ہم اس طرح یاد نہیں رکھنا چاہتے تھے کہ ایک ابر آلود دن ہم ریت کے سمندر کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے جان بوجھ کر بیس میل پہلے ہی پڑاؤ کر لیا۔ ہمارے ایک طرف جیل تھا، دوسری جانب ہمارا گھر تھا۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ ہم جس امتحان سے گزرے وہ ہماری یادداشت سے محو ہو جائے۔ ہم جس مقصد سے نکلے تھے، وہ پورا ہو گیا۔ ہم زندہ سلامت واپس آ گئے۔ صحرا کی کشش اور ساتھیوں کی رفاقت کی یاد کو ہم بھلانا نہیں چاہتے۔

پڑاؤ ڈالنے سے پہلے عبدل نے جو اونٹ پر سوار تھا، دور سے ایک اونٹ کو کارروان کی طرف آتے دیکھا۔ جب وہ ہمارے قریب پہنچا تو وہ دو کہانوں والا، پلا ہوا تندرست جنگلی اونٹ تھا۔ اس نے ہمارے کارروان میں شامل اونٹوں کی بو پا کر پیچھا کرنا شروع کیا تھا۔ میں نے زہانگ سے کہا کہ وہ ساربانوں سے کہے کہ وہ اس اونٹ کو پکڑ لیں۔ لیکن انہوں نے کوئی دلچسپی نہ لی۔ سردی نے ان کے جسموں اور روح کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ صحرا میں ہمارا باقی کا جو فاصلہ رہ گیا ہے وہ پہلے کی طرح طے کرنے کے حق میں نہیں۔ وہ جلد از جلد لیوبز ہوانگ واپس پہنچنا چاہتے تھے۔

میں نے مارک سے کہا کہ آؤ اس اونٹ کو پکڑتے ہیں۔ ہم نے تیز قدم اٹھاتے ہوئے اونٹ کو گھیر لیا۔ وہ کبھی میری طرف دیکھتا تھا، کبھی مارک کی طرف۔ پہلے آہستہ آہستہ چلتا رہا پھر دلکی چال چلنے لگا، اس کا رُخ ہمارے کارروان کے اونٹوں کی جانب تھا۔ جلد ہی وہ ان کے قریب پہنچ کر ایک رسّے میں الجھ گیا۔ سلیمان تیزی سے اٹھا، اس نے اونٹ کی گردن میں رسّہ ڈال دیا۔ کیرولین نے کہا کہ تم نے تیس اونٹوں کے ساتھ سفر شروع کیا تھا۔ اس اونٹ کے مل جانے سے تمہارے اونٹوں کی تعداد تیس ہوگئی ہے۔ ریوپرٹ بولا کہ شاہراہِ ریشم پر اس اونٹ کی خاصی بڑی قیمت مل جائے گی۔

کارروان چل دیا، میں اور ریوپرٹ اس کی رہبری کر رہے تھے۔ تین گھنٹے بعد ایک سایہ دار جگہ رکے، اتنے میں قافلے کے دوسرے اونٹ بھی آ پہنچے۔ لیکن ان میں جنگلی اونٹ نہیں تھا مارک نے کہا کہ شاید وہ رسّہ تڑا کر بھاگ گیا ہے۔ سلیمان نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی، اس لیے وہ دوبارہ جنگل میں چلا گیا۔ میں خوش ہوا کہ وہ ترکستان کے اونٹوں کے بازار میں نیلام نہیں ہوا۔

آخری رات آگ کے گرد بڑی سنجیدہ فضا رہی۔ ہم بہت تھک گئے تھے، طویل سفر نے ہمارے جسم سے طاقت نچوڑ لی تھی۔ لاؤزہاؤ میں ہمت کی رمق باقی تھی۔ وہ ہمارے پاس آیا، اس نے جیب سے کپڑے کا ایک میلا سا ٹکڑا نکالا، ہمارے سامنے اسے کھولا اور اپنی ہتھیلی پر پھیلا دیا۔ اس پر چمک دار پتھر تھے، جو پہلی نظر میں ہیرے دکھائی دیتے تھے۔ اس نے بتایا کہ یہ قیمتی پتھر اس نے مزارتاغ کے قریب پہاڑ سے نکالے تھے۔ لاؤزہاؤ نے ان میں سے ایک بڑا پتھر دکھایا اور کیرولین کو دیا اور کہا کہ یہ برطانیہ کی عظیم وزیراعظم مارگریٹ تھیچر کی طرح کی خاتون کیرولین کے لیے تحفہ ہے۔ لاؤزہاؤ نے کہا کہ کیرولین بھی آئرن لیڈی ہے، جو ''آئرن لیڈی آف چائنا'' کہلائے گی۔

اس کے بعد اس نے تین چھوٹے پتھر اٹھائے اور انہیں میری ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا کہ یہ ایک پاگل پروفیسر کا پاگل جنرل کو تحفہ ہے۔ میرے بغیر مہم کا کامیاب ہونا ممکن نہیں تھا۔ میں اس تعریف سے بہت متاثر ہوا۔

نومبر کی 21 تاریخ کو، صحرا کو عبور کرنے کے 59ویں دن ہم نے اونٹوں کو آخری بار لادا بہت سا سامان ہم پھینک چکے تھے۔ جو تھوڑا سا رہ گیا تھا، اسے بڑی

آسانی سے اونٹوں پر رکھ دیا گیا۔ ہم نے ٹیم کو اکٹھا کیا اور ایک دائرے میں کھڑے ہو گئے۔ میرا گلا رُندھا ہوا تھا، میرا خواب پورا ہو گیا تھا۔ دس میل بعد ہماری دو ماہ کی مسافت پوری ہو جائے گی۔ صحرا میں ہمارے دن پورے ہو گئے ہیں۔ صحرا ہم پر مہربان ہو رہا ہے۔ میں نے کہا کہ مناسب ہو گا کہ ہم مل کر دعا کریں اور شکر بجالائیں کہ ہم صحرا سے سلامت واپس آ گئے۔ صحرا جس کے نام سے ظاہر ہے کہ جو اس میں گئے جیتے جی واپس نہیں آئے۔ یہ بات غلط ثابت ہو گئی ہے۔ دو ماہ پہلے ہم صحرا میں اترے تھے، آج ہم باہر آ گئے ہیں۔ تم سب کو اپنی اس کامیابی پر فخر کرنا چاہیے۔ یہ مشترکہ کامیابی ہے۔ برطانوی، چینی اور ایغیوروں کی اور اونٹوں کی بھی، اونٹوں کے بغیر یہ معرکہ سرانجام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اپنے گھر میں جاؤ تو اپنے خاندان کو بتانا کہ تم وہ پہلے لوگ ہو جنہوں نے تکلا مکان کو عبور کیا ہے۔ ہم نے جو دوستی کی ہے، وہ ہمیشہ رہے گی۔ میں ہمیشہ آپ کو یاد رکھوں گا، آپ میرے دل میں رہیں گے۔ اس کے بعد میں نے ہر ایک سے مصافحہ کیا، سب ایک دوسرے سے گلے ملے۔ یہ اونٹوں کے سامنے ہماری خاص قسم کی تقریب تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے نقشہ دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میں جانتا تھا کہ چند گھنٹوں بعد ہماری امدادی پارٹی ہم سے آ ملے گی۔

میں نے ریوپرٹ سے پوچھا کہ تم کیا محسوس کر رہے ہو۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا، تم بتاؤ تمہارے احساسات کیا ہیں؟

میں نے کہا کہ میں کچھ بھی محسوس نہیں کر رہا، کوشش تو کرتا ہوں، لیکن کچھ بھی نہیں، نہ کوئی کارنامہ انجام دینے کا احساس اور نہ ہی غم کا۔ میں تو بے جان سا ہو گیا ہوں۔

میرا بھی یہی حال ہے، اس نے کہا، سوچتا ہوں کہ جو کرنے نکلے تھے، کر لیا ہے۔ لیکن اس کے بعد کیا ہے؟ سب سے پہلے مجھے میرے والد کا یونین جیک دکھائی دیا جسے فرانسس نے ایک اونچی جگہ ایک پول سے لٹکا دیا تھا۔ پہلے اس کے رنگ دکھائی نہیں دیے۔ قریب پہنچے تو رنگ نمایاں ہو گئے اور پھر یوں لگا کہ اس نے شعلے کی شکل اختیار کر لی ہے۔ مجھے لگا کہ میرے والد ستارے میں بیٹھے مجھے دیکھ رہے ہیں اور میری رہنمائی کر رہے ہیں—— صحرا فتح ہو گیا۔

حرفِ آخر

صحرا سے باہر آنے کے تین روز بعد، شمال میں ارمچی کی جانب جاتے ہوئے میرے خیالات گڈ مڈ ہو گئے تھے۔ ارمچی سے ہمیں طیارے پر بیجنگ اور وہاں سے ہانگ کانگ اور پھر واپس انگلستان جانا تھا۔ بارنی کے ساتھ بیٹھے ہوئے میں نے سوچا کہ مہم کا دائرہ مکمل ہو گیا ہے۔ آخری بار میں اور بارنی مارکیٹ سے تکلا مکان جاتے ہوئے اکٹھے سوتے تھے۔ اس وقت ہم تازہ دم تھے اور ایک عظیم مہم پر نکلنے کے خیال سے بہادری کے جذبے سے سرشار تھے۔ لیکن اب گرم سرد چشیدہ مہم جُو تھے۔ وقت نے ثابت کیا کہ ہم ہر امتحان سے سُرخ رُو نکلے ہیں اور بجا طور پر اپنے تجربہ کار ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ میں نے اپنے ہاتھوں پر گہری جھریاں دیکھیں، جو شدید سردی کے باعث بن گئی تھیں۔ یہ میرے نہیں کسی بوڑھے کے ہاتھ تھے۔ ہم اس گاڑی میں بیٹھے تھے جو صحرا کو عبور کرنے کے لیے استعمال ہوتی رہی تھی۔ ہماری بائیں جانب تکلا مکان تھا۔ راز، موت اور اساطیر میں لپٹا ہوا۔ اب وہ ہمارے لیے اتنا خوف ناک نہیں رہ گیا تھا، وہ ہم پر مہربان رہا۔ مستقبل کے مسافروں کے لیے شاید وہ اتنا مہربان نہ ہو۔ ہمارے دائیں جانب لوپ نو صحرا تھا، جہاں چینی ایٹمی تجربات کرتے تھے۔ اس کے ماورا گوبی کا صحرا تھا۔

میں نے گاڑی میں پڑے ہوئے سامان اور اس کے حصے دیکھے۔ اب وہ ہمارے کسی کام کے نہیں تھے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک کہانی وابستہ

تھی۔ ہر چیز پر ٹالکم پاؤڈر کی سی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوا جیسے ہم صحرا کو اپنے ساتھ لیے جا رہے ہیں۔ میں نے کیسٹ ریکارڈر کا بٹن دبایا اور گیت سننے لگا۔ ریت کے ٹیلے اور اونٹوں کے قافلے میرے خیال میں آنے لگے۔ ہم فتح یاب لوٹے تھے۔ ہم نے ایک ایسا چیلنج قبول کیا تھا جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا کہ ہم اس پر پورے اتر سکیں گے۔

لیو بز ہوانگ میں آخری بار اونٹوں سے سامان اتارنے کے بعد چینی ڈرائیور ہمیں برق رفتاری سے اڑاتے ریوکیانگ لے گئے۔ یہ صحرا کو عبور کرنے سے بھی زیادہ خوف ناک تجربہ تھا۔ اونٹ دو دن بعد وہاں پہنچے۔ ہمیں بڑی دھوم دھام سے مارکیٹ سے روانہ کیا گیا تھا۔ لیکن اب جب ہم واپس آئے ہیں تو ہمارے استقبال میں وہ جوش وخروش نظر نہیں آیا۔ میں یونین جیک لہراتا ہوا گلی کوچوں میں گھوما پھرا۔ گیو جن وائی سرخ جھنڈا اٹھائے میرے ساتھ تھا۔ ہمارے آگے آگے پھل جھڑیاں چھوڑی اور پٹاخے داغے جا رہے تھے۔ ہمارے پیچھے مہم کے تمام ارکان تھے، جنہوں نے پلاسٹک کے بنے ہوئے پھول اٹھائے ہوئے تھے۔ یہ پھول سکولوں کے طلبا نے انہیں پیش کیے تھے۔ رات کو بڑے چوراہے میں آگ کا الاؤ جلایا گیا، جس کے گرد ہم مقامی موسیقی پر رقص کرتے رہے۔ ارمچی تک کے دو دن کے سفر کے دوران میں مزید استقبالیہ تقریبات ہوئیں۔ سب سے بڑی تقریب کورلا میں ہوئی، وہاں منگولیا کے روایتی انداز میں ہمارا خیر مقدم کیا گیا۔ ہم میں سے ہر ایک کو سونے، چاندی اور مرمر کے پیالوں میں بائی جن پینا پڑی۔ ہم سے تقاضا کیا جا رہا تھا کہ یہ کڑوا کسیلا مشروب ایک ہی گھونٹ میں گلے سے اتار دیں۔ اس کے بعد ہمیں چنگیز خان کی زندگی کے بارے میں ایک تمثیل دکھائی گئی۔ آخر میں چنگیز خان کی فرضی میت کی تدفین کا منظر تھا، رنگا رنگ لباسوں میں ملبوس لڑکیاں گیت گا رہی تھیں۔

ارمچی پہنچتے پہنچتے ہمارے جسم اور ہمارے دماغ معمول کی زندگی سے مطابقت کرتے کرتے تھک گئے تھے۔ صحرا میں زندگی کتنی سادہ تھی اور یہاں شور، ہنگامہ، شراب، مرغن کھانے تھے، جن سے ہم مانوس نہیں رہے تھے۔ ارمچی پہنچے تو وہاں بکنگھم پیلس سے آیا یہ خط ہمارا منتظر تھا، جس میں لکھا تھا کہ ہر میجسٹی یہ جان کر بہت خوش ہوئی ہیں کہ

برطانیہ اور چین کی تکلا مکان صحرا کو عبور کرنے کی مشترکہ مہم کامیابی سے ہم کنار ہو گئی ہے۔ تمہیں اور اُن تمام کو جو اِس مہم میں شریک رہے ہیں، اپنی طرف سے اور ہز رائل ہائی نس کی طرف سے دلی مبارکباد پیش کرتی ہوں۔

ہمیں اس سے بڑھ کر کسی توصیف کی ضرورت نہیں تھی۔

ہر دن کے ساتھ صحرا دور سے دور ہوتا چلا گیا۔ اور وہ ہر شے جس کے سہارے ہم نے یہ سفر طے کیا تھا، ہماری مہم کی قوت محرکہ بھی بہت جلد کافور ہو گئی۔ ہم اونٹ ریوکیانگ میں چھوڑ آئے تھے۔ جہاں سے وہ شاہراہِ ریشم کے ذریعے 400 میل کا سفر کر کے واپس ہوتان پہنچیں گے۔ سلیمان کا بھائی ان کی رہبری کرے گا۔ ہم نے صدر مقام ارمچی میں اپنے اویغور ساتھیوں کو الوداع کہا۔ ارمچی انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا، یہاں سے وہ پہلی بار ہوائی جہاز کے ذریعے کاشغر جائیں گے اور مارکیٹ میں اپنے اہل وعیال سے جا ملیں گے۔ جان اور اینی تھامس اپنے بیٹے کیون اور دو دوستوں کے ساتھ، ارمچی میں ہی قیام کریں گے۔ انہیں ہمارا سامان اور دو گاڑیاں واپس انگلستان لے جانے کی مشکل ذمہ داری پوری کرنی تھی۔ ہانگ کانگ نے انہیں زمینی راستہ سے جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اب ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ سرما کے وسط میں درّہ خنجراب سے گزر کر پاکستان جائیں۔ ان کی روانگی سے قبل چینی حکام نے ریت کے وہ تمام نمونے، جو ریوپرٹ نے بڑی محنت سے جمع کیے تھے، ضبط کر لیے۔ ان میں صحرا کے آغاز سے اختتام تک کے سفر میں، ہر علاقے کی ریت جمع کی گئی تھی۔ یہ آکسفرڈ یونیورسٹی کو پیش کی جانی تھی، چینیوں کا رویہ ناقابل فہم تھا۔ آخر ریت کے لے جانے میں کیا حرج تھا؟ بعد میں خیال آیا کہ شاید وہ سمجھتے ہوں کہ اس ریت سے اندازہ کیا جا سکے گا کہ چین نے ایٹمی دھماکہ کیا ہے۔ جان کی ٹیم دو ہفتے کے سفر کے بعد کراچی پہنچی، دونوں گاڑیاں بحری جہاز سے انگلستان روانہ کی گئیں۔

صحرا عبور کرنے والی ٹیم ارمچی سے طیارے پر بیجنگ روانہ ہوئی۔ گیوجن وائی اور لاؤزہاؤ ہمارے ساتھ ائرپورٹ تک آئے۔ ٹینا بیجنگ کے ائرپورٹ پر میری منتظر تھی۔ وہ ایک گھنٹا پہلے ہی ہانگ کانگ سے وہاں پہنچی تھی۔ صرف ڈھائی ماہ پہلے ہی اس

نے مجھے ہیتھرو ائرپورٹ (لندن) سے الوداع کہی تھی۔ میں نے صحرا میں کئی بار خیال ہی خیال میں واپسی پر اس سے ملنے کا انداز طے کیا تھا۔ لیکن اب جب وہ میرے سامنے تھی، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ اس نے شاید مجھے دیکھا ہی نہیں، یا میری موجودگی کا اسے علم ہی نہیں ہوا۔ جیسے ہی میں اس کے قریب پہنچا تو وہ دیکھ کر بے ہوش سی ہوگئی۔ میں ایک دبلا پتلا، منحنی شخص، جس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی، جس کے تن پر وہی لباس تھا جو اس نے صحرا میں پہن رکھا تھا اور اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ ہم دونوں لپٹ گئے۔ میرا جسم لرز رہا تھا۔ مجھے پہلی بار محسوس ہوا کہ میں نے مہم سر کر لی ہے۔ میں جب صحرا میں تھا تو فرقت کے طویل دن اور راتیں گزار رہا تھا، اپنے بیٹوں کے بارے میں تشویش اور اضطراب میں مبتلا ہوتا تھا اور بیٹے مایوسی اور غصے کے عالم میں یہ سوچنے کی کوشش کرتے تھے کہ ان کا باپ آخر کیوں کہیں چلا گیا ہے۔ ابتدا ہی میں ٹینا کو خیال گزرتا تھا کہ میں شاید زندہ سلامت واپس نہ آ سکوں۔ صحرا کی دہشت، اس کے ان خدشات کو تقویت پہنچاتی رہی، ستم بالائے ستم یہ کہ میرے گھر سے رخصت ہونے کے بعد اسے سرہانے کے نیچے سے ایک لفافہ ملا جو میں چھوڑ آیا تھا۔ اس میں ایک خط تھا، منگنی کی انگوٹھی تھی، ایک گھڑی تھی، فوجی شناختی کارڈ تھا۔ نیپال میں اپنے باپ کے جنازے میں شرکت کے لیے جب میں نیپال پہنچا اور والدین کے گھر میں داخل ہوا تو سب سے پہلے جو چیز میں نے دیکھی وہ منگنی کی انگوٹھی، گھڑی اور شناختی کارڈ تھا۔ تمام چیزیں نہایت نفاست کے ساتھ میز پر رکھی ہوئی تھیں۔ ٹینا کو میری یہ چیزیں دیکھ کر لگا کہ تاریخ اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے۔

بیجنگ میں میرا اور ٹینا کا پھر سے ملاپ آسان نہیں تھا۔ اس میں کئی وقفے تھے، جنہیں وقت ہی پر کر سکے گا۔ ہمیں بیجنگ میں ممنوعہ شہر، گرمائی محل اور دیوار چین پر پکنک مناتے ہوئے تنہائی کے کئی لمحات میسر آئے۔ ٹینا کو یہ تسلیم کرنا مشکل تھا کہ میری روح ابھی تک تکلا مکان میں ہے اور مہم میں مصروفیت نے ہر چیز کو گہنا دیا ہے۔ چینی ذرائع ابلاغ میں مہم کے دوران کی ہماری کامیابیوں کا وسیع تذکرہ ہوا۔ بیجنگ میں تین روزہ قیام میں سرکاری تقریبات، پریس کانفرنسیں اور دوسری مصروفیات کم ہوئیں، اس سے ہمیں صحرا سے باہر کی زندگی اور مستقبل سے مطابقت پیدا کرنے میں مدد ملی۔

چین سے واپسی کے بعد ٹیم کے ارکان اپنے اپنے راستے پر چل دیے۔ بارنی ابھی تک فوج میں ہے۔ اس کی ترقی ہوگئی ہے۔ کیرولین ڈیون میں اپنے خاندان کے باغ کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔ ریو پرٹ افریقہ میں ایک تنظیم کے ساتھ بارودی سرنگیں صاف کرنے میں مصروف ہے۔ کیتھ کیلے فورنیا میں اپنا فوٹو گرافی کا کاروبار کر رہا ہے۔ مارک نے فوج چھوڑ دی ہے اور لندن میں اپنے کاروبار کے لیے وقتاً فوقتاً چین جاتا رہتا ہے۔ رچرڈ شنگھائی میں ایک بنک کے دفتر میں کام کر رہا ہے۔ جان اور اینی تھامس نے ویلز میں کاروبار شروع کر رکھا ہے۔ فرانسس نے واپس سٹی بنک میں فنڈ منیجر کا منصب سنبھال لیا ہے۔ پال پینٹنگ کر رہا ہے، کرشنا جرنلسٹ ہے۔ ہم سب کے درمیان جو رشتہ ہے، بہت مضبوط ہے اور ہمیں اس کا احساس بھی ہے۔ ہم مل کر ایک تاریخی تجربے سے گزرے ہیں، جو زندگی بھر ہمارے ساتھ رہے گا۔ ایسے لمحات بھی آئے، جب ہم اپنے بارے میں بے یقینی کے شکار ہوئے، پیچھے مڑ کر صحرا کی طرف دیکھتا ہوں تو یہ حقیقت بڑی تقویت کا موجب ہوتی ہے کہ ہمیں ایک خواب کی تعبیر مل گئی۔

دسمبر کے اوائل میں گھر آیا۔ ہیمپشائر کی وادی میں صبح ہو رہی تھی۔ گاؤں کا ایک دوست مجھے اور ٹینا کو ائرپورٹ پر ملا۔ سیدھا پگھل جاتے اور بچوں کو ملنے سے گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔ میں چند لمحے اکیلا رہنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں صبح کی نیم روشنی میں، دریا کے ساتھ کی گلی میں چلتا گیا۔ یہ گلی میرے گھر کو جاتی ہے۔ صبح، صحرا ہی کی طرح خاموش، اور خوبصورت تھی۔ میں نے چاند اور چند ایک ستاروں کو دیکھا اور سوچا کہ میں اور مارک ایک اونچے ٹیلے پر بیٹھے، ریتلے ٹیلوں کی قطاروں اور ان کے گڈمڈ ہوتے سایوں کو دیکھ رہے تھے۔ دُور جنوب میں کیون لیون پہاڑ کا سلسلہ تھا۔ میں نے بہ خیریت گھر پہنچنے پر بآوازِ بلند اظہارِ تشکّر کیا اور اپنے والد کو یاد کیا۔ میں نے اندھیرے میں بچوں کو زور سے چلاتے سنا، ''ڈیڈی، ڈیڈی''—— میں گھر آ گیا تھا۔